سلسلۂ مطبوعات مجلس
۳۹

ارکانِ اربعہ (۴)

اسلامی عبادات

کتاب و سنت کی روشنی میں

- نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کے اسرار و مقاصد کا بیان
- ان کے حقیقی فوائد و ثمرات کی تشریح
- انسانی زندگی پر ان کے اثرات و نتائج کا جائزہ
- اور ـــــ عیسائیت و یہودیت نیز ہندو مذہب کے ساتھ ان کا تقابلی مطالعہ۔!

مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ

www.abulhasanalinadwi.org

(جملہ حقوق محفوظ)

ساتواں ایڈیشن

۱۴۱۵ھ — ۱۹۹۴ء

کتابت _____ ظہیر احمد کاکوروی

طباعت _____ لکھنؤ پبلشنگ ہاؤس۔ لکھنؤ

صفحات _____ ۳۸۴

قیمت _____

باہتمام

محمد غیاث الدین ندوی

طابع وناشر

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام پوسٹ بکس ۱۱۹ لکھنؤ

(دارالعلوم ندوۃ العلماء)

www.abulhasanalinadwi.org

ارکانِ اربعہ

اسلامی عبادات

کتاب وسنت

کی

روشنی میں

۱۴۰۱ھ ـــــ ۱۹۸۱ء

عربی (بیروت) ـــــ چوتھا ایڈیشن

تُرکی (انقرہ) ـــــ دوسرا ایڈیشن

اردو (لکھنؤ) ـــــ پانچواں ایڈیشن

اردو (کراچی) ـــــ دوسرا ایڈیشن

انگریزی (لکھنؤ) ـــــ چوتھا ایڈیشن

www.abulhasanalinadwi.org

www.abulhasanalinadwi.org

فہرست مضامین

مضامین	صفحہ
مقدمہ	۱۱ - ۱۸
نماز	۱۹ - ۱۲۶
نماز کی حقیقت اور اس کے فوائد و اسرار	۲۰
رب اور بندہ کا تعلق	۲۰
تعلقات صفات کے تابع ہیں	۲۰
شریعت اسلامی اور قرآن مجید میں صفات و اسماء کی اہمیت کی وجہ	۲۱
انسان مجموعۂ اضداد ہے	۲۲
فطری انس و محبت	۲۳
جذبۂ تسلیم و رضا	۲۴
ایک مثالی وجود یا معیاری ہستی کی ضرورت	۲۵
خدا اور انسان کے تعلق کی صحیح اور معقول تمثیل	۲۵
پوری کائنات محو عبادت اور سربسجود ہے	۲۷
اس کائنات میں انسان کا مقام اور دوسری مخلوقات سے اس کے امتیاز کا راز	۳۰
موزوں طریقۂ عبادت	۳۲
اس کی شخصیت کا لباس	۳۳
نماز کی مقدار و تعداد میں تخفیف کا راز اور اس کے نفسیاتی فوائد اور اثرات	۳۳
قرآن میں اس کی ایک نظیر	۳۴
روحانی غذائیں اور دوائیں اور ان کی خوراک اوقات	۳۵
نمازوں کے اوقات اور ان کے تسلسل کی حکمت	۳۸
اسلام میں نماز کی اہمیت	۳۹
نماز کے دوام کی ضرورت اور اس کے ترک کے خطرات	۴۲
کسی خدمت و جہاد کی وجہ سے نماز سے غافل کی مثال	۴۳
نماز کی پابندی اور حفاظت کا راز اور اس کے تارک کی سزا	۴۳
نماز مومن کے حق میں ایسی ہے جیسے مچھلی کے لئے پانی	۴۵
مومن کی جائے پناہ اور جائے امن	۴۵
نماز میں جسم، عقل اور قلب تینوں کی نمائندگی ہے	۴۷
صرف ایک چیز کی نمائندگی پر اصرار جہالت اور گمراہی ہے	۴۸
نماز کا حکیمانہ و معجزانہ نظام تربیت	۴۹
نماز میں قبلہ کی طرف رخ کرنے کی حکمت اور اس کے اثرات	۴۹

www.abulhasanalinadwi.org

تکبیر اور اس کے آفاق	۵۲
اس شہادت کی اہمیت اور تاریخ میں اس کے کارنامے	۵۳
نماز کے افتتاح کے اذکار اور دعائیں	۵۶
سورۂ فاتحہ کا جمال و جامعیت اور زندگی پر اس کا اثر	۵۷
تدریجی اور فطری عبادت	۶۲
سجدۂ شوق	۶۳
نماز میں درود کی حیثیت اور اس کی حکمت	۶۵
مومن کی خود اعتمادی اور اس کی جماعت اور گروہ کا تعین	۶۸
نماز کا حسن اختتام	۶۹
حقیقی نماز کا غیر اللہ کی بندگی اور جاہلیت کی زندگی سے کوئی ربط نہیں	۷۱
اخلاق و رجحانات پر نماز کا اثر	۷۲
نماز کی تیاریوں کا راز اور اس کے لئے مناسب و سازگار فضا بنانے کا فائدہ	۷۳
اذان نماز کا اعلان، اور اسلام کی دعوت	۷۴
پاکی اور اس کے اہتمام کے اثرات و فوائد	۷۵
مساجد اور مسلم معاشرہ میں ان کی اہمیت و مرکزیت	۷۷
ایمانی و روحانی فضا کی تکمیل کے لئے بعض ہدایات و آداب	۷۹
جماعت اور اس کی اہمیت و فضیلت	۸۰
جماعت کی بعض حکمتیں اور آداب و مصالح	۸۲
جمعہ۔ اس کا درجہ اور خصوصیات	۸۴
جمعہ ہفتہ کی میزان ہے	۸۷
عیدین کی نماز اور ان کی اسلامی خصوصیات	۸۹
بدعت، تحریف اور انتشار سے حفاظت کے لئے جمعہ اور جماعت کی اہمیت و ضرورت	۹۰
"نماز" دوسرے مذاہب میں	۹۱
یہودی مذہب میں "نماز" کی حقیقت	۹۲
رومن کیتھولک عیسائیوں میں "نماز" کی شکل	۹۶
پروٹسٹنٹ فرقہ میں "نماز" کا طریقہ	۹۹
ہندو مذہب میں عبادت کے طور طریق	۱۰۰
سنن و نوافل اور وتر کی نماز	۱۰۷
نمازوں کا تنوع اور ان کے مختلف اغراض و مقاصد	۱۰۹
نماز کے بارے میں اسلاف کا نقطۂ نظر اور طرز عمل	۱۱۰
تہجد، اس کے اثرات و فوائد، اس کے ساتھ اسلاف کا معاملہ اور اہل دعوت و اصلاح کے لئے اس کی اہمیت	۱۱۱
نوافل اور کثرت عبادت کے ثمرات و نتائج	۱۱۶
نماز میں جدا جدا نمازوں کے مرتبے بھی جدا	۱۱۸
ختم نبوت اور حضورؐ کی وفات کے بعد نماز اور قرآن کی اہمیت و فضیلت	۱۲۱

www.abulhasanalinadwi.org

نماز کی ظاہری و باطنی دونوں حیثیتیں اور شکلیں مطلوب ہیں ۱۲۳
مصلحین امت، ماہرین تعلیم و تربیت اور دینی تحریکات کے علمبرداروں کا فرض ۱۲۵

زکوٰۃ ۱۲۷ - ۲۲۲

رب اور بندہ کا تعلق اور اس تعلق کا تقاضا ۱۲۸
مظاہر ربوبیت اور لطف و عنایت ۱۲۸
فطرت انسانی کا خاصہ اور زندگی و تمدن پر اس کا اثر ۱۳۰
کوئی چیز انسان کی حقیقی ملک نہیں ۱۳۱
اسلام کے اقتصادی نظام کا بنیادی تخیل، ہر چیز خدا کی ملکیت ہے ۱۳۲
انسان کی طرف مال کی اضافت کا راز اور اس کے مصالح ۱۳۳
خلافت و امانت کا تصور ۱۳۵
امانت و خلافت کا تصور اولین مسلمانوں میں کیا تھا؟ ۱۳۷
انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب اور مسلمانوں کی فیاضی و گرمجوشی ۱۳۸
زکوٰۃ، انفاق و صدقات کے معنی میں ۱۳۹
زکوٰۃ کے ایک ایسے معین اور مخصوص نظام کی ضرورت جو ہر طبقہ اور ہر عہد کا ساتھ دے سکے ۱۴۰
زکوٰۃ کس چیز پر واجب ہے اور اس کے مقدار کے تعین میں کیا حکمت ہے ۱۴۲
زکوٰۃ کا صحیح مصرف اور اس کے مناسب اوقات ۱۴۴
زکوٰۃ کے مصارف اور اس کے اجتماعی نظام کا قیام ۱۴۵
زکوٰۃ کے بنیادی مصالح ۱۴۷
زکوٰۃ کی نمایاں خصوصیات ۱۵۰
تبشیر و انذار ۱۵۱
مالداروں سے لیا جائے اور غربا میں تقسیم کیا جائے ۱۵۷
تقویٰ، تواضع اور اخلاص کی اسپرٹ ۱۵۹
زکوٰۃ اور سود کا فرق ۱۶۲
قانون زکوٰۃ میں اسلامی اصلاحات ۱۶۷
قدیم مذاہب میں صدقہ و زکوٰۃ کا تصور ۱۶۷
صدقہ و خیرات ہندو مذہب میں ۱۶۸
صدقہ و خیرات یہودی مذہب میں ۱۷۵
صدقہ و خیرات عیسائی مذہب میں ۱۸۳
اسلام کی اصلاحات ۱۸۸
مذہبی اور طبقاتی اجارہ داری کا خاتمہ ۱۸۸
زکوٰۃ کی ادائیگی میں واسطوں کی ضرورت نہیں ۱۹۰
مستحقین زکوٰۃ کے حقوق میں اضافہ ۱۹۱
اسلام میں زکوٰۃ کی اہمیت اور شرعی حیثیت ۱۹۲
زکوٰۃ نظام کے ساتھ ضروری ہے ۱۹۴

www.abulhasanalinadwi.org

حضرت ابوبکرؓ کا موقف	۱۹۴
حضرت ابوبکرؓ نے یہ موقف کیوں اختیار کیا؟	۱۹۵
حضرت ابوبکرؓ کا موقف اور اس کے اہم نتائج	۱۹۸
نقد مال کی زکوٰۃ میں حضرت عثمانؓ کا موقف	۱۹۹
نظام زکوٰۃ میں مسلم حکومتوں کی کوتاہی اور اس کا انجام	۲۰۰
زکوٰۃ ہمدردی و غمخواری کی ادنیٰ حد ہے	۲۰۰
مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے	۲۰۱
زندگی اور مال کے بارے میں نبوی نقطۂ نظر	۲۰۲
حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت کی زندگی	۲۰۴
فاضل مال سے انقباض اور کبیدگی	۲۰۵
ضرورت سے زائد مال کو صدقہ و خیرات کرنے کی ترغیب	۲۰۶
اسلام کی نظر میں انسان کی قیمت اور غمخواری کی اہمیت	۲۰۷
صحابہ کرام کی زندگی پر اسوۂ رسولؐ کا پرتو	۲۰۸
خلفاء راشدینؓ، صحابہؓ اور اہل بیت رسولؐ کا طرز زندگی	۲۰۸
اولین اسلامی معاشرہ میں غمخواری و ایثار کی مثالیں	۲۱۰
ایثار و ہمدردی کے چند حیرت انگیز واقعات	۲۱۱
عہد آخر میں اسلامی معاشرہ کی مابہ الامتیاز خصوصیت	۲۱۶
رضاکارانہ اور فطری جذبۂ ہمدردی یا جبری اور محدود نظریۂ مساوات	۲۱۷

روزہ ۲۲۳ - ۲۸۴

نہ حیوان نہ فرشتے	۲۲۴
خلافت کے تقاضے اور اس کے لوازمات	۲۲۵
روح و جسم کی باہمی کشمکش اور ان کے متضاد میلانات	۲۲۶
انسانی زندگی اور مذاہب و اخلاق کی تاریخ میں اس کشمکش کے اثرات	۲۲۹
معدہ کی پرستش اور اس کے مہلک اثرات	۲۳۱
انسان کے مقصد زندگی کی تکمیل اور اعلیٰ اخلاقی قدروں کی تشکیل کے لئے نبوت کی چارہ سازی	۲۳۲
روزہ کے مقاصد اور زندگی پر اس کے اثرات	۲۳۲
روزہ قدیم مذاہب میں	۲۳۵
روزہ یہودیوں میں	۲۳۶
عیسائیوں میں روزہ کے احکام	۲۳۸
روزوں کے تعین و تعداد میں آزادی اور خود رائی کے مفاسد	۲۴۱
غذا کی تقلیل و تعیین، یا مطلق ممانعت	۲۴۲
مسلسل روزہ یا توڑ توڑ کر	۲۴۳
عاشورا کا روزہ	۲۴۴
روزہ کا حکم اور اس سلسلہ کی آیات	۲۵۲
روزہ کی خصوصیات اور اس کے فضائل و احکام	۲۶۰

www.abulhasanalinadwi.org

رمضان کو روزہ کے ساتھ مخصوص کیوں کیا گیا؟	۲۶۰
عبادات کا عالمی موسم اور اعمال صالحہ کا جشن عام	۲۶۲
عالمی فضا اور سوسائٹی پر اس کے اثرات	۲۶۳
فضائل اور اس کی قوت و تاثیر	۲۶۴
روزہ کی روح اور حقیقت کی حفاظت اور ایجابیت و سلبیت کا امتزاج	۲۶۶
روزہ کے مقاصد کے باب میں کوتاہی اور عبادت پر عادت کا غلبہ	۲۷۰
تحریف اور غلو سے حفاظت	۲۷۱
اعتکاف	۲۷۵
شب قدر	۲۷۶
روزہ میں اسلام کا اصلاحی کردار	۲۷۸

حج ۲۸۵-۳۶۰

اسلام توحید کا دین ہے اس میں وساطت و وکالت کی ضرورت نہیں	۲۸۶
ایک مشہود کی ضرورت جو شوق و تعظیم کا مرکز بن سکے	۲۸۸
شعائر اللہ اور ان کی حکمت	۲۸۸
انسان کی فطرت میں عشق و محبت کا عنصر	۲۸۹
"صفات" ہی کے علم سے محبت پیدا ہوتی ہے اور اسی لئے قرآن مجید اس پر بہت زور دیتا ہے	۲۹۱
اس ساغر کی کیا قیمت جو کبھی چھلک نہ پائے	۲۹۲
حج بیت اللہ جذبۂ عشق کی تسکین کے لئے ہے	۲۹۲
مادیت کے قفس زریں سے کائنات کی بیکراں وسعتوں میں	۲۹۴
عقل و مادیت کے پرستاروں کے خلاف نعرۂ بغاوت	۲۹۶
حاجی حکم کا بندہ ہے اور اشاروں کا غلام ہے	۳۰۰
رحمت خداوندی کو متوجہ کرنے میں زمان و مکان کا حصہ	۳۰۱
ملت حنیفی کے امام حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تجدید تعلق، حج کے سب سے اہم مقاصد میں ہے	۳۰۳
حضرت ابراہیم کے قصہ کی حج میں تمثیل	۳۰۴
قرآن مجید میں حضرت ابراہیمؑ کا قصہ اور بلد امین سے اس کا تعلق	۳۰۵
حج، ابراہیمی اعمال و صفات کی یادگار اور آپ کی دعوت و تعلیم کی تجدید ہے	۳۱۷
تاریخ کا نیا عنوان، انسانیت کی حد فاصل	۳۱۸
انسانیت کا سہارا	۳۱۸
ہدایت و ارشاد اور اصلاح و جہاد کا ابدی مرکز	۳۱۹
اے خنک شہرے کہ آنجا دل براست	۳۲۰

www.abulhasanalinadwi.org

تحریف وفساد سے حفاظت کے لئے اس سالانہ اجتماع کی اہمیت	۳۲۱	بلدامین کو اپنی خصوصیات برقرار رکھنا چاہیئے	۳۳۰
بین الاقوامی ہدایت ورہنمائی کا ابدی مرکز	۳۲۳	حج کو زیادہ سے زیادہ موثر اور مفید بنانے کے لئے شریعت کے حکیمانہ انتظامات	۳۳۱
اسلامی وانسانی اخوت اور عالمی برادری کا مظاہرہ	۳۲۵	دوسرے مذاہب میں حج وزیارت اور اسلامی حج سے اس کا موازنہ	۳۴۱
حج کے منافع	۳۲۷	حج میں اسلام کا اصلاحی کردار	۳۵۲
اسلامی زندگی کا صحیح نمونہ پیش کرنا بلدامین کی ذمہ داری ہے	۳۲۸	اشاریہ (انڈکس) مرتبہ: محمد غیاث الدین ندوی	۳۶۱

www.abulhasanalinadwi.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

اس کتاب میں اسلام کے چار بنیادی رکن نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کی حقیقتوں اور حکمتوں سے بحث کی گئی ہے، اس میں ان کی صحیح شرعی حیثیت، قانونی پہلو، دینی نظام اور انفرادی و اجتماعی زندگی میں ان کے مقام، اور ان کے ان مقاصد اور اسرار کی تشریح کی گئی ہے، جو قرآن و حدیث سے ثابت ہیں، اور جن کو قرون اولیٰ کے مسلمانوں، دین کے حقیقت شناسوں اور تاریخ اسلام کے ممتاز اور معتبر علماء دین اور راسخین فی العلم نے بے تکلف و خیال آرائی، فلسفیانہ موشگافی اور شخصی انتہا پسندی اور مبالغہ آرائی کے بغیر اس کے اصل سرچشمہ سے ٹھیک ٹھیک اخذ کیا تھا، وہ نہ درآمد کئے ہوئے افکار و خیالات اور نہ اپنے زمانہ کے جدید رجحانات سے متاثر ہوئے تھے، نہ ان ارکان کی حقیقتوں اور حکمتوں، ان کے مقاصد و اسرار اور ان کے اصول و طریقۂ کار کو اپنے اپنے زمانہ کے سیاسی فلسفوں اور معاشی و اجتماعی نظاموں کے پیمانہ سے ناپ رہے تھے۔

مصنف نے اس کتاب کی تالیف میں قرآن مجید کا از سر نو مطالعہ کیا، حدیث کے صحیح اور معتبر مآخذ کا دوبارہ جائزہ لیا، اور ان ارکان کے موضوع، نیز ان کی تشریح و تفصیل اور ان کے مقاصد و اسرار کے سلسلہ میں جو کچھ لکھا گیا ہے، اس پر ایک نظر ڈالی، اسے اس سلسلہ میں سب سے بڑی مدد ان ائمۂ اسلام کی تحریروں اور تحقیقات سے ملی جن کو

www.abulhasanalinadwi.org

اللہ تعالیٰ نے اسلام کے فہم صحیح کا حصۂ وافر عطا فرمایا تھا، اور وہ افراط و تفریط اور تکلف و مبالغہ آرائی سے محفوظ رہ کر اس کی گہرائیوں تک پہونچ گئے تھے، اور جنھوں نے مقاصد شریعت، رموز کتاب اور اسرارِ احکام کے بیان اور تشریح میں وہی طریقہ اختیار کیا جو شریعت کو مطلوب ہے، اور جو ان اولین مسلمانوں کا شیوہ تھا، جو اس کے براہِ راست مخاطب تھے اور جن کی زبان میں قرآن مجید نازل ہوا۔

یہ لوگ دین کی گہری بصیرت، صحیح فہم عمیق علم، مکمل عمل، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قدم بہ قدم اتباع اور علم و عمل کے میدان میں جہد مسلسل کے جامع تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے ہدایت کے تمام راستے کھول دیئے اور دشوار چیزوں کو آسان بنا دیا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ	اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے
سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝	ہیں ہم ان کو اپنے راستے ضرور دکھائیں گے اور
(العنکبوت۔ ۶۹)	بیشک اللہ خلوص والوں کے ساتھ ہے۔

ایک طرف ان عبادات کی روح ان کے سارے وجود میں جاری و ساری تھی، اور وہ اس رنگ میں پوری طرح رنگ چکے تھے، دوسری طرف وہ ان علوم کے قلب و جگر میں اتر گئے تھے، اور اس میں بھی ان کو مرتبۂ کمال حاصل تھا، جن کے بغیر ان اسرار و رموز تک رسائی ناممکن تھی، انھوں نے صدق و اخلاص سے اس پر عمل کیا تھا، اور اعلیٰ درجہ کی بصیرت، ذہانت، گہرائی اور دقت نظر کے ساتھ اس کی روح و حقیقت کو سمجھا تھا، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان عبادات کے مضامین و معانی، اسرار و رموز اور حقائق و مضمرات بے ساختہ ان کی زبان سے ادا ہوئے۔

مصنف کو اس سلسلہ میں سب سے زیادہ فائدہ حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مایۂ ناز کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" سے ہوا جو اپنے موضوع پر بے نظیر اور منفرد کتاب ہے، شاہ صاحب نے ان چاروں ارکان سے متعلق جو کچھ لکھا ہے، اس کا جوہر اور عطر اس کتاب میں آگیا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

اس کتاب میں سب سے پہلے قرآن وحدیث کو اپنے سامنے رکھا گیا، اور ان دونوں چیزوں میں ان ارکان کی روح اور حقیقت اور مقاصد وطریقۂ کار کے بارہ میں جو کچھ آیا ہے، اس کا مطالعہ کیا گیا، پھر ائمۂ اسلام کی کتابوں میں ان کی جو تفسیر بیان کی گئی ہے، اس سے استفادہ کیا گیا، اس کے بعد اپنی کم مائگی وبے بضاعتی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان ارکان کی حقیقتوں اور حکمتوں کے جو پہلو اپنے لطف وکرم سے آشکارا فرمائے اور ان کے اسرار ومعانی (جن کا زندگی سے گہرا تعلق ہے اور جن سے ذہن ودماغ کی بہت سی گرہیں کھلتی ہیں اور بڑے بڑے مسائل حل ہو جاتے ہیں) کے فہم کا جو حصہ عطا فرمایا گیا، اس کے پیش کر دینے میں بھی کوئی حرج نہیں سمجھا گیا، اسی طرح بعض متاخرین ومعاصر اہلِ علم کے اقتباسات پیش کرنے میں بھی تأمل نہیں ہوا، بایں ہمہ اس کی کوشش کی گئی کہ کتاب کے علمی، ادبی اور عصری اسلوب میں کوئی فرق نہ آئے اور طرزِ بیان میں کسی طرح کی خشکی اور ژولیدگی پیدا نہ ہونے پائے، خدا کا شکر ہے کہ محض اس کے فضل سے یہ کتاب قدیم وجدید دونوں فوائد کی حامل ہے اور اس موضوع پر پورے اسلامی کتب خانہ میں جو کچھ لکھا گیا ہے، اس کی نمائندگی کر سکتی ہے، اس میں جدید اسلامی نسل کے سامنے ان حقائق کو نئے طریقے سے پیش کیا گیا ہے، جو متقدمین کی کتابوں اور ان کے قدیم اسلوب سے نامانوس اور متوحش ہونے کی وجہ سے ان کے علمی فیوض اور رشحاتِ قلم سے روز بروز محروم ہوتی چلی جا رہی ہے، یہ ہماری نئی نسل کے لئے بڑے خطرہ کی علامت، اسلاف کے حق میں سخت کوتاہی اور اس عظیم اسلامی کتب خانہ اور علمی ورثہ کی ناقدری کے مرادف ہے، جس کا مقابلہ دنیا کی کسی قوم کا مذہبی کتب خانہ نہیں کر سکتا۔

اس امت نے جس طرح عبادات کے اشکال اور احکام وقوانین بحفاظت اپنی آئندہ نسلوں تک پہونچائے ہیں، اسی طرح اس نے ان کی حقیقت اور روح اور ان کی کیفیات واثرات بھی ورثہ کی طرح ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل کئے ہیں، یہ دونوں چیزیں بغیر کسی وقفہ اور خلا کے مسلسل اور متواتر طریقہ پر ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہوتی رہیں اور آج بھی یہ میراث اسی طرح محفوظ مکمل اور قابلِ عمل ہے، اب کسی کو

www.abulhasanalinadwi.org

یہ حق حاصل نہیں کہ وہ ان ارکان میں سے کسی رکن کا کوئی ایسا اور نیا مفہوم ایجاد کرے جس سے یہ امت اپنی پوری تاریخ میں ناآشنا رہی، اس کو اس کی بھی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ باہر سے کوئی لباس درآمد کرکے یا مستعار لے کر ان کو زبردستی پہنانے کی کوشش کرے۔

اس درمیان میں مصنف کو خیال آیا کہ وہ ان دوسرے مذاہب میں بھی ان عبادات کی نوعیت کا مطالعہ کرے، جو تاریخ کے کسی نہ کسی دور میں اور کسی نہ کسی طریقہ سے آسمانی شریعت سے اپنا رشتہ جوڑتے ہیں، اور جن کو موجودہ دنیا کی ایک کثیر آبادی اب بھی اپنا مذہب مانتی ہے، چنانچہ ان مذاہب کی عبادتوں، طور طریقوں ان کے تاریخ و فلسفہ اور احکام و تعلیمات کا موازنہ اسلام اور شریعت اسلامی کے احکام اور اس کے فلسفہ اور اصول و قوانین سے کیا گیا، اور اس سلسلہ میں ان مذاہب کے صرف ان مراجع و مآخذ پر اعتماد کیا گیا، جو خود ان مذاہب کے علماء و مصنفین کی نظر میں حجت اور لائق شہادت ہیں، اسی طرح اسلام کے چاروں ارکان کے سلسلہ میں زیادہ تر قرآن و حدیث پر بھروسہ کیا گیا اور کہیں کہیں ائمۂ اسلام کی کتابوں پر، اور یہ کوشش کی گئی کہ موازنہ غیر جانبدارانہ، غیر جذباتی، اور دیانت داری اور اصول علمی پر مبنی ہو اور اس کا وہ مغز اور جوہر ہاتھ آجائے، جو ان مذاہب کے مقننین اور فقہاء کے نزدیک بھی لائق اعتبار ہو۔

یہ ایک بڑا نازک اور دشوار کام تھا اس لئے کہ ان مذاہب کا دینی اور فقہی نظام مسلمانوں کے دینی اور فقہی نظام سے بہت مختلف ہے اور اس کا طرز آخر الذکر سے بالکل جدا ہے، وہاں اس درجہ ابہام، الجھاؤ، اضطراب، اور ایک ایسا زبردست اور ناقابل عبور علمی خلا نظر آتا ہے، جس سے واسطہ شریعت اسلامی کی تاریخ اور فقہ و شریعت کی کتابوں میں بالکل نہیں پڑتا، اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس کتاب میں وہ تقابلی مطالعہ آگیا ہے جو کسی نہ کسی حد تک اس خلا کو پورا کرتا ہے، جو اس موضوع کی قدیم کتابوں میں عام طور پر پایا جاتا ہے۔

اس موازنہ اور تقابلی مطالعہ کی ضرورت اس لئے بھی زیادہ تھی کہ ایک مسلمان اسلام کی دولت

www.abulhasanalinadwi.org

اور قرآن کی نعمت کا صحیح اندازہ اس وقت تک کر ہی نہیں سکتا اور اس کا ٹھیک طور سے شکر ادا ہی نہیں کر سکتا جب تک اسلام اور دوسرے مذاہب کی عبادتوں کی شکلیں اس کی نظر کے سامنے نہ ہوں، ان عقائد اور اصول و مبادی کا یہاں ذکر ہی نہیں جن پر اسلام کے عقیدہ اور علم کلام کی پوری عمارت قائم ہے، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "یوشك أن ینقض الاسلام عروة عروة من نشأ فی الاسلام لایعرف الجاهلیة" (قریب ہے کہ وہ شخص اسلام کی ایک ایک کڑی علیحدہ کر دے جس نے اسلام ہی میں آنکھیں کھولیں اور جاہلیت سے بالکل ناآشنا ہے)۔

اس میں شبہ نہیں کہ ایک بڑا وسیع اور ترقی پذیر موضوع ہے، اس میں بحث و نظر اور غور و فکر کی بڑی جولان گاہ ہے، اور اس سلسلہ کے علمی ذخائر و تصنیفات اور معلومات میں برابر اضافہ ہو رہا ہے، اور نئی نئی کتابیں شائع ہوتی رہتی ہیں، مصنف کتاب بھی ان کے مطالعہ و استفادہ کے لئے تیار رہے اور وہ آئندہ اشاعتوں میں (اگر زندگی نے وفا کی) ان سے فائدہ اٹھاتا رہے گا۔

ایک اور چیز جس نے مصنف کو مختلف امراض، گوناگوں مشغولیتوں، اور متنوع ذمہ داریوں کے باوجود اس کتاب کی تصنیف پر آمادہ کیا یہ ہے کہ ان ارکان کی روح ان کی حکمتوں اور حقیقتوں مصالح و فوائد اور ان کے مقاصد کو سمجھنے اور بیان کرنے میں عرصہ سے ایک عجیب قسم کا انتشار، اور بے راہ روی نظر آرہی ہے، ان کو بڑی جسارت، بے باکی اور بے تکلفی کے ساتھ عصر حاضر کے فلسفوں، اقتصادی اور سیاسی مکاتب خیال اور ان کی محدود اصطلاحات و تعبیرات کا پابند یا خوشہ چین بنایا جا رہا ہے، اس کی وجہ سے اس کا قوی اندیشہ پیدا ہو گیا ہے کہ اس مخصوص طرز فکر سے متاثر ہونے والے کہیں غیر شعوری طور پر دین کے ان بنیادی ارکان کی اصل حقیقت اور اس اصل طاقت سے محروم نہ ہو جائیں، اور ان مقاصد ہی سے ہاتھ نہ دھو بیٹھیں جن کے لئے ان ارکان کی تشریع عمل میں آئی ہے، جدید مادی تعبیر اور عصری تفسیر کے دائرۂ اثر میں آکر ایمان اور احتساب کا مفہوم ہی ہمارے ذہنوں اور دلوں سے نکل جائے اور مادی

www.abulhasanalinadwi.org

طرز فکر عبادت اور اخلاص کی روح پر غالب آجائے، یہ بات (خواہ اس فکر کے علمبردار اور داعی محسوس کریں یا نہ کریں) یہ امت کے لئے ایک بڑا خطرہ اور دین کے معانی و حقائق اور شریعت کے مقاصد کے فہم میں بڑی بے راہ روی اور تحریف کا پیش خیمہ ہے۔

شاید اس مقصد کی تکمیل اور اس خدمت کی انجام دہی میں بہت تاخیر ہوتی لیکن من جانب اللہ اس کی ایک تقریب پیدا ہوگئی، میرے عزیز دوست ڈاکٹر سعید رمضان نے اپنے مؤقر عربی رسالہ "المسلمون" کے لئے جس کا صدر دفتر "جنیوا" میں ہے، مصنف سے حج پر ایک سلسلۂ مضامین کی فرمائش کی، یہ تینوں مضامین ہر سال حج کے موقعہ پر لکھے گئے اور حج ہی کے موقع پر "المسلمون" میں شائع ہوئے اور سعودی ریڈیو اسٹیشن سے بھی کئی بار نشر کئے گئے اور تعلیم یافتہ نوجوانوں اور علمی حلقوں میں عام طور پر پسند کئے گئے، بعد میں جب ان تینوں مضامین کو دوبارہ دیکھنے کا موقع ملا تو محسوس ہوا کہ حج کے حقیقی اور شرعی مقاصد کی وضاحت کے لئے اس میں ایک نیا اسلوب پیدا ہوگیا ہے اور اس سے اسلام کے اس مظلوم رکن کی ناقدری و مرتبہ ناشناسی کی کسی درجہ میں تلافی ہوسکتی ہے جس کو اسلام کے دوسرے ارکان کی بہ نسبت جدید نظریات اور سیاسی ذہن کا زیادہ سے زیادہ تابع بنا دیا گیا ہے، یہاں تک کہ بہت سے پڑھے لکھے سنجیدہ اور سمجھدار لوگ بھی اس کو ایک "بین الاقوامی سیاسی کانفرنس" سمجھنے لگے ہیں، جو ہر سال منعقد ہوتی ہے اور جس کی ان کی نظر میں کل یہی قیمت اور افادیت ہے، اس احساس سے اس موضوع کو اور پھیلانے اور ایک مستقل رسالہ کی شکل میں شائع کرنے کا داعیہ پیدا ہوا جس میں حج کو اسلام کی حقیقی اور وسیع شکل میں پیش کیا جائے اور اس کے دور رس، گہرے اور اہم حقائق و مقاصد، اس کی طاقت و جوہر اور ابراہیمی مزاج اور روح کو پھر سے ابھارا جائے اور اس کے اہم پہلو لوگوں کی نگاہوں کے سامنے لائے جائیں۔

اس کے بعد مصنف کو دو سال رمضان سے متعلق "المسلمون" ہی کی فرمائش پر روزہ اور اس کے مقاصد پر دو مقالے لکھنے کا موقع ملا[1]

---

[1] کتاب کی تالیف کے وقت "المسلمون" کے ان مضامین کو اصل میں شامل کرتے ہوئے بہت بڑا اضافہ کیا گیا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

اس وقت یہ تحریک پیدا ہوئی کہ رمضان اور حج کے ان مقالات کے ساتھ نماز اور زکوٰۃ کا حصہ بھی شامل کر دیا جائے اس طرح رفتہ رفتہ اس کتاب کی پوری تصویر سامنے آئی اور مصنف کے دل و دماغ اور اعصاب پر اس طرح چھا گئی کہ اس نے کسی اور تصنیفی کام یا علمی تحقیق کا موقع ہی نہ دیا، پورا ایک سال اس طرح گزرا کہ اس موضوع پر مطالعہ و غور و فکر کرنے اور اس کے قدیم آخذ پر نظر ڈالنے کے سوا اور کوئی مشغلہ نہ تھا جب متعلقہ آخذ کا مطالعہ اور نقل و اقتباس کا کام ختم ہو گیا تو پھر خدا کی توفیق اور مدد سے ناچیز مصنف نے اس کتاب کا مسودہ لکھوانا شروع کیا، اس زمانۂ تصنیف میں مصنف نے سارا وقت اسی کتاب کے موضوع، مضامین و مندرجات کے ماحول اور اس کی دنیا میں بسر کیا، یہ مصنف کی افتادِ طبع اور شاید ایک غیبی انتظام ہے کہ اس کے ذہن و دماغ پر کتاب کا موضوع اس طرح طاری ہو جاتا ہے کہ وہ کسی اور مضمون و موضوع، اور فکر و خیال کی گنجائش نہیں چھوڑتا، یہ ذہنی استغراق و اعتکاف جہاں مصنف کے لئے جسمانی طور پر مکلف ہوتا ہے، کتاب کی تکمیل اور مرکزیت خیال میں بہت مدد و معاون ثابت ہوا ہے۔

مصنف خود لکھنے پڑھنے سے بڑی حد تک معذور ہے اس لئے اس کتاب کے املا، احادیث کی تخریج، دوسرے مذاہب کے سلسلہ میں معلومات کے حصول اور مواد کی تلاش میں اس کو اپنے دوسرے عزیزوں اور دوستوں سے مدد لینی پڑی، اس سلسلہ میں سب سے زیادہ شکریہ کے مستحق عزیزی نثار الحق ندوی مولوی تقی الدین ندوی مفتی محمد ظہور صاحب ندوی، عزیزی علی آدم افریقی، محمد سعید افریقی اور عزیزان نذر الحفیظ ندوی و غیاث الدین ندوی ہیں، انگریزی کتابوں کے طویل طویل اقتباسات کے ترجمہ میں سب سے زیادہ مدد محترمی شاہد علی صاحب ایم اے (سابق وائس پرنسپل کالون کالج لکھنؤ و حال استاد دار العلوم ندوۃ العلماء) سے ملی اللہ تعالیٰ ان سب کو مصنف اور ناظرین کتاب دونوں کی طرف سے بہترین صلہ عطا فرمائے۔

اس کتاب کا پہلا عربی ایڈیشن دار الفتح، بیروت سے ۱۳۸۷ھ میں شائع ہوا، تین ہی چار مہینے کے عرصہ میں یہ پہلا ایڈیشن ختم ہو گیا، ناشر نے اطلاع دی کہ دوسرا ایڈیشن عنقریب شائع ہونے والا ہے اگر مصنف کو نظر ثانی کرنی ہو تو کر لی جائے کتاب کے پہلے ایڈیشن میں طباعت کی غلطیاں بہت تھیں لیکن قبل اس کے کہ

www.abulhasanalinadwi.org

مصنف نظر ثانی سے فارغ ہوا کتاب کی طلب کی بنا پر ناشر نے اس کو آفسٹ سے دوبارہ شائع کر دیا اور غلطیاں جوں کی توں رہیں، ممکن ہے کہ ان سطور کی تحریر کے وقت تک کتاب کا تیسرا ایڈیشن بھی شائع ہو گیا ہو ایک سال کے عرصہ میں کتاب کا ترکی میں ترجمہ ہو کر قونیہ سے شائع ہو گیا، ہندوستان میں "معارف" "برہان" اور "صدق جدید" نے ایسے الفاظ میں کتاب پر تبصرہ کیا جو تصنیف و مصنف دونوں کی حیثیت سے بلند تھے۔

اردو ترجمہ کی خدمت مصنف نے اپنے عزیز برادر زادہ مولوی محمد الحسنی مدیر "البعث الاسلامی" کے سپرد کی، جن کو مصنف کے طرز تحریر اور ذوق و فکر سے خداداد مناسبت ہے، اور ایک عرصہ سے اس کے عربی مضامین و تحریروں کا ترجمہ کرتے رہے ہیں، انھوں نے حسب توقع یہ فرض بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا، مصنف نے نظر ثانی کے وقت اس میں کہیں کہیں بعض جدید معلومات کا اضافہ کیا، اور بعض اغلاط کی تصحیح کی، اب وہ ترجمہ زیادہ مکمل اور قابل اعتماد شکل میں اردو داں طبقہ کے لئے شائع کیا جا رہا ہے، آیات کا ترجمہ مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی کے ترجمۂ قرآن سے ماخوذ ہے، اگر کہیں کسی مسنون دعا کے ترجمہ کی ضرورت پیش آئی تو وہ بھی انھیں کے "ترجمہ مناجات مقبول" سے لیا گیا ہے۔

یہ کتاب ایک طویل مطالعہ کا نچوڑ اور مسلسل غور و فکر کا نتیجہ ہے اور اس سے کم از کم ایک اہم بالشان اور اہم موضوع پر غور و خوض اور فکر و نظر کا نیا دروازہ کھلتا ہے" والحمد للہ الذی بعزتہ وجلالہ تتم الصالحات"

۱۳۸۸ھ = ۱۹۶۸ء

ابو الحسن علی ندوی
دائرہ شاہ علم اللہ رائے بریلی

www.abulhasanalinadwi.org

نماز

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

(اور نماز کی پابندی رکھو اور شرک کرنے والوں میں مت رہو) سورہ روم۔۳۱

www.abulhasanalinadwi.org

نماز کی حقیقت

اور اُس کے فوائد و اسرار!

رب اور بندہ کا تعلق

نماز کی حقیقت اور اس کی اہمیت و ضرورت کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے، اور اس کا صحیح لطف بھی وہی اٹھا سکتا ہے، جو اس عجیب و غریب، بلند و لطیف اور ناقابلِ قیاس تعلق سے پوری طرح آگاہ ہو جو رب اور بندہ کے درمیان قائم ہے، یہ ایک ایسا تعلق ہے جس کی نظیر کسی اور جگہ نہیں مل سکتی، اس کو اس کائنات کی کسی دو ہستیوں کے باہمی تعلق یا محض صانع و مصنوع، حاکم و محکوم، قوی و ضعیف، مفلس و محتاج اور سائل و معطی کے تعلق پر بھی قیاس نہیں کیا جا سکتا، اس لئے کہ یہ تعلق ان تمام رشتوں سے زیادہ لطیف اور بلند اور ان سب سے زیادہ گہرا مستحکم، جامع اور وسیع ہے۔

تعلقات صفات کے تابع ہیں

رب اور بندہ کے اس تعلق کو سمجھنے کے لئے خدا کی صفات سے واقفیت بھی ضروری ہے اس لئے کہ تعلقات ہمیشہ صفات کے تابع ہوتے ہیں، صفات ہی سے ان کی نمود ہے، اگر ہم کو کسی دو ہستیوں یا دو شخصیتوں کے صفات کا علم نہیں ہے اور ہم حسن سلوک اور احسان مندی کے اس رشتہ سے واقف نہیں ہیں،

www.abulhasanalinadwi.org

جوان دونوں کے درمیان قائم ہے تو ہم ان تعلقات کی صحیح نوعیت کبھی نہیں سمجھ سکتے وہ تمام تعلقات جن کو ہم زندگی میں برتتے ہیں جن سے قانون کی تشکیل ہوتی ہے اور جو کسی تہذیب و معاشرہ کو وجود میں لاتے ہیں، وہ سب درحقیقت ان ہی صفات کے تابع ہیں جن کی کارفرمائی انسانی معاشرہ پر ہم کو نظر آرہی ہے۔

شریعت اسلامی اور قرآن مجید میں صفات و اسماء کی اہمیت کی وجہ

یہی وجہ ہے کہ تمام آسمانی صحیفوں اور تمام مذہبوں اور شریعتوں نے سب سے پہلے اور سب سے زیادہ زور صفات پر دیا ہے، اور اس کے بعد تعلقات، عبادات و طاعات اور فرائض و معاملات کی تفصیل بیان کی ہے، تمام آسمانی مذاہب میں اعمال و عبادات اور احکام و قوانین سے پہلے عقیدہ کی تصحیح کی گئی ہے، اور اپنے زمانہ میں ہر نبی نے سب سے پہلے علم صحیح، معرفت صحیحہ، اور اللہ تعالیٰ کے صحیح اوصاف اور اس کی تقدیس و تنزیہہ کی تعلیم دی ہے، اور ان کی کوششوں، ان کی دعوت و تبلیغ اور ان کی جدوجہد کا سب سے بڑا اور مرکزی نقطہ یہی رہا ہے، قرآن مجید جو ان تمام صحیفوں کا نگراں اور محافظ ہے، اور خدا کی آخری اور ابدی کتاب ہے، اس بات کی گواہی کے لئے کافی ہے، اور یہ موضوع بار بار اور طرز بدل بدل کر اس میں بیان کیا گیا ہے، بلکہ یہی اس معجزانہ کتاب کا بنیادی موضوع ہے چنانچہ اس مختصر سورۂ اخلاص کو (جس میں چند آیتوں کے اندر توحید و تنزیہہ کے جامع ترین الفاظ آگئے ہیں) قرآن مجید کا ایک تہائی حصہ بتایا گیا ہے[1]۔

قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کی صفات کریمہ، اسماء حسنیٰ، اس کے افعال و تصرفات، اس کی قوت و قدرت، اس کی صنعت و خلاقی، اس کے لطف و رحمت، اس کی محبت و رافت، اس کے جود و کرم، اس کے عفو و درگزر، اس کے عطا و منع، اس کے نفع و ضرر، اس کے علم و معرفت، اس کے قرب و معیت، اس کے احاطۂ قدرت اور اس کے قبول و نوازش کو اس طرح بیان کیا ہے کہ جمال و جلال، کمال و نوال اور

---

[1] صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ کے واسطہ سے روایت ہے کہ یہ سورہ (سورہ اخلاص) ثلث قرآن کے برابر ہے۔ ۱۲

www.abulhasanalinadwi.org

حسن واحسان کی آخری مثال بندہ کے سامنے آجاتی ہے۔

وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ	اور آسمانوں اور زمین میں اسی کی شان (سب سے)
وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ (سورہ روم۔۲۷)	اعلیٰ ہے اور وہ زبردست ہے، حکمت والا ہے۔
لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝	کوئی چیز اس کے مثل نہیں اور وہی ہر بات کا سننے
(سورہ شوریٰ۔۱۱)	والا ہے (ہر چیز کا) دیکھنے والا ہے۔

انسان مجموعۂ اضداد ہے

ان آسمانی صحیفوں میں ایسے نصوص واشارات بھی ملتے ہیں (اور علم وتجربہ سے ان کی تصدیق ہوتی ہے) جن میں اس عجیب وغریب مخلوق کی فطرت ونفسیات بیان کی گئی ہے، اور اس کے خمیر میں متضاد کیفیات وصفات کی جو عجیب وغریب آمیزش ہے، اس سے پردہ اٹھایا گیا ہے، درحقیقت اس کائنات کے تمام مخلوقات وموجودات میں انسان سے زیادہ نازک اور لطیف، اس سے زیادہ عجیب وغریب اور اس سے زیادہ مجموعۂ اضداد مخلوق اور کوئی نہیں ہے، وہ کمزور ہے، لیکن قوت وطاقت کا پرستار ہے، محتاج ہے، لیکن مال ودولت کا عاشق ہے، فانی ہے، لیکن حیات ابدی کا خواہاں ہے، امراض وخطرات سے دوچار ہے، لیکن صحت وعافیت کا طلب گار ہے، کم ہمت بھی ہے، اور عالی حوصلہ بھی، اس کی حاجتیں بے شمار، اس کی تمنائیں غیر محدود، اس کے احساسات حباب سے زیادہ نازک اور اس کے جذبات ہر لمحہ تغیر پذیر، نہ اس کی پیاس بجھتی ہے، نہ کسی چیز سے اس کو سیری ہوتی ہے، ہر قدیم چیز سے دل برداشتہ اور ہر جدید کا دلدادہ، جو چیز میسر ہے اس سے روگرداں، اور جو معدوم ومفقود ہے، اس کی جستجو میں سرگرداں، اس کی خواہشات کی تعداد اس کی سانسوں سے زیادہ اور اس کی ضرورتوں کی فہرست اس کی عمر سے زیادہ طویل ہے، اور یہ محدود دنیا اس کی آرزوؤں کی تکمیل کے لئے ناکافی ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

لیکن اسی عجیب و غریب تضاد میں اس کی عالی ہمتی و حوصلہ مندی، سیماب وشی و بے قراری اور اسی "شوقِ جنوں" اور "ذوقِ طلب" میں اس کی عزت و سربلندی اور خلافت الٰہی سے سرفرازی کا راز پنہاں ہے اور یہی وہ چیز ہے جس نے اس کو وہ بارِ امانت اٹھانے پر آمادہ کیا جس کی معذرت آسمان، زمین، پہاڑ سب کر چکے تھے۔

فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا	سو ان سب نے انکار کیا اس سے کہ اسے اٹھائیں اور
وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا	وہ اس سے ڈرے اور اسے انسان نے اپنے ذمہ
(سورہ احزاب۔ ۷۲)	لے لیا، بے شک وہ بڑا ظالم ہے بڑا جاہل ہے۔

فطری انس و محبت

انسان کا خمیر عشق و محبت کے ساتھ اٹھا ہے، حواس خمسہ کے ساتھ ساتھ جن سے وہ اپنی مادی زندگی میں فائدہ اٹھاتا ہے، اس کو ایک حاسہ اور بھی عطا کیا گیا ہے، جس کو ہم عشق و محبت یا انس و الفت کا حاسہ کہہ سکتے ہیں، یہ حاسہ طاقتور بھی ہو سکتا ہے اور کمزور بھی، آشکارا بھی ہو سکتا ہے اور مستور بھی، لیکن اس سے محرومی صرف اس بات کی علامت ہے کہ انسان یا تو اپنی استعداد کھو چکا ہے، یا اپنی فطرت سے منحرف ہو کر جمادات میں داخل ہو گیا ہے، وہ وفا شعار بھی ہے اور زود رنج بھی، اس کے جذبات متلاطم اور اس کے احساسات نازک ہیں، وہ جمال و کمال کی طرف اس طرح بے ساختہ کھنچتا ہے کہ دنیا کی کوئی مخلوق اس طرح نہیں کھنچتی، وہ اپنے محبوب و مطلوب پر اپنی جان، اپنی محبت، اپنا خلوص، اپنے جذبات اور اپنا سب کچھ قربان کرنے پر تیار رہتا ہے، عشاق و اہلِ محبت کے سچے واقعات اسی فطرتِ انسانی کے آئینہ دار، اہلِ معرفت اہلِ درد کی پوری تاریخ اسی جذبہ کا اظہار، اور دنیا کا سارا جذباتی و وجدانی لٹریچر، اور غزل کا سارا سرمایہ (جس سے کسی ملک کا ادب بھی محروم نہیں) اسی "سوز دروں" کا مرہون منت اور اسی "ذوقِ جنوں" کا احسان مند ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

جذبۂ تسلیم و رضا

ان جذبات کے ساتھ اس کو ایک اور جذبہ بھی ملا ہے، اور وہ ہے سرافگندگی، رضا و تسلیم، خشوع و خضوع اور سجدۂ تعظیم کا جذبہ، یہ جذبہ تاریخ کے ہر دور میں اور انسانیت کے ہر طبقہ میں اس کا رفیق رہا اور وہ کبھی اس سے آزاد نہیں ہو سکا، اپنے ابتدائی دور میں (اور یہ ابتدائی دور دنیا کے بعض حصوں میں اب تک موجود ہے) وہ پتھروں، درختوں اور دریاؤں کے سامنے اپنی پیشانی ٹیک کر اس جذبہ کی تسکین کرتا تھا، آگ، سورج، چاند اور ستاروں کی عبادت کرتا تھا، فطرت کے مظاہر اور کائنات کی قوتوں، کاہنوں اور راہبوں، عالموں اور صوفیوں اور جنوں اور روحوں کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتا تھا، اور ہر اس چیز کے سامنے سر جھکا دیتا تھا، جو اس کے علم سے ماوراء اور اس کے فہم سے بالاتر نظر آتی تھی، اور آج بھی اپنے وسیع تہذیب و تمدن، اپنی ترقی پسندانہ عقلیت، اپنے طویل و عریض دعووں، اپنے تکبر و سرکشی اور خود رائی و خود پرستی اور اپنے مسلسل انقلابات اور بغاوتوں اور آزادی و ترقی کی ناکام کوششوں کے باوجود وہ حکام و سلاطین کا پرستار اور پارٹیوں کے لیڈروں، حکومتوں کے سربراہوں، نیز اپنے خود ساختہ فلسفوں اور نظاموں کے سحر میں اسی طرح گرفتار ہے، اس "ثقافت و ترقی" اور "وسیع النظری" کے دور میں بھی وہ موجدین و مجتہدین، مفکرین و مصنفین، اہلِ جاہ و ثروت، ارباب حکومت، شعراء و ادباء، مصنفوں اور فنکاروں اور عبقری و غیر معمولی ذہانت رکھنے والے انسانوں سے اسی طرح مرعوب ہے، اور اس کی مرعوبیت میں محبت و عشق، تقدیس و تعظیم اور فنائیت کا وہی عنصر کارفرما ہے جو تاریخ کے کسی قدیم دور میں تھا، اور اس کا سبب یہی ہے کہ وہ قدرتی طور پر ایک محبت کرنے والی، جھکنے والی، اور اپنے مطلوب و محبوب کے سامنے اپنے وجود کو فنا کر دینے والی مخلوق ہے، اور یہ جذبہ اس کی سرشت میں داخل اور اس کے خمیر میں شامل ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

ایک مثالی وجود یا معیاری ہستی کی ضرورت

اس کو ایک ایسے معیار کامل، ایک ایسی مثالی ہستی اور قرآن کی تعبیر میں "مثل اعلیٰ" کی ضرورت ہے جو جمال و کمال کے لحاظ سے فہم و ادراک سے بالاتر ہونے کے لحاظ سے اور اقتدار و قدرت کے لحاظ سے اس کے اس فطری جذبہ کی تسکین اور اس کے مطالبات و مقاصد کی تکمیل کر سکے۔

خدا اور انسان کے تعلق کی صحیح اور معقول شکل

سب سے پہلے ہم کو اپنے پروردگار کے ان تمام صفات کو جن کو ہم قوت و قدرت، علم و احاطہ، رحم و کرم، جود و عطا، قبول و استجابت اور قرب و معیت سے تعبیر کرتے ہیں، نیز قرآن مجید نے اس کے جو صفات عالیہ اور اسماء حسنیٰ بیان کئے ہیں اور ان کی جو بلیغ و معجزانہ تفصیل و تشریح کی ہے اس کو ذہن میں تازہ کرنا چاہیئے پھر انسان کے ان صفات کو مستحضر کرنا چاہیئے جس کا خلاصہ ضعف و عجز اور فقر و افلاس کے دو لفظوں میں بیان کیا جا سکتا ہے، پھر اس کی ہمت کی بلندی اور بلند پروازی پر بھی ایک نظر ڈالنی چاہیئے جو کسی اور مخلوق میں ودیعت نہیں کی گئی، مادیت و روحانیت کے دونوں شعبوں میں اس کی نہ مٹنے والی بھوک اور نہ بجھنے والی پیاس کو دیکھنا چاہیئے، جس میں اس نے حیوانات کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے، اس کی ضرورتوں، خواہشوں، فرمائشوں اور آرزوؤں کی نہ ختم ہونے والی فہرست کو دیکھنا چاہیئے جس کی کثرت و تنوع اور نازک خیالی اور دقیقہ رسی میں اس کا کوئی شریک نہیں، پھر اس کی اس محبت و وارفتگی، جذبۂ سرافگندگی اور شان تسلیم و رضا اور انداز وفا کو دیکھنا چاہیئے، جو اس کے رگ رگ میں پیوست ہے۔

ان سب کھلی ہوئی حقیقتوں کے بعد کیا ایک انسان کو اس کی احتیاج نہیں کہ وہ اپنے اس پروردگار کے حضور میں مسلسل طاعت و عبادت، مسلسل رکوع و سجود اور مسلسل دعاء و مناجات کی حالت میں رہے جو جواد مطلق اور

www.abulhasanalinadwi.org

مالک الملک ہے اور جو اس کی ہر ضرورت (خواہ وہ زبان قال سے بیان کی گئی ہو یا زبانِ حال سے) پوری کرتا ہے

وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۭ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا۔ (سورہ ابراہیم ۳۴)

اور تم کو ہر اس چیز میں سے دیا جو تم نے مانگی اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو انھیں شمار نہ کر پاؤ گے۔

جو ایسے ایسے نازک و مستور احساسات، بھولے بسرے خیالات اور قدیم و فراموش شدہ آرزوؤں اور تمناؤں سے واقف ہے جن کو انسان نے خود فراموش کر دیا ہے یا مایوس ہو کر ان سے دستبردار ہو گیا ہے، ایسے ایسے نازک خیالات جن میں بسا اوقات دل کو عقل کی شرکت بھی گوارا نہیں ہوتی۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ (سورہ انفال۔ ۲۴)

اور جان رکھو کہ اللہ آڑ بن جاتا ہے درمیان انسان اور اس کے قلب کے۔

يَعْلَمُ خَاۗىِٕنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ (سورہ مومن۔ ۱۹)

(اللہ) جانتا ہے آنکھوں کی چوری کو اور جو کچھ سینے میں چھپا ہوا ہے اس کو بھی۔

وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفَى۔ (سورہ طٰہٰ۔ ۷)

اور اگر تو پکار کر بات کہے تو وہ چپکے سے کہی ہوئی بات اور اس سے زیادہ چھپی ہوئی بات کو جانتا ہے۔

جو ہر قریب سے زیادہ قریب، ہر سننے والے سے زیادہ سننے والا اور جواب دینے والا ہے:۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ۭ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ۝ (سورہ بقرہ۔ ۱۸۶)

اور جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو میں تو قریب ہی ہوں، دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے پس لوگوں کو چاہئے کہ میرے احکام کو قبول کریں اور مجھ پر ایمان لائیں امید ہے کہ ہدایت پا جائیں۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ

اور ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم (خوب) جانتے ہیں ان وسوسوں (تک) کو جو اس کے جی میں آتے رہتے ہیں،

www.abulhasanalinadwi.org

حَبْلِ الْوَرِيْدِ ۝ (سورہ قٓ - ۱۶) ہم تو اس کی رگ گردن سے بھی بڑھ کر اس کے قریب ہیں۔

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ۝ اور ہم تم سے بھی زیادہ قریب اس شخص کے ہوتے ہیں،
(سورہ واقعہ - ۸۵) البتہ تم نہیں سمجھتے۔

جس کو گڑگڑا کر سوال کرنے والا اور رو رو کر دامن تھامنے والا اور ہر جگہ سے کٹ کر اس کے در پر پڑا رہنے والا مستغنی و بے نیاز انسان سے زیادہ محبوب ہے:۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ اور تمہارے پروردگار نے کہا ہے کہ مجھے پکارو میں تمہاری
الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ درخواست قبول کروں گا، جو لوگ میری عبادت سے سرتابی کرتے
جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ ۝ (سورہ مومن - ۶۰) ہیں وہ عنقریب جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ اپنے پروردگار سے دعا کرو عاجزی کے ساتھ اور چپکے چپکے،
الْمُعْتَدِيْنَ ۝ (سورہ اعراف - ۵۵) بیشک وہ حد سے نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "انہ من لم یسأل اللہ یغضب علیہ"[1] (جو اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوتا ہے۔)

پوری کائنات محو عبادت اور سربسجود ہے

جب سے یہ کائنات وجود میں آئی اس وقت سے سورج روشنی و زندگی اور حرارت کا منبع ہے، اور اپنا فرض بے کم و کاست اور بے چوں و چرا انجام دے رہا ہے، چاند اپنی آب و تاب اور اپنی رفتار کے ذریعہ مہینوں اور سالوں کا تعین کرتا ہے، پہاڑ ہزاروں سال سے اپنی اپنی ڈیوٹی پر کھڑے ہیں، درخت اپنی اپنی جگہ ایستادہ اور خدا کی عبادت میں مشغول ہیں، اور اپنے سایہ اور پھل سے لوگوں کو فائدہ پہونچا رہے ہیں،

---

[1] روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ترمذی (کتاب الادعیہ باب ماجاء فی فضل الدعاء)

www.abulhasanalinadwi.org

ہوا اس انسان کے لئے (جو کائنات کا سردار اور خلیفۃ اللہ فی الارض ہے) حیات کا پیغام لے کر ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتی ہے، بادل پانی بھر کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہونچاتے ہیں اور زمین کو نئی زندگی بخشتے ہیں اس کی وجہ سے چشمے جاری ہوتے ہیں انسان کی پیاس دور ہوتی ہے فصلیں تیار ہوتی ہیں اور زمین اپنا خزانہ اگل دیتی ہے، چوپائے اپنی ٹانگوں پر چلتے پھرتے دوڑتے بھاگتے اور گویا رکوع کی تصویر نظر آتے ہیں انسان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہونچاتے ہیں، بوجھ اٹھاتے ہیں، ان کے ذریعہ لوگ سردی سے بچاؤ کا سامان اور اپنے کھانے پینے کا انتظام کرتے ہیں، بہت سے جانور پیٹ کے بل چلتے ہیں، اور ان سے بھی انسان کو مختلف فوائد حاصل ہوتے ہیں، یہ تمام مخلوقات جو نہ دل رکھتے ہیں نہ عقل، ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طاعت و عبادت میں مشغول ہیں، نہ ان کے یہاں نافرمانی ہے، نہ بغاوت، نہ سرکشی، نہ اکتاہٹ، نہ یہ اسٹرائک کرتے ہیں، نہ کبھی چھٹی لیتے ہیں، گویا ہر وقت اور ہر حالت میں وہ سربسجود ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ	کیا تجھے خبر نہیں کہ اللہ ہی کو سجدہ (تسلیم) کرتے ہیں جو کوئی
وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ	بھی آسمانوں اور زمین میں ہے اور سورج اور چاند اور
وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ	ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور کثرت
النَّاسِ ۭ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۭ	سے انسان بھی اور بہتوں پر عذاب (بھی) ثابت ہو گیا
وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ۭ اِنَّ	ہے اور جس کو اللہ ذلیل کرے اس کا کوئی عزت دینے والا
اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاۗءُ ۝ (سورۂ حج۔ ۱۸)	نہیں، بیشک اللہ جو چاہے کرے۔
وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ	اور اللہ ہی کی مطیع ہیں جتنی چلنے والی چیزیں آسمان میں
مِنْ دَاۗبَّةٍ وَّالْمَلٰۗىِٕكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝	ہیں اور جتنی زمین میں ہیں اور فرشتے بھی اور وہ اپنی بڑائی
يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ	نہیں کرتے وہ ڈرتے رہتے ہیں اپنے پروردگار سے جو ان پر
مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝ (سورۂ نحل۔ ۴۹۔۵۰)	بالادست ہے اور وہ وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم ملتا ہے

www.abulhasanalinadwi.org

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝ (سورۂ رعد۔ ۱۵)

اور اللہ ہی کے آگے جھکتے رہتے ہیں (سب) جتنے آسمانوں میں ہیں اور (جتنے) زمین میں ہیں (کوئی) ارادۃً (تو)..... (کوئی) جبراً..... اور ان کے سائے بھی صبح و شام کے وقت۔

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ۝ (سورۂ رحمٰن ۵، ۶)

سورج اور چاند تک حساب کے (پابند) ہیں اور سبزیاں اور درخت دونوں (اسی کے) مطیع ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۝

(سورۂ ابراہیم۔ ۳۲۔ ۳۳۔ ۳۴)

اللہ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمانوں سے پانی اتارا پھر اس (پانی) سے (مختلف) پھل تمہارے لئے بطور رزق پیدا کئے اور تمہارے (نفع کے لئے) کشتی کو (اپنی قدرت کا) مسخر کر دیا تاکہ وہ اس کے حکم سے سمندر میں چلے اور تمہارے (نفع کے) لئے دریاؤں کو (اپنی قدرت کا) مسخر کر دیا، اور تمہارے (نفع کے) لئے سورج اور چاند کو (اپنی قدرت کا) مسخر کر دیا جو دوام رکھنے والے ہیں اور تمہارے (نفع کے) لئے رات اور دن کو (اپنی قدرت کا) مسخر کر دیا اور تم کو ہر اس چیز میں سے دیا جو تم نے مانگی اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو انھیں شمار نہ کر پاؤ گے، بیشک انسان بڑا ہی ناانصاف ہے، بڑا ہی ناشکرا ہے۔

یہ مخلوقات اپنے اشکال کے اختلاف و تنوع اور طرز عبادت کے فرق کے باوجود ایک ایسی نماز اور ایک ایسی حمد و تسبیح میں مشغول ہیں، جو ان کے فرض منصبی اور ان کے مزاج کے ساتھ ہم آہنگ ہے اور

www.abulhasanalinadwi.org

جس کو صرف وہی سمجھ سکتا ہے جس کی چشم بصیرت اللہ تعالیٰ نے کھول دی ہو اور یہ مادی حجاب اٹھا لئے ہوں۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝

(سورۂ بنی اسرائیل۔ ۴۴)

اسی کی پاکی بیان کرتے ہیں ساتوں آسمان اور زمین اور جو کوئی بھی ان میں موجود ہیں اور کوئی بھی چیز ایسی نہیں جو حمد کے ساتھ اس کی پاکی نہ بیان کرتی ہو البتہ تم ہی ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے ہو بیشک وہ بڑا حلم والا ہے بڑا مغفرت والا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰۗفّٰتٍ ۭ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝

(سورۂ نور۔ ۴۱)

کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں اور پرند بھی جو پر پھیلائے ہوئے ہیں ہر ایک کو معلوم ہے اپنی اپنی دعا اور اپنی تسبیح اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ یہ لوگ کرتے رہتے ہیں۔

اس کائنات میں انسان کا مقام اور دوسری مخلوقات سے اس کے امتیاز کا راز

انسان اپنی ان مذکورہ بالا خصوصیات، اپنی برتری و شرف، اپنی عقل اور اپنے قلب کی وجہ سے دوسری مخلوقات کی بہ نسبت اس بات کا زیادہ حقدار تھا کہ مسلسل حالتِ عبادت میں رہتا اور اپنا ہر لمحہ رکوع و سجود، حمد و تسبیح اور ذکر الٰہی میں گزارتا، اور کسی وقت بھی اس کی زبان اس کے ذکر سے غافل نہ ہوتی، جو عطیات ربانی اس کے ساتھ مخصوص ہیں اور جن انعامات کا مستحق اس کو بنایا گیا ہے جو بیشمار نعمتیں اس پر مینہ کی طرح برستی رہتی ہیں، ان سب کا تقاضا بلاشبہہ یہی تھا کہ وہ عبادت کو ایک لمحہ کے لئے بھی ترک نہ کرتا اور نماز سے پلک جھپکنے کے برابر غافل نہ ہوتا اور ان فرشتوں کی طرح ہو جاتا جن کے متعلق قرآن مجید کا بیان ہے:۔

www.abulhasanalinadwi.org

وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَنْ	اور اسی کی ملک ہے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہے
عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا	اور جو اس کے نزدیک ہیں وہ اس کی عبادت سے عار
يَسْتَحْسِرُوْنَ ۚ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ	نہیں کرتے اور نہ وہ تھکتے ہیں، رات دن تسبیح کرتے
لَا يَفْتُرُوْنَ ۝ (سورۂ انبیاء - ۱۹-۲۰)	رہتے ہیں موقوف نہیں کرتے۔

لیکن چونکہ اس کو اس زمین پر اللہ کا خلیفہ بننا تھا، اور نہایت نازک منصب پر فائز ہونا تھا، اس لئے اس میں خواہشات بھی رکھی گئی ہیں، اور کچھ ضرورتیں بھی اس کے ساتھ وابستہ کر دی گئی ہیں، اس میں جذبات بھی ہیں اور سوز محبت بھی، احساس الم بھی اور شعور مسرت بھی، ذوق جستجو اور شوق علم بھی، وہ زمین کے خزینوں اور دفینوں سے فائدہ اٹھانے اور ان کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی پوری صلاحیت و قابلیت رکھتا ہے، تعلیم اسماء کی جو خصوصیت و امتیاز اس کو حاصل ہے، وہ دراصل اس کی فطری استعداد کا مزاور خلافت ارضی کا مظہر ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ	اور (وہ وقت یاد کرو) جب تیرے پروردگار نے فرشتوں
فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا	سے کہا میں زمین پر اپنا نائب بنانا چاہتا ہوں وہ بولے
مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ	کیا تو اس میں ایسے کو بنائے گا جو اس میں فساد برپا کرے گا
وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ	اور خون بہائے گا درآں حالیکہ ہم تیری حمد کی تسبیح کرتے
قَالَ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَعَلَّمَ اٰدَمَ	رہتے ہیں اور تیری پاکی پکارتے رہتے ہیں (اللہ نے) فرمایا
الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ	یقیناً میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے، اور اللہ نے
فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ	آدم کو نام سکھلا دیئے کل کے کل پھر انھیں فرشتوں کے
صٰدِقِيْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ	سامنے پیش کیا پھر فرمایا بتلاؤ تو ان کے نام اگر تم سچے ہو،
اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ	وہ بولے تو پاک ذات ہے ہمیں تو کچھ علم نہیں مگر ہاں وہی جو

www.abulhasanalinadwi.org

قَالَ يَا آدَمُ أَنبِئْهُم بِأَسْمَائِهِمْ فَلَمَّا أَنبَأَهُم بِأَسْمَائِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنتُمْ تَكْتُمُونَ ۝

(سورۂ بقرہ۔ ۳۰۔۳۱۔۳۲۔۳۳)

تو نے ہمیں علم دے دیا، بیشک تو ہی ہے بڑا علم والا، حکمت والا (اللہ نے) فرمایا اے آدم تبلادو انھیں ان کے نام، پھر جب انھوں نے انھیں ان کے نام بتلادیئے تو فرمایا میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزیں جانتا ہوں اور جو کہ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو وہ سب جانتا ہوں۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا۔ (سورۂ بقرہ۔ ۲۹)

وہ وہی (خدا) ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لئے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ۔ (سورۂ اعراف۔ ۳۲)

آپ کہئے اللہ کی زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کے لئے بنائی ہے کس نے حرام کر دیا ہے اور کھانے کی پاکیزہ چیزوں کو؟

اس اہم اور نازک منصب کی ذمہ داریوں کو نباہنے اور اس خاص مقصد کی تکمیل کے لئے جس کے لئے اس کی تخلیق کی گئی، اس کو اجرام فلکی، پہاڑوں، نباتات جمادات اور حیوانات کی طرح مسلسل قیام، مسلسل رکوع، مسلسل سجود اور مسلسل تسبیح و ذکر کا پابند نہیں کیا گیا، اور اگر وہ کبھی اس کی کوشش کرے گا تو اس زمین پر اللہ تعالیٰ کے خلیفہ کی حیثیت سے اپنی ناکامی کا ثبوت فراہم کرے گا اور ان فرشتوں کے اعتراض کو حق بجانب ثابت کرے گا، جنھوں نے اس کے بجائے اس بنا پر اپنی خدمات پیش کی تھیں اور اپنے کو خلافت کا مستحق سمجھا تھا کہ وہ ہمیشہ تسبیح و تحمید اور ذکر و عبادت میں مشغول رہتے ہیں وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ۔

موزوں طریقۂ عبادت

ان تمام باتوں کے پیش نظر انسان کے لئے ایک ایسے طرز عبادت یا نظام عبادت کی ضرورت تھی،

www.abulhasanalinadwi.org

جو اس کی فطرت، اس کے فرائض منصبی، اس کائنات میں اس کے مرتبہ و مقام اور اس ذمہ داری اور فریضہ کے ساتھ ہم آہنگ ہو جو خلافت الٰہی کی صورت میں اس کے کاندھوں پر ڈالی گئی ہے، ایک طرف عبادت اس کے لئے ضروری بھی تھی، اس لئے کہ اس کی فطرت کا تقاضا اس کے وجود کا منشا، اس کے ضمیر کی آواز، اس کی شرافت و احسان مندی کا اظہار، انسانیت کی ضرورت اور قلب و روح کی غذا ہے، دوسری طرف یہ بھی ضروری تھا کہ یہ عبادت اس کے قد و قامت اور شخصیت کے مطابق اور اس کی نازک اور اہم حیثیت اور اس کائنات میں اس کے منفرد مقام کے ساتھ ہم آہنگ ہو اور اس لباس کی طرح ہو جو اس کے قد و قامت پر پوری طرح راس آئے اور زیب دے، نہ تنگ ہو، نہ ڈھیلا، نہ کم ہو نہ زیادہ۔

اس کی شخصیت کا لباس

نماز درحقیقت یہی لباس ہے جو ٹھیک ٹھیک اس کے وجود پر پورا اتر رہا ہے اور جس میں کسی قسم کی کوئی کمی بیشی نظر نہیں آتی۔

اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ (سورۂ ملک۔ ۱۴)	کیا وہی آگاہ نہ ہوگا جس نے پیدا کیا ہے؟ وہ تو (بڑا ہی) باریک بیں اور (پورا) باخبر ہے۔
اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰہُ بِقَدَرٍ (سورۂ القمر۔ ۴۹)	ہم نے ہر چیز کو (ایک خاص) اندازے سے پیدا کیا ہے۔

نماز کی مقدار و تعداد میں تخفیف کا راز اور اس کے نفسیاتی فوائد اور اثرات

حکمت الٰہی اور شریعت ربانی نے اس کے لئے جو طریقہ اختیار کیا وہ ایک بلند منتہا کی طرف تدریج و تسہیل کے ساتھ بڑھنے کی معجزانہ مثال ہے، معراج میں پچاس نمازیں فرض کی گئیں پھر اس کو کم کرکے پانچ نمازوں تک لے آیا گیا[1]

---

[1] ایک طویل حدیث میں جس میں اسراء اور معراج کا مفصل واقعہ بیان کیا گیا ہے اور جس کو امام بخاری نے اپنی جامع صحیح میں درج کیا ہے یہ الفاظ آئے ہیں "مجھ پر اللہ تعالیٰ نے ہر شب و روز کے لئے پچاس نمازیں فرض کیں جب اتر کر حضرت موسیٰ علیہ السلام (باقی صفحہ ۳۴ پر)

www.abulhasanalinadwi.org

اور یہ اس لئے کیا گیا تا کہ انسان کے ہمیشہ یہ پیش نظر رہے کہ اصل نماز پچاس ہی مقرر کی گئی تھی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کا اہل سمجھا تھا کہ وہ اپنے وقت، قوت اور دل و دماغ کا اتنا بڑا حصہ اس کی عبادت میں صرف کرے، جو شخص اس بات کو مستحضر اور پیش نظر رکھے گا، وہ ان پانچ نمازوں کو کبھی زیادہ نہ سمجھے گا، بلکہ یہ محسوس کرے گا کہ وہ تو اس سے زیادہ کا اہل سمجھا گیا تھا، اور اگر اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے یہ تخفیف نہ کی ہوتی تو وہ اسی پر عمل کرتا اور بے چوں و چرا حکم بجالاتا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ لطف و کرم کا معاملہ فرمایا اور ان پانچ نمازوں کو پچاس کے مساوی بنا دیا لیکن یہ پہلا حکم انسان کی عالی ہمتی اور بلند نظری پر مہر کا کام دینے کے لئے اب بھی کافی ہے۔

قرآن میں اس کی ایک نظیر

ہمیں قرآن مجید سے بھی اس خیال کی تصدیق حاصل ہوتی ہے، پہلے مسلمانوں سے اس بات کا مطالبہ تھا کہ وہ اپنے سے دس گنا دشمن کے مقابلہ میں ثابت قدم رہیں، پھر ان کے لئے بہت آسانی اور تخفیف کر دی گئی اور صرف اس کا مطالبہ رہا کہ اپنے سے دوگنے دشمن کے مقابلہ پر ان کو ثابت قدم اور غالب رہنا چاہیئے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

(باقی صـ۳۳ کا) کے پاس آیا تو انھوں نے پوچھا کہ آپ کے پروردگار نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا؟ میں نے کہا پچاس نمازیں، انھوں نے کہا کہ اپنے رب کے پاس واپس جایئے اور اس میں تخفیف کر دینے کی درخواست کیجئے اس لئے کہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی، مجھے بنی اسرائیل کا خوب تجربہ ہے، ارشاد ہوا کہ میں اپنے رب کے پاس واپس گیا اور میں نے عرض کیا کہ پروردگار میری امت کے لئے تخفیف فرما دیجئے تو پانچ نمازوں کی تخفیف فرما دی گئی (اسی طرح آپ نے تفصیل سے کئی بار جانا اور تخفیف کیا جانا بیان کیا، یہاں تک کہ فرمایا کہ) جب پانچ نمازیں رہ گئیں تو ارشاد ہوا اے محمد یہ دن و رات میں پانچ نمازیں ہیں اور ہر نماز دس نمازوں کے قائم مقام ہے، اس طرح یہ (حقیقتاً) پچاس نمازیں ہو گئیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ ۚ إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ۝ الْآنَ خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا ۚ فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝ (سورہ انفال۔ ۶۵-۶۶)

اے نبی مومنین کو قتال پر آمادہ کیجئے، اگر تم میں سے بیس آدمی بھی ثابت قدم ہوں گے تو دو سو پر غالب آجائیں گے اور اگر تم میں سے سو ہوں گے تو ایک ہزار کافروں پر غالب آجائیں گے اس لئے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے، اب اللہ نے تم پر تخفیف کردی اور معلوم کرلیا کہ تم میں جوش کی کمی ہے سو (اب) اگر تم میں سے سو ثابت قدم ہوں تو دو سو پر غالب رہیں گے اور اگر تم میں سے ہزار ہوں تو دو ہزار پر غالب رہیں گے اللہ کے حکم سے اور اللہ ثابت قدموں کے ساتھ ہے۔

لیکن اس تخفیف کے باوجود یہ پہلا حکم مسلمانوں کے اندر جوش عمل اور جذبۂ قربانی پیدا کرنے میں بہت معاون ثابت ہوا اور ان کو ہمیشہ جان سے کھیلنے اور خطرات مول لینے پر آمادہ کرتا رہا، یہ آیت جو منسوخ ہونے کے باوجود تلاوت کی جاتی ہے اس میں شاید یہی حکمت و مصلحت ہے کہ اس کے ذریعہ مسلمانوں میں ایک نئی شجاعت اور نیا جوش عمل پیدا ہوسکے اور یہی سچے مسلمانوں اور سربکف مجاہدوں کا شیوہ اور اصل معیار ہے۔

روحانی غذائیں اور دوائیں اور ان کی خوراک و اوقات

یہ پانچوں نمازیں ان ہی متعین اوقات میں ادا کرنا ضروری ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں۔

إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا۔ (سورۃ النساء۔ ۱۰۳)

بیشک نماز تو ایمان والوں پر پابندیِ وقت کے ساتھ فرض ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

قرآن مجید میں اس کے اوقات کی طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے[1]، ان پانچ نمازوں کے لئے رکعتیں بھی متعین ہیں جن کی پابندی ضروری ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے بعد صحابہ کرامؓ نے زندگی بھر اور ہر موقع پر اس کی پابندی کی، یہاں تک کہ جہاد و قتال کے موقع پر بھی اس میں کوئی تبدیلی گوارا نہیں کی اور اس عمل اور عبادت میں اس قدر تواتر، تسلسل اور اجماع رہا جس کی نظیر دنیا کی کسی ملت اور تاریخ کے کسی دور میں نہیں ملتی، امت اسلامیہ نسل در نسل اس کو حفاظت کے ساتھ منتقل کرتی رہی اور نازک سے نازک ساعت، سخت سے سخت آزمائش اور تاریک سے تاریک دور میں بھی وہ ایک دن کے لئے ملتوی نہیں کی گئی۔

---

[1] ایک جگہ ارشاد ہے:۔

أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلٰى غَسَقِ	نماز ادا کیجئے آفتاب کے ڈھلنے (کے بعد) سے رات
اللَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ	کے اندھیرے ہونے تک اور صبح کی نماز بھی، بیشک
مَشْهُودًا ۝ (بنی اسرائیل۔۷۸)	صبح کی نماز حضوری کا وقت ہے۔

بعض مفسرین نے لفظ دلوک سے نماز کے تین اوقات کا استنباط کیا ہے، ظہر، عصر، مغرب، اور غسق اللیل سے عشا کی نماز کا استنباط کیا ہے، اور قرآن الفجر سے صبح کی نماز ثابت کی ہے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "سیرت النبیؐ" جلد پنجم تالیف مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ لفظ دلوک کے معنی اور جہاں جہاں اس کا استعمال ہوتا ہے یہ معلوم کرنے کے لئے "لسان العرب" سے رجوع کیا جائے۔

قرآن مجید کی دوسری آیت ہے۔

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ	اور اپنے پروردگار کی تسبیح کرتے رہئے حمد کے ساتھ آفتاب کے
غُرُوبِهَا وَمِنْ اٰنَاۗئِ اللَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ	طلوع سے قبل اور اس کے غروب سے قبل اور اوقات شب میں بھی تسبیح
النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى۔ (سورہ طٰہٰ۔۱۳۰)	کیجئے اور دن کے بھی اول و آخر میں تاکہ آپ خوش رہیں۔

اس کی تفسیر کے لئے بھی سیرت النبیؐ جلد پنجم کا مطالعہ مفید ہوگا۔

www.abulhasanalinadwi.org

یہ پانچ وقت کی نمازیں اپنے اوقات اور رکعتوں کے ساتھ دراصل روحانی غذائیں اور صحت کے انجکشن ہیں، جو انسانوں کے خالق مالک الملک اور حکیم و علیم نے اپنے بندوں کے لئے مقرر کئے ہیں، وہ حکیم و علیم جو صرف نفوس کا طبیب ہی نہیں بلکہ ان کا خالق و صانع بھی ہے، اس لئے اس کی حکمت و آئین کے سامنے بے چوں وچرا سرِ تسلیم خم کر دینا چاہئے پھر اس پر مضبوطی سے ثابت قدم رہنا چاہئے، اسی تعداد و مقدار کے ساتھ ان نمازوں کو ادا کرنا چاہئے جو خدا نے مقرر کر دی ہیں، اور انھیں اوقات میں ان کو ادا کرنا چاہئے جو اللہ کی طرف سے ان کے لئے معین ہیں، ان اوقات کے اسرار اور ان میں اللہ تعالیٰ کی جو تجلیات، ان کے اندر رحمتوں کی جو بارش اور ان میں جو نورانیت اور روحانی ترقی کا سامان پایا جاتا ہے، اس کا علم و ادراک اللہ اور اس کے رسول کے سوا کسی کو نہیں۔

ان اوقات کے تعین کے وسیع مقاصد میں ایک مقصد یہ بھی ہے کہ ان اوقات میں مشرکین اپنے معبودانِ باطل (آفتاب، ستارہ، پتھر اور آگ وغیرہ) کی عبادت کیا کرتے تھے، اس لئے ان میں خدائے واحد کی عبادت کا حکم دیا گیا ہے[1]۔

جب انسان ڈاکٹروں اور طبیبوں کے مشورہ اور ان کے مقرر کردہ اوزان و خوراک کی پابندی ضروری سمجھتا ہے حالانکہ وہ ان ہی کے سطح کے لوگ اور ان ہی کی طرح گوشت و پوست کے انسان ہیں، ان کے تجربے محدود اور اندازے تخمینی ہیں، تو پھر خدائے حکیم و علیم کے حکم کے بارے میں ہمارا کیا رویہ ہونا چاہئے جس کی شان یہ ہے کہ:-

اَلَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی ۝	جس نے ہر چیز کو اس کی بناوٹ عطا کی، پھر اس کی
(سورۂ طٰہٰ۔ ۵۰)	رہنمائی کی۔
اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِیْفُ	کیا وہی آگاہ نہ ہوگا جس نے پیدا کیا ہے؟ وہ تو
الْخَبِیْرُ ۝ (سورۂ ملک۔ ۱۴)	(بڑا ہی) باریک بیں اور (پورا) باخبر ہے۔

[1] اس موضوع پر حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں "اسرار الاوقات" کے عنوان سے بہترین بحث لکھی ہے اس کا ملاحظہ کیا جائے

www.abulhasanalinadwi.org

نمازوں کے اوقات اور ان کے تسلسل کی حکمت

ان نمازوں کی تکرار اور تھوڑے تھوڑے وقفہ سے ان کے تسلسل میں بہت بڑی حکمت پوشیدہ ہے، اس میں نفس انسانی کے لئے مکمل اور صالح غذا کا سامان ہے اور ماسوی اللہ سے غفلت اور قلب و روح پر مادیت کے حملوں سے بچاؤ کا پورا انتظام ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"امت کی سیاست اور اس کی زندگی کا نظام اس وقت تک درست نہیں ہو سکتا جب تک ہر تھوڑی مدت اور وقفہ کے بعد اس کی نگہداشت نہ کی جاتی رہے، یہاں تک کہ نماز کے لئے اس کا انتظار اور اس کے لئے بہت پہلے سے تیاری نماز ہی کے رنگ اور نماز ہی کے نور کا ایک حصہ ہے اور اسی کے حکم میں آتا ہے اور اس طرح اکثر اوقات اس کے دائرہ میں آجاتے ہیں، ہم کو اس کا تجربہ ہے کہ جو تہجد کی نماز کی نیت کے ساتھ سوئے گا وہ کم از کم بہائم کی نیند نہ سو سکے گا، اسی طرح کسی کو اگر نماز یا کسی ورد کی فکر دامنگیر ہوگی وہ بہیمیت میں پڑنے سے باز رہے گا، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد "من تعارّ من اللیل"[1] (الحدیث) کا مقصد و منشا بھی یہی ہے"

---

[1] اشارہ اس حدیث کی طرف ہے جس کو امام بخاری، امام ترمذی اور ابوداؤد نے حضرت عبادہ بن صامت سے روایت کیا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ جس کی زبان سے (نیند سے بیدار ہوتے ہوئے) کلمۂ شہادت اور تسبیح و تحمید کے الفاظ نکلے اور اس نے دعا کی تو اس کی دعا، یا وضو کر کے نماز پڑھی تو اس کی نماز قبول ہوگی (ملاحظہ ہو صحیح بخاری کتاب التہجد، ترمذی کتاب الدعوات، ابوداؤد کتاب الادب) شاہ صاحب کا مقصد یہ ہے کہ جس کی زبان پر ذکر الٰہی اس طرح جاری ہو جائے اور نماز و دعا کی فکر ایسی غالب ہو کہ سوتے سوتے اس کی زبان سے نکل جائے اور خود بخود آنکھ کھل جائے تو وہ غفلت و مدہوشی کی نیند نہیں سو سکتا۔

www.abulhasanalinadwi.org

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَن	ایسے لوگ جنھیں نہ تجارت غفلت میں ڈالتی ہے
ذِكْرِ اللَّهِ۔	(سورۂ نور۔ ۳۷) نہ (خرید و) فروخت اللہ کی یاد سے۔

اسلام میں نماز کی اہمیت

یہ احکام الٰہی کی وہ حکمتیں ہیں جن کے سامنے ہم کو سر تسلیم خم کر دینا چاہئے، ہمارا ایمان ہونا چاہئے کہ نماز بندوں پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا فریضہ ہے، دین کا ستون ہے، مسلمانوں اور کافروں کے درمیان وجہ امتیاز ہے،[۲]

---

[۱] حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۷۸ (باب اسرار الاوقات) [۲] چنانچہ قرآن مجید میں آتا ہے:-

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔ (سورۂ روم۔ ۳۱)	اور نماز کی پابندی رکھو اور شرک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔

سورۂ توبہ میں ارشاد ہے:-

فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ	اگر توبہ کرلیں اور نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں
فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ۔ (سورۂ توبہ۔ ۵)	تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔

دوسری جگہ ہے:-

فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ	لیکن اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز کے پابند ہو جائیں اور زکوٰۃ
فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ۔ (سورۂ توبہ۔ ۱۱)	دینے لگیں تو وہ تمہارے بھائی ہو جائیں گے دین میں۔

مسلم میں جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بین العبد وبین الکفر ترک الصلوٰۃ" انسان اور کفر کے درمیان صرف نماز چھوڑ دینے کی کسر ہے، دوسری روایت میں "بین الرجل والشرک" کے الفاظ آئے ہیں ترمذی کی روایت میں ہے کہ "آدمی اور ایمان کے درمیان نماز کا ترک ہی حد فاصل ہے" حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "العھد الذی بیننا وبینھم الصلوٰۃ" ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان جو عہد ہے، وہ نماز ہی کا ہے، اس مضمون کی اور بھی روایات ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

نجات کی شرط ہے ایمان کی محافظ ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت و تقویٰ کی بنیادی شرائط کے طور پر بیان کیا ہے ارشاد ہے :۔

الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى	الٓمّٓ یہ کتاب (کہ) کوئی شبہ اس میں نہیں ہدایت ہے
لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ	(اللہ سے) ڈر رکھنے والوں کے لئے جو غیب پر ایمان
الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝	رکھتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے
(سورۂ بقرہ - ۱-۲-۳)	ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔
قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ	بامراد ہوا وہ جو پاک ہوا اور اپنے پروردگار کا نام
فَصَلّٰى ۝ (سورۂ الاعلیٰ - ۱۴-۱۵)	لیتا اور نماز پڑھتا رہا۔

اخلاق ذمیمہ رکھنے والوں سے نماز کی حفاظت کرنے والوں کو مستثنیٰ کرتے ہوئے ارشاد ہے :۔

اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ	ہاں البتہ وہ نمازی (اس حکم میں داخل نہیں) جو
دَآئِمُوْنَ ۝ (سورۂ المعارج - ۲۲-۲۳)	اپنی نمازوں میں برابر لگے رہتے ہیں۔

کامیاب مسلمانوں کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے :۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝ (سورۂ مؤمنون - ۹)	اور جو اپنی نمازوں کی پابندی کرنے والے ہیں۔

اہل جہنم کے ذکر میں ارشاد ہے :۔

مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ	تمہیں کون سی چیز دوزخ میں لائی؟ وہ کہیں گے
الْمُصَلِّيْنَ ۝ (سورۂ مدثر - ۴۲-۴۳)	ہم نماز نہیں پڑھا کرتے تھے۔

منافقین کے بیان میں ہے :۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ	بیشک منافقین تو اللہ سے چال چل رہے ہیں حالانکہ
خَادِعُهُمْ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا	اللہ انہی کی چالوں کو ان پر الٹ رہا ہے اور یہ لوگ

www.abulhasanalinadwi.org

كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ (سورۂ نساء - ۱۴۲)

جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو بہت ہی کاہلی سے کھڑے ہوتے ہیں (صرف) لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ کی یاد کچھ یوں ہی سی کرتے ہیں۔

یہ ہر آزاد اور غلام، امیر اور غریب، بیمار اور تندرست، مسافر اور مقیم پر ہمیشہ کے لئے اور ہر حال میں فرض ہے کسی بالغ انسان کو کسی حال میں اس سے مستثنیٰ نہیں کیا جا سکتا، بخلاف روزہ، حج اور زکوٰۃ کے جو مختلف شرائط و صفات کے ساتھ وابستہ ہیں، اور ان کے متعین اور محدود اوقات ہیں، نماز میدان جنگ میں بھی فرض ہے اور صلوٰۃ خوف کے نام سے موسوم ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۝ وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ

اور جب تم زمین پر سفر کرو تو اس باب میں کوئی مضائقہ نہیں کہ نماز میں کمی کر دیا کرو، اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر لوگ تمہیں ستائیں گے بیشک کافر تو تمہارے کھلے ہوئے دشمن ہی ہیں، اور جب آپ ان کے درمیان ہوں اور ان کے لئے نماز قائم کریں تو چاہئے کہ ان میں کا ایک گروہ آپ کے ساتھ کھڑا ہو جائے اور وہ لوگ اپنے ہتھیار لئے رہیں پھر جب وہ سجدہ کر چکیں تو اب چاہئے کہ وہ تم لوگوں کے پیچھے ہو جائیں اور دوسرا گروہ جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی ہے آ جائیں اور وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھ لیں اور یہ لوگ بھی اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار (ساتھ) لئے رہیں، کافروں کی تو خواہش یہی ہے کہ تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان سے (ذرا) غافل ہو جاؤ تو یہ

www.abulhasanalinadwi.org

مَرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۝

(سورۂ نساء۔ ۱۰۱۔۱۰۲۔۱۰۳)

لوگ تمہارے اوپر یکبارگی ہی ٹوٹ پڑیں (و تمہارے لئے اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں کہ اگر تمہیں بارش سے تکلیف ہو رہی ہو یا تم بیمار ہو تو اپنے ہتھیار اتار رکھو اور اپنے بچاؤ کا سامان لئے رہو، بیشک اللہ نے کافروں کے لئے ایک رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے پھر جب تم (اس) نماز کو ادا کر چکو تو اللہ کی یاد میں لگ جاؤ کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے اور پھر جب تمہیں اطمینان حاصل ہو جائے تو نماز کی اقامت کرو، بیشک نماز تو ایمان والوں پر پابندی وقت کے ساتھ فرض ہے۔

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ۝ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝

(سورۂ بقرہ۔ ۲۳۸۔۲۳۹)

(سب ہی) نمازوں کی پابندی رکھو اور (خصوصاً) درمیانی نماز کی، اور اللہ کے سامنے عاجزوں (کی طرح) کھڑے رہا کرو، لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو تو تم پیدل ہی (پڑھ لیا کرو) یا سواری پر پھر جب تم امن میں آجاؤ تو اللہ کو یاد کیا کرو جس طرح اس نے تمہیں سکھایا ہے جس کو تم جانتے (بھی) نہ تھے۔

نماز کے دوام کی ضرورت اور اس کے ترک کے خطرات

یہ ایک ایسا فریضہ ہے جو کسی نبی اور رسول سے بھی ساقط نہیں ہوتا چہ جائیکہ کسی ولی اور عارف مجاہد سے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ"[1] (اور اپنے پروردگار کی عبادت

---

[1] سورۂ الحجر۔ ۹۹۔ تمام علماء و مفسرین کا اجماع ہے کہ یقین سے مراد موت ہے، عاقل بالغ سے فرائض کا ساقط نہ ہونا علم عقائد کا معروف مسئلہ ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

کرتے رہئے یہاں تک کہ آپ کو امر یقین پیش آجائے) اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ مشاہدہ اور یقین کی منزل پر پہونچنے کے بعد یا اسلام کے راستہ میں مختلف خدمات انجام دینے یا اپنے کارناموں اور اپنے مقام کی وجہ سے یہ فریضہ اس سے ساقط ہو گیا تو وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالتا ہے اور زبردست خطرہ کو دعوت دیتا ہے۔

کسی خدمت وجہاد کی وجہ سے نماز سے غافل کی مثال

اپنے کسی کارنامہ، کسی خدمت یا کسی کیفیت اور حال پر اعتماد کر کے نماز چھوڑ دینے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کشتی کا کوئی عالم و فاضل سوار اپنے علم و فضل کے زعم میں کسی تختہ یا کیل کو یہ کہہ کر توڑنے یا نکال دینے کے درپے ہو جائے کہ اس کی اس کشتی میں کیا ضرورت ہے اور ایک تختہ یا کیل نہ ہونے کی وجہ سے کیا نقصان ہوگا اس کے بغیر بھی کام چل سکتا ہے، وہ اس کو بلا ضرورت اور غیر مفید قرار دے کر زبردستی تختہ یا کیل کو توڑ دے اور بالآخر اس کی اس بوالفضولی کی بدولت کشتی مع مسافروں کے غرق دریا ہو جائے[1]۔

نماز کی پابندی اور حفاظت کا راز اور اس کے تارک کی سزا

نماز میں ایمان اور دین کی حفاظت، اللہ تعالیٰ سے تعلق، دائرہ اسلام میں رہنے اور جماعت مومنین میں شمولیت کی حفاظت و سلامتی کا راز پوشیدہ ہے، یہ کیوں ہے؟ اس کی حقیقت اللہ ہی کو معلوم ہے ایک بڑے عارف و محقق بزرگ[2] نے اس نکتہ کی تشریح کے لئے ایک بڑی سبق آموز اور عارفانہ حکایت بیان کی ہے۔

"اس کو ایسا سمجھو کہ ایک شخص نے ایک پہاڑ کی چوٹی پر محل تعمیر کیا، وہاں انواع و اقسام کی نعمتیں جمع کیں، جب اس کا اخیر وقت ہوا تو اس نے لڑکے کو وصیت کی کہ اس محل میں جو ترمیم و تصرف چاہنا کرنا لیکن ایک خوشبودار گھاس کا ایک حصہ جو میں چھوڑ کر جا رہا ہوں وہ چاہے خشک ہو جائے

---

[1] یہ مثال حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری بہاری کے ایک مکتوب سے ماخوذ ہے۔ [2] مولانا شیخ شرف الدین یحییٰ منیری (۱۳۶۱ھ - ۱۴۰۲ھ)

www.abulhasanalinadwi.org

اس کو باہر نہ کرنا، جب پہاڑ کی چوٹی پر بہار آئی تو پہاڑ اور میدان سرسبز ہو گئے بہت سی تازہ اور خوشبودار گھانس پیدا ہو گئی جو اس پرانی گھانس سے زیادہ تر و تازہ تھی، اس میں سے بہت سی گھانس اور پھول اس محل میں آئے جن کی خوشبو نے سارے محل کو معطر کر دیا، اور ان کے سامنے اس پرانی سوکھی ہوئی گھانس کی خوشبو دب گئی، لڑکے نے سوچا کہ میرے والد نے یہ پرانی گھانس اس محل میں اس لئے رکھی تھی کہ اس کی خوشبو پھیلے اور یہ جگہ اس سے معطر ہو، اب یہ سوکھی گھانس کس کام آئے گی، اس نے حکم دیا کہ اس گھانس کو باہر پھینک دیا جائے، جس وقت محل اس گھاس سے خالی ہو گیا، ایک کالے سانپ نے سوراخ سے سر نکالا اور لڑکے کو ڈس لیا اور اس کا کام تمام ہو گیا۔

سبب اس کا یہ تھا کہ اس گھاس کے دو فائدے تھے، ایک یہ کہ وہ خوشبو دے، اور دوسرے اس میں یہ خاصیت تھی کہ وہ جہاں ہوتی ہے، سانپ اس کے قریب نہیں جا سکتا، گویا وہ سانپ کا تریاق تھی، یہ خاصیت کسی کو معلوم نہیں تھی، لڑکے کو اپنی ذہانت پر ناز تھا، وہ سمجھا کہ جو اس کے معلومات کے دائرہ میں نہ ہو گویا کہ قدرت خداوندی کے خزانہ میں موجود نہیں ہے، اس کو اس آیت کا مفہوم نہیں معلوم تھا، "وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا" وہ اپنی ذہانت کے غرہ میں مارا گیا۔[1]

تارک صلوٰۃ کی بھی یہی مثال ہے، اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ وہ نماز سے مستغنی ہے، اور ان مقاصد کو حاصل کر چکا ہے، جن کے لئے نماز کا حکم ہے، یا اسلام اور مسلمانوں کی کسی بڑی خدمت یا عبادت و ریاضت، یا اپنے جہاد و سرفروشی یا تحریک و دعوت میں اپنے انہماک و مشغولیت پر بھروسہ کر کے نماز کو حقیر یا بے ضرورت سمجھتا ہے اور اس سے غفلت برتتا ہے تو وہ تباہی کے دہانہ پر کھڑا ہے اور اس کے سارے اعمال اور ساری خدمات نہ صرف رائیگاں بلکہ وبالِ جان ہیں، اور اس کی مثال اس بکری یا بھیڑ کی ہے جو اپنے گلہ اور چرواہے سے علیحدہ ہو کر دور جائے اور بالآخر بھیڑیئے کا لقمۂ تر بن جائے۔

---

[1] مکتوبات سہ صدی (ترجمہ ماخوذ از تاریخ دعوت و عزیمت حصہ سوم) ص ۳۰۶-۳۰۷

www.abulhasanalinadwi.org

نماز مومن کے حق میں ایسی ہے جیسے مچھلی کے لئے پانی

نماز دراصل اس فطرت انسانی اور تقاضۂ بشری کی تسکین اور تکمیل ہے جس کو ہم ضعف و احتیاج، مجبوری و درماندگی، دعا و مناجات اور اس خدائے بزرگ و برتر کی پناہ میں آجانے اور اس کے در پر سر رکھ کر پڑ رہنے کا جذبہ کہہ سکتے ہیں، جو طاقتور ہے، بے نیاز ہے، سخی داتا ہے، رحم کرنے والا اور مہربان ہے، حفاظت کرنے والا، عطا کرنے والا، جاننے والا اور خبر رکھنے والا، سننے اور دینے والا ہے، درحقیقت شکر و احسان مندی، وفاشعاری اور حب الٰہی، عبودیت و تذلل اور خشوع و تواضع کے اس جذبہ کی تسکین ہے، جو انسان کی سرشت میں ہے اور اس کی انسانیت کا سب سے بڑا جوہر ہے، اس بارہ میں مومن کی مثال مچھلی کی سی ہے جس کی زندگی پانی کے ساتھ وابستہ ہے، اگر اس کو زبردستی پانی سے نکال بھی لیا جائے تب بھی وہ پانی کے لئے بیقرار اور پانی کی محتاج رہے گی اور موقع ملتے ہی بے ساختہ اس پر ٹوٹ پڑے گی، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے، آپ نے فرمایا "جعلت قرة عيني في الصلوٰة"[1] (میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے) اسی طرح حضرت بلالؓ سے آپ نے فرمایا کہ "يا بلال اقم الصلوٰة ارحنا بها"[2] (اے بلال نماز کی تیاری کرو اور اس کے ذریعہ ہم کو آرام دو)

مومن کی جائے پناہ اور جائے امن

نماز مومن کے لئے اس محبت کرنے والی ماں سے بھی زیادہ پناہ لینے، سر چھپانے اور آرام پانے کی جگہ اور اس کی گود سے بھی زیادہ راحت رساں اور جنت بداماں ہے، جو ایک یتیم، ضعیف و عاجز،

---

[1] نسائی [2] ابوداؤد "کتاب الادب"

www.abulhasanalinadwi.org

بے سہارا اور لاڈلے بچے کے لئے ہر وقت کھلی رہتی ہے، اور جب بھی بچہ کو کسی قسم کے گزند اور نقصان کا خطرہ ہوتا ہے، کوئی اس کو چھیڑتا اور پریشان کرتا ہے یا اس کو بھوک اور پیاس ستاتی ہے، یا وہ کسی چیز سے سہم جاتا ہے، تو فوراً ماں سے چمٹ جاتا ہے، اور اس کی گود میں بیٹھ کر..... سمجھ لیتا ہے کہ وہ سب سے محفوظ ہو گیا، اسی طرح نماز بھی مومن کی سب سے بڑی پناہ گاہ اور جائے قرار ہے، یہ وہ مضبوط رسی ہے، جو اس کے اور اس کے رب کے درمیان پھیلی ہوئی ہے، وہ جب چاہے اس رسی کو مضبوطی سے تھام کر اپنی حفاظت کی ضمانت حاصل کر سکتا ہے، یہ اس کی روح کی غذا، درد کا درماں، زخم کا مرہم، بیماری سے شفا اور اس کا سب سے بڑا ہتھیار اور سہارا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ	اے ایمان والو صبر اور نماز سے مدد چاہو بیشک اللہ
وَالصَّلَاةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ	صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

(سورہ بقرہ ۱۵۳)

جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کسی خاص مسئلہ کا سامنا ہوتا تھا تو آپ فوراً نماز کی طرف توجہ فرماتے تھے، حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ "جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو پریشانی درپیش ہوتی تو فوراً نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے"[1] حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ "جب کبھی رات کو تیز ہوا چلتی آپ مسجد کی طرف رخ فرماتے اور جب تک ہوا تھم نہ جاتی وہیں تشریف رکھتے، اسی طرح جب سورج یا چاند گرہن ہوتا تو نماز میں مشغول ہو جاتے یہاں تک کہ گرہن دور ہو جاتا"[2]

ابوداؤد میں نضر سے روایت ہے کہ "حضرت انسؓ کے زمانہ میں ایک مرتبہ بڑا اندھیرا چھا گیا، میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے کہا کہ اے ابوحمزہ (حضرت انسؓ کی کنیت) کیا کبھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی ایسا ہوا کرتا تھا؟ انھوں نے فرمایا کہ توبہ توبہ اگر کبھی زور کی آندھی بھی

---

[1] ابوداؤد [2] رواہ الطبرانی فی الکبیر

www.abulhasanalinadwi.org

آتی تھی تو ہم بھاگ کر مسجد میں پناہ لیتے تھے اس ڈر سے کہ کہیں قیامت نہ آرہی ہو"

نماز سے صحابہ کرامؓ کی شیفتگی اور اس کی خاطر ہر قسم کے مرغوبات کی قربانی اس زمانہ کے مشرکین سے پوشیدہ نہ تھی مسلم میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ "ہم نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قبیلہ جہینہ کے لوگوں سے جہاد کیا، انھوں نے بہت سخت جنگ کی (حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں کہ) وہ کہتے تھے کہ "ان کی اس نماز کا وقت آنے والا ہے، جو ان کو ان کی اولاد سے بھی زیادہ محبوب ہے"[1]

نماز میں جسم، عقل اور قلب تینوں کی نمائندگی ہے

نماز صرف جسمانی حرکات یا کسی چوب خشک جیسے نظام کا نام نہیں جس میں نہ روح ہوتی ہے نہ زندگی، نہ وہ کوئی ایسا فوجی ڈسپلن ہے جس میں ارادہ و اختیار کو کوئی دخل نہیں ہوتا، وہ ایک ایسا عمل ہے جس میں جسم عقل اور قلب سب شریک ہیں، اور اس میں ان تینوں چیزوں کی حکیمانہ و منصفانہ نمائندگی موجود ہے، جسم کے حصہ میں قیام اور رکوع و سجود آیا ہے، زبان کے حصہ میں تلاوت و تسبیح آئی ہے، عقل کے حصہ میں تفکر و تدبر آیا ہے، قلب کے حصہ میں خشوع و انابت اور رقت و کیفیت آئی ہے اور قرآن مجید میں ان تینوں کا ذکر موجود ہے، جسم کے اعمال کی طرف ان آیتوں میں اشارہ ہے:-

وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ۝ (سورۂ بقرہ۔۲۳۸)	اور اللہ کے سامنے عاجزوں (کی طرح) کھڑے رہا کرو۔
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا	اے ایمان والو رکوع کیا کرو اور سجدہ کیا کرو اور
وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ	اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہو اور نیکی کرتے
تُفْلِحُوْنَ ۝ (سورۂ حج۔۷۷)	رہو تاکہ کچھ فلاح پاجاؤ۔

[1] مطلب یہ ہے کہ اس وقت ان کی مشغولیت و استغراق سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے اور وہ حملہ کے لئے موزوں وقت ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

عقل کے اعمال کی طرف ان آیات میں اشارہ ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنتُمْ	اے ایمان والو! نماز کے قریب نہ جاؤ اس حال میں کہ
سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ۔	تم نشے میں ہو یہاں تک کہ جو کچھ (منہ سے) کہتے ہو
(سورۂ نساء۔۴۳)	اسے سمجھنے لگو۔

اور قلب کے اعمال کی طرف ان آیات میں اشارہ ہے:۔

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي	یقیناً (وہ) مومنین فلاح پاگئے جو اپنی نماز میں خشوع
صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۝ (سورۂ مومنون ۱-۲)	رکھنے والے ہیں۔
تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ	ان کے پہلو خواب گاہوں سے علیحدہ رہتے ہیں اور اپنے
رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ	پروردگار کو وہ پکارتے رہتے ہیں خوف سے اور امید سے
يُنفِقُونَ ۝ (سورۂ سجدہ۔۱۶)	اور جو کچھ ہم نے دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں۔

صرف ایک چیز کی نمائندگی پر اصرار جہل اور گمراہی ہے

انسان جسم، عقل اور دل تینوں چیزوں کا مجموعہ ہے اور اسی لحاظ سے نماز میں جو اس دین کا سب سے بڑا مظہر ہے، انسانی فطرت کے تمام بنیادی شعبوں اور نمایاں پہلوؤں کی نمائندگی موجود ہے، بعض متقشفین مذاہب اہل عبادت و ریاضت اور عہد آخر کے یہودیوں نے اس کو محض جسمانی حرکات سمجھا، بعض فلسفزدہ اور اشراقی صوفیوں نے اس کو صرف فکر و تدبر اور مراقبہ قرار دیا، بہت سے جاہل عیسائی راہبوں اور بعض نام نہاد مسلمان صوفیوں نے اس کو صرف خشوع و انابت، سوز و گداز، گریہ و بکا، دعا و مناجات اور شوق و محبت کی ایک تصویر سمجھا اور تنہا اسی پر قناعت کر کے بیٹھ رہے لیکن غور سے دیکھا جائے تو نظر آئے گا کہ یہ تمام طبقے اصل حقیقت سے منحرف اور نماز کے جامع معجزانہ نظام سے ناآشنا تھے۔

www.abulhasanalinadwi.org

نماز کا حکیمانہ و معجزانہ نظام تربیت

حکمت الٰہی اور شریعت ربانی نے نماز کا جو لطیف و عمیق اور جامع و مانع نظام قائم کیا ہے اس سے مقصود صرف یہ ہے کہ اس کے ذریعہ انسان اپنے مقصد عبودیت کی تکمیل کر سکے، اس کے اندر اخلاص، غایت درجہ کا خضوع و تذلل، استغاثہ و ابتہال اور تعلق مع اللہ کی صفات پیدا ہوں، وہ ماسوی اللہ سے منقطع ہو جائے اور ہر اس شخص کے خلاف اعلان بغاوت کر دے جو اللہ تعالیٰ کی الوہیت و ربوبیت، اس کی عظمت و کبریائی اس کے حکم و فیصلہ اور اطاعت مطلقہ میں حصہ دار بننا چاہتا اور زبان قال یا حال سے اپنی پرستش کرنے کی دعوت دیتا ہو اور اپنے طرز عمل سے اس کا دعوے دار ہو کہ وہی حکم دینے والا ہے اور وہی منع کرنے والا، اسی سے امید رکھنی چاہئے اور اسی سے ڈرنا چاہئے، نماز کا مقصد یہ ہے کہ نفس انسانی میں ایک ایسی روحانی قوت، نیا ایمان اور قلب کو روشن کر دینے والا نور پیدا ہو جائے جس کے ذریعہ انسان ہر قسم کے فتنوں اور ترغیبات کا مقابلہ کر سکے، بڑے سے بڑے حوادث میں ثابت قدم رہ سکے، نفس کے شر اور اور اس کے مکر سے محفوظ رہے، اور اس کی کمزوریوں پر قابو پا سکے۔

نماز میں قبلہ کی طرف رخ کرنے کی حکمت اور اس کے اثرات

اسلام کی تعلیم ہے کہ پانچوں نمازوں میں اپنا رُخ اس بیت عتیق (پرانے گھر) کی طرف رکھا جائے جو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے بنایا گیا ہے، اور جو اس زمانہ میں بھی جب سارے گھر اور معبد بتوں اور جھوٹے معبودوں کی پرستش کے لئے وقف تھے، اور ان میں کھلے طریقہ پر پتھروں، اجرام فلکی اور خیالی معبودوں کی عبادت کی جاتی تھی،[1]

---

[1] مثلاً محبت کا دیوتا، جنگ کا دیوتا، حسن کا دیوتا اور اس طرح کے وہ سارے دیوتا اور دیویاں جو اہل یونان، اہل ہند، آشوریا اور قدیم مصریوں میں معروف تھیں اور ان کی پوجا ہوتی تھی۔

www.abulhasanalinadwi.org

تنہا اس کی دعوت کے لئے مخصوص تھا اور توحید کا ابدی رمز اور عالمی شعار بن گیا تھا۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ	سب سے پہلا مکان جو لوگوں کے لئے وضع کیا گیا
مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ۔	وہ ہے جو مکہ میں ہے (سب کے لئے) برکت والا
(سورۂ آل عمران۔ ۹۶)	اور سارے جہاں کے لئے راہنما ہے۔

جس کی بنیاد ابوالانبیاء امام توحید اور اس ملت کے اولین مؤسس حضرت ابراہیم خلیلؑ اور ان کے فرزند اسماعیلؑ کے مبارک ہاتھوں سے پڑی تھی۔

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ	اور (وہ وقت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے) جب
الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ	ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ خانہ (کعبہ) کی بنیادیں بلند
اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا	کر رہے تھے اے ہمارے پروردگار ہم سے (یہ) قبول کر
مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّۃً	یقیناً تو ہی (سب کچھ) سننے والا ہے (سب کچھ)
مُّسْلِمَۃً لَّکَ وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا	جاننے والا ہے اے پروردگار! ہم دونوں کو اپنا
اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ۝	فرمانبردار بنا دے اور ہماری نسل سے ایک فرمانبردار
(سورۂ بقرہ۔ ۱۲۷۔۱۲۸)	امت پیدا کر اور ہم کو ہمارے دینی قاعدے بتلا دے
	اور ہمارے حال پر توجہ رکھ یقیناً تو توجہ فرمانے
	والا ہے بڑا مہربان ہے۔

جس کی اساس ہی اللہ کی عبادت و اطاعت اور طاغوت کی مخالفت و بغاوت پر رکھی گئی ہے اور اس کا وجود ہی دنیا کے سارے معبودانِ باطل کے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ ھٰذَا الْبَلَدَ	اور (وہ وقت یاد کرو) جب ابراہیمؑ نے عرض کی کہ
اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ۝	اے میرے پروردگار اس شہر (مکہ) کو امن والا بنا دے

www.abulhasanalinadwi.org

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

(سورہ ابراہیم ۳۵-۳۶)

اور مجھ کو اور میرے فرزندوں کو اس سے بچائے رکھ کہ ہم لوگ مورتی پوجا کرنے لگیں اے میرے پروردگار ان (مورتیوں) نے بہتیرے آدمیوں کو گمراہ کر دیا ہے سو جو کوئی میری راہ پر چلے گا وہ میرا ہے ہی اور جو کوئی میری نافرمانی کرے تو تو بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے۔

اس لحاظ سے اس گھر کو قبلہ کی حیثیت سے مخصوص کرنا اور سب سے بڑی اور عمومی عبادت میں اس کی طرف رُخ کرنا درحقیقت شعار توحید کا اعلان اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عقیدۂ و دعوت اور ان کے مرکز عبادت میں ان کی پیروی و تقلید کا اظہار اور ان کی طرف اپنا انتساب ہے۔

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۭ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ

(سورۂ حج-۷۸)

تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت (پر قائم رہو) اسی نے تمہیں مسلم قرار دیا۔

شیخ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اس پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"چونکہ کعبہ اللہ تعالیٰ کے شعائر میں سے ہے اس لئے اس کی تعظیم واجب ہے اور سب سے بڑی تعظیم یہ ہے کہ سب سے اچھے حال اور کیفیت میں اس کی طرف رخ کیا جائے ایک خاص جہت (قبلہ) کی طرف رُخ کر کے کھڑا ہونا بھی اللہ تعالیٰ کے شعائر میں سے ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ نمازی کے اندر انابت اور خشوع خضوع کی کیفیات و صفات پیدا ہوں اور وہ محسوس کرے کہ وہ ایک غلام کی طرح آقا کے حضور میں سر تسلیم خم کئے مؤدب کھڑا ہے اور اسی لئے اس کو نماز کی شرط قرار دیا گیا ہے[1]"

اس حکیمانہ قانون (استقبال قبلہ) نے عالمی سطح پر ایک ایسی فکری و روحانی وحدت پیدا کر دی ہے

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۳۶

جس کی کوئی نظیر نہیں، اور جس کا ملی اتحاد، قلب و روح کی ہم آہنگی، جمعیت قلبی اور ایک رخ پر اپنی ساری توجہ مرکوز کرنے میں بڑا اہم حصہ ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں :۔

"نماز میں ایک ایسی چیز کی طرف رضا و تقرب الٰہی کے جذبہ سے رخ کرنا جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص کر دی گئی ہے، جمعیت خاطر، خشوع خضوع اور حضوری قلب پیدا کرنے کا بہت مفید ذریعہ ہے، اور اس میں وہ انداز پایا جاتا ہے، جو بادشاہ کے سامنے کھڑے ہونے والے کا ہوتا ہے"

وہ کہتے ہیں :۔

"دل کی توجہ چونکہ ایک پوشیدہ چیز تھی، اس لئے (اس کی علامت کے طور پر) رخ کو بیت اللہ کی طرف کرنا اس کا قائم مقام قرار دیا گیا ہے، اور اس کو وضو ستر عورت اور پاکی ہی کی طرح شرط قرار دیا گیا ہے، چونکہ تعظیم امر خفی اور دل کا فعل ہے، اس لئے جسم کی وہ ظاہری حرکات و سکنات جن کو شاہی آداب میں شمار کیا جا سکتا ہے، اور بادشاہوں کے حضور میں ان کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے، اس تعظیم کا ثبوت اور اس کا قائم مقام قرار دیا گیا"[1]

تکبیر اور اس کے آفاق

نماز کو تکبیر یعنی اس متعین اور ماثور کلمہ سے شروع کرنے کا حکم ہے جس کو "اللہ اکبر" کہا جاتا ہے، یہ وہ بلیغ، واضح، فیصلہ کن اور ہر عہد، ہر ملک اور ہر معاشرہ کے لئے قابل فہم کلمہ ہے، جس کے سامنے بڑے بڑے ظالم حکمراں، دیو پیکر انسان اور خود انسانوں کے تراشے ہوئے بت خاک کا ڈھیر بن جاتے ہیں اور ان کی جھوٹی خدائی کا طلسم پاش پاش ہو جاتا ہے، شرط یہ ہے کہ کہنے والے نے اس کو فہم و شعور اور

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۷۳

www.abulhasanalinadwi.org

یقین واعتقاد کے ساتھ ادا کیا ہو اور خدائی عظمت کے مدعی اس کے معنی سمجھتے ہوں اور جانتے ہوں کہ اس کی چوٹ کہاں کہاں اور کس کس پر پڑتی ہے، دراصل یہ پتھر کے بت جن کی عبادت کی جاتی ہے یہ ہستیاں جن کو دیوتا سمجھا جاتا ہے ان اشیاء کو جن کو مقدس قرار دیا جاتا ہے اور کائنات کی ان قوتوں کی جن کے سامنے انسان اپنا سر جھکانے لگتا ہے اور وہ حکام اور سیاسی رہنما جن کی آنکھ بند کر کے اطاعت کی جاتی ہے اور جن کے حکم کو بے چوں وچرا تسلیم کرنا ضروری قرار دیا جاتا ہے ان سب کے درمیان قدر مشترک عظمت وکبریائی، تفوق وترفع اور استعلاء واستیلاء کا جذبہ ہے، یہ بلیغ، مختصر لیکن انقلاب آفریں کلمہ جس کا قرآن مجید میں "وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ" (اپنے رب کی بڑائی بیان کرو) کے ذریعہ حکم دیا گیا ہے ان تمام دعووں اور دعوتوں، خود فریبیوں اور فریبوں، اوہام وخرافات اور مظاہر وجہالتوں کے طلسم کو پاش پاش کر دیتا ہے اس کے ایک ایک جز کی نفی کرتا ہے اور ظلم وفساد کے ایک ایک مرکز کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکتا ہے۔

اس شہادت کی اہمیت اور تاریخ میں اس کے کارنامے

جب آدمی صدق دل سے اس کلمہ پر ایمان لاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی کی شہادت دیتے ہوئے "اللہ اکبر" کہتا ہے اور یہ عقیدہ اس کے دل کی گہرائیوں میں اتر جاتا اور رگ وریشہ میں سما جاتا ہے تو اس وقت اس کی نظر میں بڑے بڑے بادشاہوں، ملکوں کے سربراہوں اور مطلق العنان حکمرانوں کی ساری عظمت وشوکت ہیچ ہو جاتی ہے، بلکہ خاک میں مل جاتی ہے ان کا رعب اس کے دل سے بالکل نکل جاتا ہے اور وہ اس کی نگاہ میں حقیر جانوروں یا انسانی تصویروں اور معمولی گڑیوں اور کھلونوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے، وہ ان کی دولت وسطوت کے مظاہر سے وہ معاملہ کرتا ہے جو کوئی بلند قامت انسان بونوں کے ساتھ یا کوئی بزرگ ومربی اپنے شاگردوں اور چھوٹے بچوں کے ساتھ کرتا ہے۔

صحابہ کرام نے جاہ واقتدار اور دولت وثروت کے مظاہرہ اور نمائش کے خلاف جو طرز عمل

www.abulhasanalinadwi.org

اختیار کیا اور جس سے ان چیزوں کی بے وقعتی کھل کر ظاہر ہوئی اس کی بہ کثرت مثالیں اور واقعات تاریخ کے ذخیرہ میں محفوظ ہیں۔

مؤرخ ابن کثیر لکھتے ہیں:۔

"حضرت سعدؓ نے ربعی بن عامر کو ایرانی افواج کے سپہ سالار رستم کی طرف قادسیہ میں قاصد بنا کر بھیجا، رستم کا دربار اس سے پہلے خوب آراستہ کیا گیا، ریشمی پردوں اور گدوں، ہیرے یاقوت اور دوسرے قیمتی ہیروں اور موتیوں کی خوب نمائش کی گئی تھی، رستم کے سر پر تاج اور بہت قیمتی پوشاکیں تھیں، وہ ایک سونے کے تخت پر بیٹھا ہوا تھا، ربعی بن عامر اپنے پرانے کپڑوں اور تلوار و ڈھال کے ساتھ ایک پستہ قد گھوڑے پر سوار دربار میں داخل ہوئے، اور فرش اور قالین کے ایک حصہ کو روندتے ہوئے آگے بڑھ گئے، پھر اترے اور انھیں گاؤ تکیوں میں سے ایک میں گھوڑے کو بے تکلف باندھ دیا، پھر ہتھیار لگائے زرہ پہنے اور سر پر خود لگائے ہوئے رستم کی طرف بڑھے، ان سے کہا گیا کہ ہتھیار رکھ دیں، انھوں نے جواب دیا کہ میں خود سے تمہارے پاس نہیں آیا ہوں، تمہارے بلانے پر آیا ہوں، مجھ کو اسی طرح چھوڑتے ہو تو خیر ورنہ میں واپس جاتا ہوں، رستم نے کہا کہ "اجازت است" وہ اسی قالین پر اپنا نیزہ ٹیکتے ہوئے آگے بڑھے جس کی وجہ سے اس کا بڑا حصہ پھٹ گیا۔"[1]

اس طاقتور عقیدہ اور ایمان و یقین کی بدولت اسلامی تاریخ کے ہر دور میں ایسے محیر العقول واقعات پیش آئے، اور ان لوگوں میں ایسی غیر معمولی اور خارق عادت قوتیں پیدا ہو گئیں کہ وہ سلاطین و امراء سے اس طرح کا معاملہ کرنے لگے جو بہت سے لوگ فقراء اور ضعفاء سے بھی نہیں کر سکتے، سلطنت کی جاہ و حشمت ان کے سامنے حباب کی طرح تحلیل ہو گئی اور ان کی نظر میں اس کی کوئی قیمت باقی نہ رہی، شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلام کے ایک رفیق "الباجی" نے ایمان کی اس قوت اور اخلاقی جرأت کا

---

[1] البدایہ والنہایہ۔ ج ۷، ص ۹

www.abulhasanalinadwi.org

ایک واقعہ اپنی کتاب میں قلمبند کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں :۔

"ہمارے شیخ عزالدین ایک مرتبہ سلطان[1] کے پاس قلعہ گئے، عید کا دن تھا، انھوں نے دیکھا کہ دربار لگا ہوا ہے، اور لشکر بادشاہ کے سامنے ایستادہ ہے، سلطان اپنی پوری شوکت و عظمت اور زینت کے ساتھ موجود ہے، امراء سلطان کے سامنے تعظیماً زمین بوس ہیں، شیخ سلطان کی طرف متوجہ ہوئے، اور ان کا نام لے کر پکارا "ایوب" اللہ کے سامنے تم کیا جواب دو گے اگر اس نے یہ پوچھا کہ ہم نے تجھ کو مصر کی فرمانروائی عطا کی اور تو شراب جائز کرتا ہے، سلطان نے کہا کیا ایسا ہوا ہے، شیخ نے کہا کہ ہاں فلاں دکان پر شراب فروخت کی جاتی ہے، اور دوسرے منکرات ہوتے ہیں، اور تم اپنے عیش و آرام میں پڑے ہو، یہ سب باتیں بہت بلند آواز سے کہتے رہے اور لشکری اسی طرح مودب کھڑے رہے، اس نے جواب میں کہا کہ یہ میرا کیا ہوا نہیں ہے، یہ سلسلہ تو میرے والد کے زمانہ سے قائم ہے، شیخ نے جواب دیا کہ کیا آپ ان لوگوں میں ہیں جو کہتے ہیں "اِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلٰی اُمَّةٍ" کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریقہ پر پایا، یہ سنتے ہی سلطان نے اس دکان کو بند کر دینے کا فرمان جاری کر دیا، جب شیخ سلطان کے پاس سے واپس آئے اور یہ خبر مشہور ہوئی تو میں نے شیخ سے ماجرا پوچھا، انھوں نے جواب دیا کہ میرے عزیز، جب میں نے اس کو شوکت و عظمت میں دیکھا تو مجھے خیال آیا کہ اس کی بھلائی اسی میں ہے کہ اس کی تھوڑی سی تذلیل کی جائے، ورنہ اس کا نفس موٹا اور سرکش ہو کر اس کو نقصان پہونچائے گا، میں نے کہا کہ آپ کو کچھ ڈر نہیں لگا، فرمایا خدا کی قسم جب میں نے اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کی ہیبت و شان کا استحضار کیا تو مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میرے سامنے کوئی بلا بیٹھا ہو"[2]

ایمان و عقیدہ اور دعوت و عزیمت کی یہ تاریخ اپنے آپ کو ہر ملک اور ہر دور میں برابر دہراتی رہی،

---

[1] اس سے مراد سلطان مصر الملک الصالح نجم الدین ایوب (م ۶۴۷ھ) ہیں۔ [2] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۵ ص ۸۲

www.abulhasanalinadwi.org

شیخ محمد بن مبارک کرمانی (م ۷۵۷ھ) اسی قسم کا واقعہ بیان کرتے ہوئے اپنی کتاب "سیر الاولیا" میں لکھتے ہیں:

"ایک مرتبہ سلطان محمد تغلق نے شیخ قطب الدین منور کو دہلی طلب کیا، انھوں نے بادشاہ کو تعظیمی سلام نہیں کیا تھا، اس پر سرزنش اور عتاب مقصود تھا، جب وہ دربار میں داخل ہوئے اور ایوان شاہی میں پہونچے تو دیکھا تمام امراء، وزراء اور حکام اور درباری ہتھیار لگائے ہوئے مودب اور باوقار انداز میں کھڑے ہیں، اور شوکت سلطانی سے لرزہ براندام ہیں، ان کے ساتھ ان کے صاحبزادے نورالدین بھی تھے، جو اس وقت کم سن تھے، اور انھوں نے ایسا منظر کبھی نہیں دیکھا تھا، وہ دیکھ کر ڈر سے گئے اور مرعوب ہوئے، شیخ قطب الدین نے یہ دیکھ کر بہت بلند آواز کے ساتھ ان سے کہا کہ بابا نورالدین! العظمۃ اللہ، انور الدین بیان کرتے ہیں کہ یہ آواز سنتے ہی میں نے اپنے اندر ایک عجیب قوت محسوس کی، ساری ہیبت یک لخت کافور ہوگئی اور مجھے ایسا محسوس ہوا کہ یہ انسان نہیں ہیں بلکہ بھیڑ بکری ہیں۔"[1]

نماز کے افتتاح کے اذکار اور دعائیں

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نماز کا آغاز جن اذکار اور دعاؤں سے کرتے تھے، ان کو دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ وہ اخلاص و توحید، تقدیس و تمجید، انابت الی اللہ اور اس کے دربار عالی میں عاجزی و درماندگی کے اظہار و اعتراف کے سوا کچھ نہیں۔

احادیث صحیحہ سے جو اذکار ثابت ہیں، ان پر نظر ڈالنے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے، نماز کا افتتاح اور آغاز ان دعاؤں سے ہوتا ہے:۔

(۱) سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ — اے اللہ تو پاک ہے اپنی تعریفوں کے ساتھ تیرا نام بابرکت ہے،

---

[1] سیر الاولیا ص ۳۵۳-۳۵۵

www.abulhasanalinadwi.org

وَتَعَالٰی جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ۔ — اور تیرا رتبہ بڑا ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

(۲) اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ، اَللّٰهُمَّ نَقِّنِيْ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ، اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَايَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ (۳) اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا، سُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا، اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ۔

اے اللہ میرے اور میرے گناہوں کے درمیان وہ فاصلہ کردے جو مشرق و مغرب میں ہے، اے اللہ مجھے خطاؤں سے ایسا پاک کردے جیسا کہ سفید کپڑا میل سے، اے اللہ میری خطاؤں کو پانی، برف اور اولہ کے شفاف پانی سے دھودے اللہ ہی بڑا ہے، تمام تعریفیں زیادہ سے زیادہ اسی کی ہیں، خدا کی تعریف صبح و شام ہے، اے اللہ میں شیطان مردود کے چھیڑنے پھونکنے اور تھوکنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

اس کے بعد شیطان سے پناہ مانگی جاتی ہے اور نماز کی حفاظت، قرآن مجید کی تعظیم اور نماز کو شیطان کے شرور و مکائد سے محفوظ رکھنے کے لئے بسم اللہ سے اس کا آغاز ہوتا ہے اور اس فرمان الٰہی کی تعمیل کی جاتی ہے "وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ"

سورۂ فاتحہ کا جمال و جامعیت اور زندگی پر اس کا اثر

اب سورۂ فاتحہ پر غور کیجئے، یہ سورہ آسمانی معجزات کا ایک لعل بے بہا اور قرآن مجید کی آیات بینات کا ایک بے مثال شہ پارہ ہے، اگر ساری دنیا کے ذہین اور ساری قوموں کے ادیب و انشاپرداز، ماہرین نفسیات معلمین اخلاق اور روحانی پیشوا یکجا ہو کر کوئی ایسا مضمون تیار کرنا چاہیں جو تمام انسانی طبقات کے لئے ان کی ضرورتوں اور خواہشات کے اختلاف کے باوجود کافی ہو اور وہ اس کے ذریعہ اپنی عبادتوں میں اپنے مافی الضمیر کو مکمل طور پر ادا کر سکیں تو وہ سورۂ فاتحہ جیسا مضمون تیار نہیں کر سکتے جو ہر انسانی گروہ اور فرد کی تسکین کے لئے کافی ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ	آپ کہہ دیجئے کہ اگر (کل) انسان و جنات اس بات
يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ	کے لئے جمع ہو جائیں کہ اس جیسا قرآن لے آئیں
وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝	(جب بھی) اس جیسا نہ لا سکیں گے اور خواہ ایک
(سورۂ بنی اسرائیل۔ ۸۸)	دوسرے کے مددگار بھی بن جاویں۔

دوسری جگہ اس سورہ کے متعلق ارشاد ربانی ہے :۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ	اور بالیقین ہم نے آپ کو (وہ) سات آیتیں دیں
الْعَظِيْمَ ۝ (سورۂ حجر۔ ۸۷)	(جو) مکرر (پڑھی جاتی ہیں) اور قرآن عظیم (دیا)

یہ سورہ حمد سے شروع ہوتی ہے جو شکر و تعریف کا جامع کلمہ ہے اور ان معجزانہ اور بلیغ کلمات میں سے ہے، جن کا کسی اور زبان میں صحیح ترجمہ بے حد مشکل بلکہ ناممکن ہے۔

حمد ہی وہ بہترین وسیلہ ہے جس کے ذریعہ ایک وفا شعار اور محسن شناس بندہ اپنی دعا و مناجات کا آغاز اور اس مقام محمود اور قیام و سجود (نماز) کا افتتاح کر سکتا ہے۔

پھر نمازی یہ محسوس کرتا ہے کہ جس رب کی حمد و ثنا وہ بیان کر رہا ہے اور جس کی عبادت میں مشغول ہے وہ صرف کسی قبیلہ اور قوم کسی خاندان اور برادری اور کسی ملک و وطن کا رب نہیں، بلکہ رب العالمین ہے، یہ انقلاب آفریں اور نیا عقیدہ ان تمام مصنوعی اور خود ساختہ تقسیموں کے خلاف اعلانِ جنگ ہے، جنھوں نے انسانیت پر ظلم عظیم کیا ہے، اس طرح مسلمان دو وحدتوں کا اعلان کرتا ہے، اور ان ہی دونوں وحدتوں پر انسانی معاشرہ کے امن و سکون کی بنیاد ہے، اور انھیں دونوں ستونوں پر اسلام انسانیت کی تعمیر نو کا کام انجام دیتا ہے، ایک نوع انسانی کے خالق و صانع کی وحدت اور ایک نسل انسانی کے بانی و مورث کی وحدت اس طرح رنگ و نسل اور ملک و وطن کی تفریق کے بغیر نسل انسانی کی وحدت ثابت ہوتی ہے، اس لئے کہ ہر انسان دوسرے انسان سے دو ہر ارشتہ رکھتا ہے، ایک روحانی اور حقیقی طور پر، وہ یہ کہ ان سب کا

www.abulhasanalinadwi.org

رب ایک ہے، دوسرے جسمانی وثانوی طور پر وہ یہ کہ وہ سب ایک باپ کی اولاد ہیں:۔

يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ
مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا
وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا
اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ
اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ۝
(سورۂ نساء-۱)

اے لوگو! اپنے پروردگار سے تقویٰ اختیار کرو جس نے تم (سب) کو ایک ہی جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بکثرت مرد اور عورتیں پھیلا دیئے اور اللہ سے تقویٰ اختیار کرو جس کے واسطے سے ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور قرابتوں کے باب میں بھی (تقویٰ اختیار کرو) بیشک اللہ تمہارے اوپر نگراں ہے۔

يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ
وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ
أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ
خَبِيرٌ ۝ (سورۂ حجرات-۱۳)

اے لوگو! ہم نے تم (سب) کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور مختلف قومیں اور خاندان بنا دیا ہے کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو، بیشک تم میں سے پرہیزگار تر اللہ کے نزدیک معزز تر ہے، بیشک اللہ خوب جاننے والا ہے پورا خبردار ہے۔

اس حکم اور اصول کی شرح وتفصیل میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کا تعصب اور آباؤ اجداد کا فخر تم سے دور فرما دیا ہے اب صرف (دو قسم کے لوگ ہیں) پرہیزگار مسلمان یا بدنصیب فاسق وفاجر، سب انسان آدم کے بیٹے ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے تھے، کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت حاصل نہیں، مگر تقویٰ کے ساتھ"[1]

نمازی اللہ تعالیٰ کی ان بہترین صفات کریمہ میں سے جن پر وہ پہلے ہی ایمان لا چکا ہے سب سے پہلے اس کی صفت رحمت کا استحضار کرتا ہے اس لئے کہ اس موقع اور محل کے لئے اس سے بہتر صفت کوئی اور

---

[1] ترمذی ودیگر صحاح

www.abulhasanalinadwi.org

نہیں ہوسکتی، یہ وہ موقع ہے، جب مسلمان خشوع و عبادت، دعا و ابتہال، توبہ و انابت اور احتیاج و فقر کا استحضار کرتے ہوئے خدا کے حضور سربسجود ہوتا ہے، یہ امید اور خوش گمانی کا موقع ہے نہ کہ ناامیدی و بدگمانی کا، اس کے بعد وہ آخرت اور جزا و سزا کا دن یاد کرتا ہے، وہ دن جس میں اللہ تعالیٰ کی حکومت مطلقہ اور اقتدار اعلیٰ اپنی پوری شان کے ساتھ جلوہ گر ہوگا اور کسی بادشاہ، امیر اور وزیر کو اس کے حضور میں دم مارنے کا یارا نہ ہوگا۔

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ — آج کے روز کس کی حکومت ہے؟ بس اللہ واحد و غالب ہی کی ہے۔ (سورۂ مومن۔١٦)

اس وقت وہ اپنے دل میں آخرت کے اس ایمان کو از سر نو تازہ کرتا ہے، جو ہر خوف، باز پرس کے ڈر اور نفس اور ضمیر کی نگرانی کا سرچشمہ ہے، ایک مسلمان کو جو ترغیبات سے بھری ہوئی دنیا میں رہتا ہے، اس ایمان اور یقین کی جو شدید ضرورت ہے، اس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔

پھر وہ عربی زبان کے (جس میں قرآن مجید نازل کیا گیا اور جس کو نماز کی عالمی اور سرکاری زبان قرار دیا گیا) پورے زور کلام اور بلیغ انداز میں یہ کہتا ہے کہ "وہ نہیں عبادت کرتا کسی کی سوائے اللہ کے اور نہیں مدد چاہتا کسی سے سوا اس کے"[1] زندگی دراصل عبادت و استعانت کا دوسرا نام ہے، اسی سے ایک انسان دوسرے انسان سے، کمزور کا طاقتور سے، غریب کا امیر سے، محکوم کا حاکم سے اور عابد کا معبود سے رشتہ قائم ہوتا ہے، اگر یہ دونوں چیزیں صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص کردی جائیں تو زندگی کے سارے بندھن اور آہنی زنجیریں خود بخود پاش پاش ہوجائیں گی اور شرک اور دوسرے تمام فتنے ختم ہوجائیں گے، وہ یہ سب سے بڑا معاہدہ اور اعلان ہے جو مسلمان اپنے خدا سے دن رات میں بار بار کرتا ہے، اس کو دیکھنا چاہئے کہ

---

[1] ضمیر منصوب منفصل کی تقدیم حصر و تاکید کے فوائد اور نحو و بلاغت کے دوسرے دقیق نکتوں تک رسائی کے لئے تفسیر، نحو اور بلاغت کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے۔

www.abulhasanalinadwi.org

وہ کیا کہہ رہا ہے، نماز سے باہر زندگی کا سارا نظام اس کو دو چیزوں پر ہمہ وقت مجبور کرتا ہے ایک خضوع واستکانت پر دوسرے سوال واستعانت پر اور یہی وہ دو چیزیں ہیں جن کے خلاف وہ پہلے ہی بغاوت کر چکا ہوتا ہے۔

پھر وہ اللہ تعالیٰ سے صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کی دعا کرتا ہے، یہ وہ ہدایت ہے جو اس کی سب سے بڑی ضرورت ہے، اور جس کے دم سے جنت کی رونق قائم ہے وہ ہدایت جس سے محروم ہو جانے کے بعد کسی چیز کی کوئی قیمت نہیں، اور اس سے بہرہ اندوز ہونے کے بعد کسی چیز کے چھوٹنے کا کوئی غم نہیں اس کی طلب وجستجو انسان کی فطرت میں داخل اور اس کی آرزو قلب و روح میں پیوست ہے لیکن یہ ہدایت خلا میں قائم نہیں ہو سکتی، یہ اسی وقت قابلِ فہم اور قابلِ عمل ہو سکتی ہے جب اس کے زندہ اور عملی نمونے ہماری نگاہوں کے سامنے ہوں، یہ وہ لوگ ہیں، جن کو ہم تاریخ انسانیت میں انبیاء و صدیقین، شہداء و صالحین کے نام سے یاد کرتے ہیں، قرآن مجید اور تمام گذشتہ آسمانی صحیفوں نے دنیا کے عام انسانوں کو ان کی پیروی وتقلید ان کی محبت واطاعت، ان کی جماعت میں شمولیت اور ان کی طرف اپنا انتساب کرنے کی دعوت دی ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ	یہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی تھی سو آپ بھی
اقْتَدِهْ۔ (سورۂ انعام ۔ ۹۰)	ان کے طریقہ پر چلئے۔

اور اسی کے ساتھ ان لوگوں سے برأت اور بے تعلقی کا مطالبہ کیا ہے، جو ہدایت کی راہ سے ہٹ کر ناشکری، ہوا پرستی اور تباہی وخودکشی کے راستہ پر پڑ گئے، جنھوں نے سرکشی اور انتہا پسندی کی حد کر دی اور غضب الٰہی کے مورد قرار پائے، یا دین میں تحریف، تفریط اور ترمیم وتنسیخ کے مرتکب ہوئے اور کھلی ہوئی گمراہی کے شکار ہوئے :۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ	چلا ہم کو سیدھا راستہ، ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے
اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ	انعام کیا ہے، نہ ان لوگوں کا (راستہ) جو زیرِ غضب
وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ (سورۂ فاتحہ ۔ ۵ ۔ ۶ ۔ ۷)	آچکے ہیں اور نہ بھٹکے ہوؤں کا۔

www.abulhasanalinadwi.org

سورۂ فاتحہ کے بعد قرآن مجید کے کسی ایسے حصہ کی تلاوت کا حکم ہے جو یاد ہو اور آسانی سے ذہن میں آجائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ"[1] اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ معانی و کیفیات اچھی طرح دل نشین ہو جائیں، ان کو مزید قوت اور غذا حاصل ہو، ان کی اچھی طرح تشریح و تفصیل ہو سکے اور ان کی جڑیں گہری اور مضبوط ہو جائیں، اس لئے کہ نماز عبادت بھی ہے اور تعلیم بھی۔

تدریجی اور فطری عبادت

نمازی سجدہ کی طرف بہت تدریجی طور پر بڑھتا ہے، وہ نماز کا آغاز قیام سے کرتا ہے، رکوع میں وہ دُہرا ہو جاتا ہے، ایک لمحہ کے لئے پھر کھڑا ہو جاتا ہے، اور اس کے بعد سجدہ کرتا ہے، یہ اس لئے ہے تاکہ نفس میں خشوع و خضوع اور احساس ذلت کی کیفیت زیادہ پیدا ہو سکے، اور اس کے احساس تمکنت کو اور چوٹ پہونچے[2]، اسی طرح تعظیم و تمجید کے الفاظ میں وہ "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ" کہتا ہے لیکن جب ذلت و عبودیت، شکستگی و خود فراموشی کے آخری درجہ پر پہونچتا ہے یعنی اپنے جسم کے سب سے معزز حصہ کو کائنات کی سب سے حقیر چیز مٹی پر رکھ دیتا ہے، جو پیروں سے روندی جاتی ہے، اور ذلت و پستی میں ضرب المثل ہے، تو اس وقت وہ خدا کی عظمت و علو کا آخری کلمہ "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى" کہتا ہے، اس اعلان اور بیان کی عظمت، نمازی کی اس ہیئت اور اس جگہ کی عظمت کے ساتھ مل کر اور دوبالا ہو جاتی ہے، وہ دونوں سجدوں کے درمیان چند لمحوں کے لئے بیٹھنا بھی ہے، تاکہ دوسرے سجدہ کے لئے نیا نشاط اور نیا جذبہ حاصل ہو سکے، غفلت کی کوئی تہ اگر اس کے دل پر جم گئی ہو تو وہ ہٹ جائے اور اس کو اس نئے سجدہ میں نئی لذت اور نئی قوت محسوس ہو۔

---

[1] سورۂ مزمل ۔ ۲۰ [2] حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ رکوع و سجود کے درمیان قیام کی حکمت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "اس سے وہ فرق نمایاں ہوتا ہے جو انحنا (جو سجدہ کا پیش خیمہ ہے) اور رکوع (جو سر کی تعظیم ہے) میں پایا جاتا ہے"۔

www.abulhasanalinadwi.org

سجدۂ شوق

یہ وہ سجدۂ شوق ہے جس سے رسم ورواج، دستور وقیاس اور عادات ومالوفات کے وہ سارے خودساختہ بندھن پاش پاش ہوجاتے ہیں جنھوں نے انسان کو جکڑ رکھا ہے، وہ اپنی پیشانی اور اپنا چہرہ خدا کے حضور میں خاک آلود کرتا ہے اور زمام کار تھوڑی دیر کے لئے دل کے حوالہ کردیتا ہے، اب نہ عبودیت وتذلل، انابت ودل شکستگی اور خشوع وخضوع کی کوئی حد ہوتی ہے، نہ آنسوؤں پر کوئی پابندی، اس وقت اس کے دل کا پیمانہ چھلکنے لگتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس کے سینہ میں کوئی طوفان برپا ہے، جو باہر نکلنے کے لئے بیتاب ہے، صحابۂ کرام حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ آپ کے سینۂ مبارک سے ایسی آواز نکلتی تھی جیسے دیگچی چولھے پر چڑھادی گئی ہو اور وہ کھول رہی ہو[1]، عمرو بن العاصؓ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ کسوف کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں "آپ نے سجدہ کے آخر میں بہت طویل سانس لی اور فرمایا اُف اُف، پھر فرمایا پروردگار کیا تو نے مجھ سے یہ وعدہ نہیں کیا کہ اگر میں ان میں موجود ہوں گا تو ان پر عذاب نازل نہ کرے گا، کیا تو نے یہ وعدہ نہیں کیا کہ جب تک وہ استغفار کرتے رہیں گے تو ان کو عذاب میں مبتلا نہ کرے گا"[2]

سجدہ پوری نماز میں خدا کے قرب کی سب سے آخری شکل ہے، اور خدا کو سب سے زیادہ محبوب و پسندیدہ ہے، حدیث صحیح میں آتا ہے کہ:-

اقرب ما یکون العبد من ربہ وھو	بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب سجدہ میں
ساجد فاکثروا الدعاء۔	ہوتا ہے اس لئے اس میں خوب دعا کرو۔

چنانچہ نمازی اس قیمتی موقع کو غنیمت جانتا ہے، اور اپنا کلیجہ نکال کر خدا کے سامنے رکھ دیتا ہے

---

[1] ابوداؤد وترمذی (روایت عبداللہ بن شخیر) [2] ابوداؤد ونسائی۔

www.abulhasanalinadwi.org

اور زبان قال یا زبان حال سے یوں گویا ہوتا ہے[1]:-

اللھم انك تسمع كلامي وترى مكاني وتعلم سرّي وعلانيتي لا يخفى عليك شئ من امري وانا البائس الفقير المستغيث المستجير الوجل المشفق المقرّ المعترف بذنبي، اسألك مسألة المسكين، وابتهل اليك ابتهال المذنب الذليل وادعوك دعاء الخائف الضرير ودعاء من خضعت لك رقبته وفاضت لك عبرته وذل لك جسمه ورغم لك انفه۔

اے اللہ تو میری بات کو سنتا ہے اور میری جگہ کو دیکھتا ہے اور میرے پوشیدہ وظاہر کو جانتا ہے تجھ سے میری کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی، میں مصیبت زدہ ہوں، محتاج ہوں، فریادی ہوں، پناہ جو ہوں ترساں ہوں، ہراساں ہوں، اپنے گناہوں کا اقرار کرنے والا ہوں، اعتراف کرنے والا ہوں، تیرے آگے سوال کرتا ہوں جیسے بیکس سوال کرتے ہیں تیرے آگے گڑگڑاتا ہوں جیسے گناہگار ذلیل وخوار گڑگڑاتا ہے اور تجھ سے طلب کرتا ہوں جیسے خوف زدہ آفت رسیدہ طلب کرتا ہے اور جیسے وہ شخص طلب کرتا ہے جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہوئی ہو اور اس کے آنسو بہہ رہے ہوں اور تن بدن سے وہ تیرے آگے فروتنی کئے ہوئے ہو اور اپنی ناک تیرے سامنے رگڑ رہا ہو، اے اللہ تو مجھے اپنے سے دعا مانگنے میں ناکام نہ رکھ اور میرے حق میں بڑا مہربان اور نہایت رحیم ہو جا۔

---

[1] فقہائے احناف کے یہاں اس طرح کی دعائیں نوافل کے سجدوں میں درست ہیں فرائض کے سجدوں میں ان کے نزدیک صرف تسبیح "سبحان ربی الاعلیٰ" ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

یہ وہ سجدہ ہے، جس سے کسی زمانہ میں پہاڑ تھرا اٹھتے تھے، زمین کانپ جاتی تھی، اور بڑے بڑے جابر بادشاہوں اور مطلق العنان حکمرانوں کی گردنیں اس کی قوت و طاقت کے سامنے جھک جاتی تھیں اس امت کی مجاہدانہ سرگرمیوں، مہم جوئیوں اور آزمائشوں میں اس عاشقانہ اور والہانہ سجدہ نے اس کی بار بار دستگیری کی ہے، اور اس کے عجیب اور حیرت انگیز واقعات، تاریخ اسلام میں محفوظ ہیں، کتنے بار اس نے تاریخ کے دھارے بدل دیئے ہیں، کتنی مرتبہ اس سے قوموں کی قسمت پلٹ گئی ہے، ہر بیت خود وہ جماعت فتحیاب ہوگئی ہے، اور غالب مغلوب نظر آنے لگا ہے۔

نماز میں درود کی حیثیت اور اس کی حکمت

نمازی اپنے قیام، رکوع و سجود اور نماز کے دوسرے اجزا کی تکمیل کے بعد قعدۂ اخیرہ میں تشہد پڑھتا ہے، اور اس کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجتے ہوئے کہتا ہے "السلام علیك ایها النبی ورحمة الله وبركاته" پھر اللہ تعالیٰ سے اس کی التجا کرتا ہے کہ اپنے نبیؐ پر اپنی رحمتوں اور برکتوں کی بارش فرمائے "اللهم صل علی محمد وعلی آل محمد كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم انك حميد مجيد"

انبیاء کرام ہر زمانہ میں خدا اور خلق کے درمیان ہدایت کا واسطہ اور ذریعہ ہوتے ہیں، انہی کے ذریعہ انسانوں کو خدا کی ذات و صفات کی صحیح معرفت ہوتی ہے، اور ان کو خدا کا پاک نام لینے اور عمل صالح کی توفیق ملتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اہل جنت داخلۂ جنت کے وقت خدا کی حمد بیان کرتے ہوئے صرف اتنا ہی نہیں کہیں گے کہ:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۫ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ۔ (سورۂ اعراف ۔ ۴۳)	شکر ہے اس خدا کا جس نے ہم کو یہاں تک پہونچایا اور ہم یہاں تک پہونچنے والے نہ تھے اگر اللہ ہماری رہبری کا سامان نہ کرتا۔

www.abulhasanalinadwi.org

بلکہ اس کے ساتھ فوراً یہ بھی کہیں گے :۔

لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۔ بیشک ہمارے رب کے رسول پیغمبر حق لے کر آئے

(سورۂ اعراف ۔ ۴۳) (جو ہماری ہدایت کا ذریعہ بنا)

اس کا راز یہی ہے کہ ان کی ہدایت کا ذریعہ اور طبعی سبب یہی انبیاء کرام تھے اس دنیا کی جہالت و گمراہی اور آخرت کے عذاب اور تباہی سے نجات ان کو انھیں کے واسطہ سے حاصل ہوئی اور وہ اس کے بجا طور پر مستحق ہیں کہ وہ سارے انسان جن کی اصلاح و رہنمائی اور تعلیم و تربیت کے لئے انھوں نے اتنی زبردست کوششیں کیں اور قربانیاں دیں، اور جن کی کوششوں کے نتیجہ میں وہ ہدایت و معرفت اور عبادت و انابت کے اس درجہ پر پہونچے دل سے ان کا شکریہ ادا کریں، ان کو جو نماز کی توفیق ہوئی وہ بھی دراصل اسی پیغام و دعوت، زہرہ گداز اور روح فرسا جد و جہد اور ہوش ربا جہاد و قربانی کا نتیجہ ہے، جو انھوں نے انسانوں کے ہدایت کے لئے کی، احسان شناسی اور اعترافِ حق کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی نماز کو ختم کرنے سے پہلے اس حق کو ادا کرتے چلیں۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو دعوت الی اللہ، تبلیغ رسالت اور جہاد کے میدان میں جو رتبۂ عالی اور مقام محمود حاصل ہے وہ کسی اور کو حاصل نہیں آپ نے جس وقت اپنی دعوت و جہاد کا آغاز کیا اس وقت روئے زمین پر چند گنے چنے اشخاص ایسے تھے جو خدائے واحد کی عبادت کرتے تھے جزیرۂ عرب میں جہاں آپ کی بعثت ہوئی تھی، اللہ تعالیٰ کا ایک بھی عبادت کرنے والا ایسا نہ تھا جو شرک اور دوئی کے شائبہ کے بغیر صرف اسی کی عبادت کرتا اور اس کے سامنے اپنا سرِ تسلیم خم کرتا اور جبینِ نیاز جھکاتا ہو، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ خود خانۂ کعبہ کے اندر جو خدا کا پہلا گھر اور توحید کا سب سے بڑا مرکز تھا تین سو ساٹھ (۳۶۰) بت تھے، اور اہلِ جاہلیت کی عبادت و نماز کا رکن اعظم تالی پیٹنا اور سیٹی بجانا رہ گیا تھا۔

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً ۔ (سورۂ انفال ۔ ۳۵) اور (خود) ان کی نماز (ہی) خانہ (کعبہ) کے پاس کیا تھی بجز سیٹی بجانے اور تالی بجانے کے۔

www.abulhasanalinadwi.org

لیکن جب آپ اس دنیا سے تشریف لے گئے تو اپنے چمن نبوت کو برگ و بار لاتا دیکھ کر آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو چکی تھیں، آپ کی کوششوں سے اسلام باد و باراں کی طرح جزیرۂ عرب پر محیط ہو چکا تھا لوگ جوق در جوق دین اسلام میں داخل ہونے لگے تھے "وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا" عرب کے چپہ چپہ پر مسجدیں تعمیر ہو رہی تھیں، قریہ قریہ میں اذان کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں، مسلمان پروانہ وار نمازوں کے لئے ہجوم کرتے نظر آرہے تھے، آخری علالت میں جب آپ خود نماز پڑھانے سے معذور تھے، نمازیوں کی تعداد اور ان کی گرمجوشی میں کوئی فرق نہ آیا۔

کیا یہ نماز جو کروروں مسلمان آج مشرق و مغرب میں پڑھ رہے ہیں، آپ کا دیا ہوا تحفہ اور آپ کی دعوت و جہاد کا نتیجہ نہیں ہے؟ کیا ایک مسلمان کے لئے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کا حق ادا کرنے کے بعد یہ مناسب نہ ہوگا کہ وہ اس نماز کے اختتام پر جو سراپا تشکر و اعتراف ہے، اپنے نبیؐ کے لئے بھی سلام و رحمت اور برکت کی دعا کرے کہ یہ سب انھیں کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ اور ان کی جانفشانیوں کا فیض ہے۔

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پود انھیں کی لگائی ہوئی ہے[1]

اس کے علاوہ اس میں شرک سے حفاظت کا بھی ایک اہم پہلو ہے، ظاہر ہے کہ جو شخص اپنے نبیؐ کے لئے

---

[1] اقبالؔ نے اس مضمون کو بڑی خوبی سے ادا کیا ہے وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎

سوختی لات و منات کہنہ را — تازہ کردی کائنات کہنہ را
نے خدایا ساختیم از گل و خر — نے حضور کاہناں افگندہ سر
نے سجودے پیش معبودانِ پیر — نے طوافِ کوشک سلطان و میر
ایں ہمہ از لطف بے پایان تست — فکر ما پروردۂ احسان تست

(مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوام مشرق)

www.abulhasanalinadwi.org

اللہ تعالیٰ سے رحمت و برکت کا طلب گار ہوگا، اور یہ عقیدہ رکھے گا کہ یہ ان کے حق میں مفید اور باعث مسرت و برکت ہے اس کے دل میں یہ یقین اچھی طرح راسخ ہو جائے گا کہ دنیا میں کوئی ہستی بھی ایسی نہیں جو اللہ تعالیٰ کی رحمت، اس کے لطف و مغفرت، اس کے جود و عطا اور اکرام و انعام سے بے نیاز ہو یا ذات و صفات میں اللہ تعالیٰ کی شریک و ہمسر ہو[1]، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین اور سید الاولین والآخرین ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر رحمت و سلام بھیجنے کا تمام مسلمانوں کو حکم فرمایا ہے:۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ	بیشک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہیں
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا	اے ایمان والو تم بھی آپ پر رحمت بھیجا کرو اور
تَسْلِيْمًا ۝ (سورۂ احزاب۔ ۵۶)	خوب سلام بھیجا کرو۔

خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے اوپر درود و سلام بھیجنے کی ترغیب دی ہے اور اپنی امت سے اس کا مطالبہ کیا ہے، جیسا کہ احادیث صحیحہ سے (جو حدِ تواتر تک پہونچ چکی ہیں) پوری طرح ثابت ہے[2]۔

مومن کی خود اعتمادی اور اس کی جماعت اور گروہ کا تعین

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کا حق ادا کرنے اور اس نبی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے کے بعد نمازی کو بھی اس سلام و رحمت میں سے کچھ حصہ ضرور ملتا ہے جس کا وہ محتاج اور متمنی ہے، اور جو اسلام کا شعار اور مسلمانوں کا سلام ہے، وہ کہتا ہے "السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین" (سلامتی ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر) اس طرح اس کے مقام اور حیثیت کا تعین اور اظہار ہوتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر جگہ اور ہر دور میں صالحین کے ساتھ ہے اور سلام و اخوت اور سلامتی و رحمت میں ان کا شریک و برابر کا حصہ دار ہے،

---

[1] یہ خیال مولانا محمد منظور نعمانی کی کتاب "معارف الحدیث" جلد چہارم سے ماخوذ ہے۔ [2] صلوٰۃ و سلام کی احادیث، ان کے معانی و حکمتیں اور فوائد و لطائف کے موضوع پر علامہ ابن قیم کی کتاب "جلاء الافہام فی الصلوٰۃ والسلام علی خیر الانام" کا مطالعہ مفید ہوگا۔

www.abulhasanalinadwi.org

یہ بات اس میں امید و خود اعتمادی پیدا کرتی ہے، مایوسی و افسردگی اور (ماہرین نفسیات کی جدید اصطلاح میں) "احساس کہتری" کو زائل کرتی ہے، وہ اس کو اس امت کے دوسرے نمازیوں (جن میں بڑے بڑے علماء و فضلاء اور صالحین و اہل اللہ شامل ہیں) کے ساتھ ایک صف میں کھڑا کر دیتی ہے، اور سب کو ایک مرتبہ دیتی ہے۔

اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۚ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ — یہ لوگ اللہ کا گروہ ہیں، خوب سن لو کہ اللہ ہی کے گروہ

هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (سورۂ مجادلہ۔ ۲۲) — والے فلاح پانے والے ہیں۔

پھر نمازی اپنے لئے دعا کرتا ہے، اور عذاب جہنم، عذاب قبر، زندگی و موت کی آزمائشوں اور لعنت شیطان و المسیح الدجال کے فتنہ کے شر سے خدا کی پناہ چاہتا ہے[1]، اس لئے کہ یہ سب چیزیں اس قابل ہیں کہ ان سے خدا کی پناہ مانگی جائے، اور ان کے شر اور فتنہ سے حفاظت کی دعا کی جائے، حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نوحؑ کے بعد کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے اپنی قوم کو دجال سے نہ ڈرایا ہو اور میں بھی تم کو اس سے ڈراتا ہوں اور ہوشیار رہنے کی تلقین کرتا ہوں[2]"

نماز کا حسن اختتام

نماز کے اختتام پر سارے آداب و شرائط کو حسن و خوبی سے ادا کرنے کے بعد اور اس کے تمام حقوق

---

[1] مسلم نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے فرماتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ان کو یہ دعا اس طرح سکھاتے تھے جس طرح قرآن مجید سکھاتے تھے فرماتے تھے کہو "اللھم انی اعوذبک من عذاب جھنم واعوذبک من عذاب القبر واعوذبک من فتنۃ المسیح الدجال واعوذبک من فتنۃ المحیا والممات" حضرت ابوہریرہؓ سے یہ روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی تشہد سے فارغ ہو تو چار چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے، عذاب جہنم سے، عذاب قبر سے، زندگی و موت کے فتنہ اور مسیح دجال کے شر سے۔ [2] روایت ابو عبیدہ بن الجراحؓ (ترمذی و ابوداؤد) فتنۂ دجال کے موضوع پر تفصیل کے لئے مصنف کی کتاب "الصراع بین الایمان والمادیۃ" (عربی) "معرکۂ ایمان و مادیت" (اردو) ملاحظہ کی جائے۔

www.abulhasanalinadwi.org

کی تکمیل کے باوجود نمازی اپنی کوتاہی کا اعتراف کرتا ہے اور گویا زبان حال سے یہ کہتا ہے "ما عبدناك حق عبادتك" (ہم نے آپ کی ویسی عبادت نہ کی جیسا عبادت کرنے کا حق تھا) وہ نماز کا اختتام ان الفاظ پر کرتا ہے جو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو (جو آپ کے بعد امت میں افضل ترین شخص ہیں) تلقین فرمائے تھے:۔

اللھم انی ظلمت نفسی ظلمًا کثیرًا ولا	اے اللہ میں نے اپنے نفس پر بہت ظلم کیا ہے اور
یغفر الذنوب الا انت فاغفرلی مغفرۃ	تیرے سوا نہیں ہے کوئی ان گناہوں کو معاف کرنے
من عندك وارحمنی انك انت	والا پس تو اپنے خاص عفو و کرم سے مجھے معاف فرما اور
الغفور الرحیم۔[1]	مجھ پر رحم فرما، بیشک تو مغفرت کرنے رحم کرنے والا ہے۔

اس طرح اس افضل عبادت کا خاتمہ اعتراف تقصیر اور احساس ندامت پر ہوتا ہے اور کسی صحیفۂ اعمال کے خاتمہ کے لئے اس سے زیادہ مناسب و موزوں چیز کوئی اور نہیں ہو سکتی۔

وہ نماز کو اس طرح ختم نہیں کرتا جیسے وہ کسی قید میں تھا اور اب اس کو آزادی نصیب ہوئی ہے، یا کسی نے اس کو باندھ دیا تھا اور اب وہ رسیاں توڑ کر آزاد ہو گیا ہے، بلکہ بڑے اطمینان و وقار کے ساتھ اور بڑے خوشگوار پاکیزہ اسلوب میں اس کو ختم کرتا ہے، وہ دائیں بائیں اپنا منہ پھیرتا ہے، اپنے ساتھی نمازیوں پر، سب مسلمانوں پر اور ان فرشتوں پر جو اس موقع پر موجود اور گواہ ہوتے ہیں سلام بھیجتا ہے، اور کہتا ہے "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی اور عالم میں منتقل ہو گیا تھا اور حاضر و موجود سے اس کا کوئی تعلق باقی نہیں رہ گیا تھا، اب وہ پھر اپنی پہلی جگہ اور اپنی زندگی کے پہلے مرکز پر واپس آ گیا ہے، اور جو لوگ آس پاس ہیں ان کو سلام کر رہا ہے جیسے کسی سفر اور طویل غیر حاضری کے بعد واپس آنے والے کا معمول اور دستور ہے۔[2]

---

[1] صحیح بخاری [2] یہ نکتہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ "قبلہ نما" سے ماخوذ ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

حقیقی نماز کا غیر اللہ کی بندگی اور جاہلیت کی زندگی سے کوئی ربط نہیں

اخلاص اور خشوع و خضوع سے بھری ہوئی نماز کا (جس کو ایک مسلمان اس کی روح و حقیقت اور آداب و اوقات کا لحاظ رکھتے ہوئے ادا کرتا ہے) غیر اللہ کی بندگی سے کوئی جوڑ نہیں، دونوں میں کھلا ہوا تضاد ہے، وہ غیر اللہ کی عبادت سے (جس کے اہم مظاہر شرک و بت پرستی اور اوہام پرستی ہیں) اور غیر اللہ کی غلامی سے (جس کا مظاہرہ عام طور پر سلاطین و امراء، اہلِ ثروت و اقتدار اور حاکموں کی خوشامد، ان سے خوف، ان کو نفع و ضرر کا مالک سمجھنے، ظلم و زبردستی میں ان کا ساتھ دینے، عقیدہ و ضمیر کو نیلام پر چڑھا دینے کی شکل میں ہوتا ہے) کوئی میل نہیں کھاتی، اور کسی جگہ اور کسی موقع پر اس سے ہم آہنگ نہیں ہو سکتی۔

یہ بندگی اور غیر اللہ کی غلامی، نماز کے سارے ارکان، خدا سے نمازی کے عہد و پیمان اور نماز میں پڑھی جانے والی ساری چیزوں کے سراسر منافی اور ان سے برسرِ پیکار ہیں، وہ سب سے پہلے تکبیر تحریمہ "اللہ اکبر" کے منافی ہے جس سے وہ نماز کا آغاز کرتا ہے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ" کے منافی ہے، اس لئے کہ نہ اس کے سوا کوئی رب ہے نہ کوئی حمد کے لائق، وہ "اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ" کے منافی ہے اس لئے کہ عبادت و استعانت صرف اسی کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے، وہ رکوع و سجود کے بھی منافی ہے، اس لئے کہ جسمانی و روحانی اور ظاہری و باطنی دونوں قسم کے رکوع اور سجدے صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں کو نماز کی یہ حقیقت نصیب ہوئی وہ ملوک و سلاطین کے سامنے سب سے زیادہ بے باک، حق بات کہنے میں سب سے زیادہ جری اور پیش پیش، دنیا اور اسبابِ دنیا کے معاملہ میں سب سے زیادہ زاہد اور قناعت پسند، اور ظلم و گناہ کے ساتھ تعاون میں سب سے زیادہ دور تھے۔[1]

---

[1] ماضی قریب میں بھی اس کی بعض غیر معمولی مثالیں ملتی ہیں، حضرت سید احمد شہیدؒ کے ایک رفیق اور صحبت یافتہ کے متعلق تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ ان کو ایک مرتبہ ایک مسلمان طبیب کے پاس جانے کی نوبت آئی، بہت سن رسیدہ (باقی صفحہ پر)

www.abulhasanalinadwi.org

اخلاق و رجحانات پر نماز کا اثر

نماز اخلاق رذیلہ، برائی و بے حیائی کے کاموں اور وقتی لذت پسندی اور ہوس پرستی کو ختم کرنے میں جو تاثیر رکھتی ہے، وہ کلمۂ توحید کے سوا کسی اور چیز میں نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ	جو کتاب آپ پر وحی کی گئی اسے پڑھا کیجئے اور نماز
الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ	کی پابندی رکھئے، بیشک نماز بے حیائی اور ناشائستہ
وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ	کاموں سے روکتی رہتی ہے اور اللہ کی یاد بہت بڑی
مَا تَصْنَعُوْنَ ۝ (سورۂ عنکبوت۔۴۵)	چیز ہے اور اللہ تمہارے سب کاموں کو جانتا ہے

اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ انسان کا رخ تبدیل کر دیتی ہے، اور اس کو ایک نیا ذوق، نئی طلب اور نیا ذہن

(باقی صفحہ کا) اور معمر تھے، دوسری طرف طویل علالت نے بہت کمزور کر دیا تھا، حکیم صاحبؒ بہت فاصلہ پر رہتے تھے، بڑی مشقت سے پیدل چل کر وہاں پہونچے اور دیر تک حکیم صاحب کے منتظر رہے، حکیم صاحبؒ برآمد ہوئے تو انھوں نے صلوٰۃ غوثیہ کی نیت باندھی، یہ نماز بغداد کی طرف منھ کر کے خاص ہیئت اور طریقہ کے ساتھ پڑھی جاتی ہے ان صاحب نے ان کو جب یہ عمل کرتے دیکھا تو انھوں نے اپنے شاگرد سے فوراً واپس چلنے کو کہا اور اسی وقت روانہ ہو گئے، راستہ میں ان کے شاگرد نے دریافت کیا کہ اتنی تکلیف اٹھا کر تو آپ وہاں پہونچے، ان کا اتنی دیر انتظار کیا اور جب وہ آگئے تو آپ واپس چلے آئے، یہ بات کچھ سمجھ میں نہ آسکی، انھوں نے جواب دیا، اللہ تمہیں ہدایت دے کیا تم نے دیکھا نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور شرک میں مبتلا تھے، شاگرد نے کہا ہمیں تو ان کے فن سے سروکار ہے، ان کے عقائد و اعمال یا ان کی ضلالت و گمراہی سے ہمارا کیا تعلق؟ انھوں نے فرمایا کہ اللہ تمہیں سمجھ دے اگر میں اس بات سے چشم پوشی کر لیتا اور خاموشی اختیار کرتا تو رات کو میں اپنے رب کے سامنے کیا منھ لے کر کھڑا ہوتا اور دعائے قنوت میں کس زبان سے یہ الفاظ ادا کرتا کہ "نخلع ونترك من يفجرك" (جو تیری نافرمانی کرتا ہے، اور تیرے حکموں اور حدوں کو توڑتا ہے ہم اس سے علیحدہ ہوتے ہیں اور اس کو چھوڑتے ہیں)

www.abulhasanalinadwi.org

عطا کرتی ہے وہ اس کو حقیر و پست کاموں سے نکال کر بلند کاموں کی طرف لے جاتی ہے، اس کے دل میں ایمان کی محبت اور ایمان کا شوق پیدا کرتی ہے، اور کفر و فسق و نافرمانی اس کے لئے مکروہ و مبغوض بنا دیتی ہے، لیکن یہ سب اسی وقت ہوتا ہے جب یہ نماز حقیقی ہو اور وہ زندگی، حرارت اور قوت سے لبریز ہو، جب حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم کو توحید اور تقویٰ و طہارت کی زندگی اختیار کرنے کی دعوت دی اور ظلم و حق تلفی اور ناپ تول میں کمی کے انجام سے ان کو ڈرایا تو انھوں نے حضرت شعیبؑ کی زندگی میں اس نئی دعوت کے سرچشمہ اور اس اختلاف و انکار کے سررشتہ کی جستجو کی اور اس نتیجہ پر پہونچے کہ اس ساری کشمکش اور اختلاف اور اس سارے ہنگامہ کی ذمہ دار نماز ہے جس کو بارہا انھوں نے حضرت شعیبؑ کو پڑھتے دیکھا تھا، اور یہی وہ ظاہری عمل تھا جس سے ان کی زندگی خالی اور وہ اس سے ناآشنا تھے، بس گویا انھوں نے اس دعوت و تبلیغ اور اس انکار و تردید کا راز معلوم کر لیا اور اپنے نزدیک پہیلی بوجھ لی کہ حضرت شعیبؑ اپنی قوم کے اس قدیم و موروثی مذہب اور اپنے گرد و پیش کی اس قدیم طرز زندگی اور عادات و اخلاق کے کیوں اس قدر مخالف ہیں، انھوں نے بڑی سادگی اور معصومیت کے ساتھ حضرت شعیبؑ سے کہا:۔

أَصَلٰوتُكَ تَأْمُرُكَ أَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ	کیا یہ تمہاری نماز تمہیں تعلیم دیتی ہے کہ ان چیزوں کو
اٰبَآؤُنَآ أَوْ أَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ أَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا	چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے بڑے کرتے آئے ہیں
إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ۝	یا اس کو چھوڑ دیں کہ ہم اپنے مال کے ساتھ جو چاہیں
(سورہ ہود ۔ ۸۷)	کریں، واقعی تم ہی تو بڑے عقلمند بڑے دین دار ہو۔

نماز کی تیاریوں کا راز اور اس کے لئے مناسب و سازگار فضا بنانے کا فائدہ

اللہ تعالیٰ نے نماز کو عزت و تعظیم، رقت و خشوع، وقار و سنجیدگی، تعاون و اجتماعیت کی ایک ایسی فضا اور ایسا ماحول عطا کیا ہے جس کی نظیر کسی دوسرے مذہب و ملت کی عبادت میں نہیں ملتی۔

www.abulhasanalinadwi.org

اس کا اندازہ ہمیں ان حکیمانہ احکام و قوانین اور ہدایات و تعلیمات سے ہوگا جو آگے بیان کی جائیں گی۔

اذان نماز کا اعلان، اور اسلام کی دعوت

نماز کے اعلان اور دعوت کے لئے جو ندا (اذان) شارع نے مقرر فرمائی ہے اس میں صرف نماز کے مقاصد اور نماز کے معانی و حقائق کا اظہار نہیں بلکہ اس میں اسلام کے مقاصد، توحید کے شعار اور دین کی روح کی بھی پوری وضاحت، بلاغت، اختصار اور حسن و نغمہ کے ساتھ اس طرح سمو دی گئی ہے کہ اس اعلان نے (جو مؤذن دن میں پانچ مرتبہ مسجد کے میناروں سے بلند کرتا ہے) اسلام کی متعین اور ٹھوس دعوت کی شکل اختیار کر لی ہے، نماز کی یہ ندا جو سادگی و پرکاری کا عجیب نمونہ ہے، بہت سے غیر مسلموں کے سینوں کو اسلام کے لئے کھول چکی ہے اور دوسرے مذاہب و ادیان کے عبادات کے اعلان کے طریقوں سے بالکل مختلف ہے،[1]

---

[1] اذان کس طرح شروع ہوئی اس کے احکام کس طرح دیئے گئے، اور دوسرے مذاہب کے طریقوں سے ہٹ کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس طریقہ کو کیسے اختیار کیا جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو تلقین فرمایا تھا، اس سلسلہ میں بہت سی صحیح احادیث وارد ہوئی ہیں ابوداؤد میں ابوعمیر بن انس سے روایت ہے، وہ انصار میں اپنے دادیہالی رشتہ داروں سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اس کی فکر ہوئی کہ نماز کے لئے لوگوں کو کس طرح جمع کیا جائے، بعض لوگوں نے مشورہ دیا کہ نماز کے وقت ایک جھنڈا نصب کر دیا جایا کرے اس کو دیکھ کر لوگ ایک دوسرے کو آگاہ کر دیں گے، آپ نے اس تجویز کو پسند نہیں فرمایا، پھر نکھ یا قرنا کا ذکر کیا گیا جو یہود کے یہاں رائج تھا آپ نے اس کو بھی پسند نہ کیا اور فرمایا کہ یہ یہودیوں کا طریقہ ہے پھر آپ کے سامنے ناقوس کا ذکر کیا گیا، آپ نے فرمایا کہ یہ نصاریٰ کا شعار ہے، اس پر عبداللہ بن زید انصاریؓ واپس آگئے مگر آنحضرتؐ کی فکر میں وہ بھی شریک تھے چنانچہ انھوں نے رات کو خواب میں اذان کی تعلیم پائی اور صبح کو آنحضرتؐ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ نیند اور بیداری کی درمیانی حالت میں ایک شخص آیا اور اس نے مجھے اذان کی تعلیم دی، اور حضرت عمرؓ بھی اس سے پہلے یہی خواب دیکھ چکے تھے لیکن وہ ۲۰ دن سے اسے چھپائے ہوئے تھے، پھر آپ نے حضورؐ کو خبر دی تو ارشاد ہوا کہ اب تک کیوں نہیں بتایا تھا؟ آپ نے عرض کیا کہ عبداللہ بن زید مجھ سے پہلے دیکھ چکے تھے اس لئے مجھے شرم آتی تھی، اس پر حضورؐ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ عبداللہ بن زیدؓ جیسا بتائیں ویسا ہی کرو، چنانچہ حضرت بلالؓ نے اذان دی"۔ ص۵

www.abulhasanalinadwi.org

یہ وہ منفرد اور واحد ندا ہے، جو ہر قسم کے ظاہری اشکال اور آلات وغیرہ کی مدد سے پاک اور محفوظ ہے اور اس میں دین کا لُبّ لباب اور خلاصہ آگیا ہے۔

وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا اعلان بھی ہے کہ وہ ہر بڑے سے بڑا ہے، پھر اس میں دونوں شہادتیں موجود ہیں، توحید کی شہادت بھی اور رسالت کی شہادت بھی "اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمداً رسول اللہ" اس میں نماز میں حاضری کی دعوت اور اس کا اظہار ہے کہ وہ دنیا و آخرت دونوں جگہ فلاح کا راستہ ہے، اور اس کے بغیر فلاح کسی جگہ سے حاصل نہیں کی جاسکتی، ان سب باتوں کی وجہ سے اذان ایک ایسی جامع اور مکمل دعوت اور بلیغ اعلان بن گئی ہے جو قلب اور عقل دونوں کو بیک وقت مخاطب کرتا ہے، مسلم و غیر مسلم دونوں کو متوجہ کرتا ہے، سست آدمی میں چستی پیدا کرتا اور غافل کو ہوشیار و بیدار کرتا ہے۔

حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"حکمت الٰہی اس کی متقاضی تھی کہ اذان صرف اعلان اور تنبیہ ہو کر نہ رہ جائے بلکہ دین کے شعائر میں داخل ہو جائے، اور غافل کے لئے اس کی حیثیت محض تنبیہ کی نہیں بلکہ دین کی تبلیغ و دعوت کی بھی ہو اور اس کی تعمیل، اطاعت و فرماں برداری کی علامت اور نشانی سمجھی جائے اسی لئے ضروری ہوا کہ اس میں خدا کا ذکر بھی ہو، دونوں کلمۂ شہادت ہوں، نماز کی دعوت ہو، تاکہ اس مقصد کی (جو اوپر بیان کیا گیا) اچھی طرح ترجمانی ہو سکے"[1]

پاکی اور اس کے اہتمام کے اثرات و فوائد

نماز کے لئے طہارت اور وضو کا حکم دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۵۲

www.abulhasanalinadwi.org

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ
فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ
وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ
وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى
اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ
اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا
صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ
مِّنْهُ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ
حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ
عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (سورۂ مائدہ - ۶)

اے ایمان والو جب تم نماز کو اٹھو تو اپنے چہرے اور
اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھویا کرو اور اپنے
سروں پر مسح کر لیا کرو اور اگر تم حالت جنابت میں ہو تو
(سارا جسم) پاک صاف کر لو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم
میں سے کوئی استنجا سے آئے یا تم نے عورتوں سے صحبت
کی ہو پھر تم کو پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کر لیا کرو یعنی
اپنے چہروں اور ہاتھوں کو اس سے مسح کر لیا کرو اللہ
نہیں چاہتا کہ تمہارے اوپر تنگی ڈالے بلکہ وہ (تو یہ)
چاہتا ہے کہ تمہیں خوب پاک صاف رکھے اور تم پر اپنی
نعمت پوری کرے تاکہ تم شکر گزاری کرو۔

پاکی کا یہ اہتمام اور وضو اگر ایمان و احتساب[1] کے ساتھ عمل میں آئے تو وہ انسان کے اندر ایک قسم کی بیداری اور چستی، خیال و لحاظ کی کیفیت اور نماز کے استقبال اور اس کے نور و سکینت کو قبول

---

[1] ایمان و احتساب کے معنی یہ ہیں کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے وعدوں اور اس کے رسولؐ کے بتائے ہوئے اجر و ثواب پر پورا یقین ہو اور وہ ان اعمال کو شوق و عظمت کے ساتھ انجام دے، اعمال کی قبولیت اور وزن میں اس کو بڑا دخل ہے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جب مسلم (یا مومن) بندہ وضو کرتا ہے اور اپنا منہ دھوتا ہے تو اس کے چہرے سے ہر گناہ جو اس نے اپنی نگاہوں سے کیا ہے، پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ دھل جاتا ہے، جب وہ اپنے ہاتھ دھوتا ہے تو اس کے ہاتھوں کے سارے گناہ جو اس کے ہاتھوں سے سرزد ہوئے ہیں وہ پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ نکل جاتے ہیں، یہاں تک کہ وہ گناہوں سے بالکل صاف و پاک ہو جاتا ہے" صحیح مسلم و مؤطا میں اتنا اضافہ ہے کہ "جب وہ اپنے پیر دھوتا ہے تو اس کے پیروں سے جن سے چل کر اس نے کوئی گناہ کیا ہے سب گناہ دھل جاتے ہیں" (ترمذی)

www.abulhasanalinadwi.org

کرنے کی استعداد و صلاحیت پیدا کر دیتا ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے وضو و طہارت کے فوائد کی تکمیل اور نماز کی تیاری کے لئے (جو درحقیقت مومن کی اللہ تعالےٰ سے سرگوشی اور دعا و مناجات ہے) مسواک کرنے کی بھی تعلیم فرمائی ہے، اور بہت تاکید کے ساتھ اس کی ترغیب دی ہے، اور یہاں تک ارشاد فرمایا کہ "اگر اپنی امت پر مشقت کا ڈر نہ ہوتا تو میں لوگوں کو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا"[1]

مساجد اور مسلم معاشرہ میں ان کی اہمیت و مرکزیت

اس مقصد کے لئے ایسی مساجد تعمیر کی گئیں جو اپنی سادگی و سنجیدگی، سکینت و لطافت، اپنی پرکیف روحانی فضا، پرسکون ماحول اور توحید کے کھلے ہوئے نمایاں شعائر میں دوسرے مذاہب و اقوام کی عبادت گاہوں سے بالکل مختلف ہیں۔

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ	(وہ) ایسے گھروں میں ہیں جن کے لئے اللہ نے حکم دیا
فِيْهَا اسْمُهٗ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ	ہے کہ ان کا ادب کیا جائے اور ان میں اس کا نام
رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ	لیا جائے ان میں وہ لوگ صبح و شام اللہ کی پاکی بیان
ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ	کرتے ہیں ایسے لوگ جنھیں نہ تجارت غفلت میں ڈال
الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ	دیتی ہے نہ (خرید و) فروخت اللہ کی یاد سے اور نماز
الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۝	پڑھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے، وہ ڈرتے رہتے ہیں،
(سورۂ نور - ۳۶-۳۷)	ایسے دن سے جس میں دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی۔
وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا	اور یہ کہ مسجدیں (خاص) خدا کی ہیں تو خدا

[1] بخاری و مسلم

www.abulhasanalinadwi.org

مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۝ (سورۂ جن۔ ۱۸)	کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کر۔
وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ	اور ہر سجدہ کی جگہ اپنا رخ سیدھا رکھا کرو اور
وَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ۔	اسے (یعنی اللہ کو) پکارا کرو، دین کو اسی کے
(سورۂ اعراف۔ ۲۹)	واسطے خالص کر کے۔
يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ	اے اولاد آدم! ہر سجدہ گاہ کے موقع پر اپنا لباس
مَسْجِدٍ۔ (سورۂ اعراف۔ ۳۱)	پہن لیا کرو۔[1]

مساجد بجا طور پر مسلمانوں کا دینی مرکز اور ان کی تعلیم و تربیت اور اصلاح و رہنمائی کا سرچشمہ بن گئی تھیں، ان میں مسلمانوں کے اجتماعی و دینی معاملات حل کئے جاتے تھے، زندگی کے مختلف شعبوں اور مختلف مہموں میں ان کو احکام دیئے جاتے تھے، جب کوئی بڑا واقعہ پیش آتا یا کوئی مہم درپیش ہوتی اور مسلمانوں کو نئی ہدایت اور نئی رہنمائی کی ضرورت ہوتی تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حکم دیتے کہ مسلمانوں میں اعلان کر دیا جائے "الصلوٰۃ جامعۃ"[2] (یعنی دوسرے محلوں اور دور دور کے مسلمان بھی آج نماز مسجد نبوی میں پڑھیں کہ کوئی اہم بات کہنی ہے)

مسجدوں کو یہ مرکزیت و جامعیت برابر حاصل رہی، ساری زندگی اسی محور کے گرد گھومتی تھی، علم و ہدایت کے سرچشمے، اصلاح و ارشاد کی تحریکیں، جہاد و سرفروشی کی لہریں سب اسی مرکز سے پیدا ہوتی اور پھیلتی تھیں، آج بھی ان مساجد میں وہ پرانے اثرات باقی ہیں، جن پر غیر مسلموں اور غیر مذاہب کے پیروؤں کو حسد ہوتا ہے کبھی وہ ان کو حسرت کے ساتھ دیکھتے ہیں، کبھی ڈر اور خوف کے ساتھ، مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ ان مساجد کو مسلم معاشرہ اور مسلم قیادت میں وہ مرکزیت و

---

[1] ان آیات کے ترجمے میں اس تفسیر کو اختیار کیا گیا ہے جس میں مسجد یا مساجد سے مقاماتِ سجود (سجدیں) مراد لی گئی ہیں دوسرے مترجمین و مفسرین نے اس سے اعضاء سجود اور نماز مراد لی ہے [2] واقعات اور مثالوں کے لئے "ابواب العلامات بین یدی الساعۃ" و "ابواب صلوٰۃ الخسوف" صحاح میں ملاحظہ کیجئے۔

www.abulhasanalinadwi.org

اہمیت دوبارہ حاصل ہو جو پہلے حاصل تھی۔

ایمانی وروحانی فضا کی تکمیل کے لئے بعض ہدایات وآداب

نماز کی ایمانی وروحانی فضا کی تقویت وتکمیل کے لئے جو آداب اور حکیمانہ وپیغمبرانہ تعلیمات وہدایات دی گئی ہیں، وہ اس میں خشوع وخضوع اور سکینت ووقار پیدا کرنے کی ضامن ہیں، حضرت انسؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ "اگر تم میں سے کوئی شخص نماز میں ہے تو وہ اپنے رب سے ہم کلام ہے، اس کو چاہئے (کہ ضرورت پڑنے پر) اپنے آگے یا اپنے دائیں نہ تھوکے بلکہ بائیں طرف اور پیروں کے نیچے"[1] نمازی کو اس کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ امام کی تقلید واتباع کرے، اس لئے کہ اس میں انتشار وافتراق سے حفاظت اور اپنی خواہشات سے رہائی ہے نہ اس کو امام سے آگے بڑھنا چاہئے نہ اس سے پیچھے رہنا چاہئے اسی طرح اس کو صرف ایک ہیئت اور ایک شکل پر باقی رہنے کی بھی اجازت نہیں، خواہ اس کو اس میں کتنی ہی لذت محسوس ہو رہی ہو اور وہ دیر تک اسی ہیئت پر رہنا چاہتا ہو اس لئے کہ نماز کی روح اطاعت وفرماں برداری اور رسول کی تقلید وپیروی ہے نہ کہ وجدان وذوق کی تابعداری اور خواہشات نفس پر عمل، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "صلوا کما رأیتمونی اصلی"[2] (نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھ کو نماز پڑھتے دیکھا ہے) چنانچہ مقتدی اس پر مجبور ہے کہ ساری حرکات وسکنات میں امام کی پیروی کرے اور سر بھی اس میں فرق نہ پڑے "انما جعل الامام لیؤتم بہ" (امام اس لئے بنایا جاتا ہے تاکہ اس کی اقتدا کی جائے)[3]

مساجد میں اللہ تعالیٰ کی عظمت سب سے زیادہ نمایاں ہوتی ہے، یہی وہ جگہ ہے، جہاں کسی مخلوق کی کوئی عزت یا کسی "بڑے" کی کوئی خصوصیت نہیں، وہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں آقا وغلام، حاکم ومحکوم اور

---

[1] بروایت عبداللہ بن مسعودؓ (متفق علیہ) [2] بخاری (باب الاذان للمسافر اذا کانوا جماعۃ)

[3] مسلم روایت انس بن مالکؓ (باب ائتمام المأموم بالامام)

www.abulhasanalinadwi.org

امیر و فقیر سب مساوی نظر آتے ہیں، وہ "منیٰ" کی طرح ہے جس کے متعلق حدیث میں آیا ہے "منیٰ مناخ لمن سبق"[1] (منیٰ اس کی فرودگاہ ہے جو پہلے پہونچ جائے)

اسلام ان بدعتوں اور جدتوں سے بالکل ناآشنا ہے جو سلاطین و امراء نے اپنا امتیاز اور تفوق ظاہر کرنے کے لئے عہد صحابہؓ کے بعد وضع کرلی تھیں، ان مساجد میں اگر کچھ امتیاز، فوقیت اور آگے پیچھے کا فرق ہے بھی تو وہ علم قرآن، فقہ اور تقویٰ میں حظ وافر کی بنیاد پر، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "لیلینی منکم اولوا الاحلام والنھیٰ ثم الذین یلونھم ثلاثا"[2] (چاہئے کہ مجھ سے قریب رہیں اہل عقل و فہم، پھر جن کا مرتبہ ان کے بعد ہے، پھر جو ان کے بعد آتے ہوں)

جماعت اور اس کی اہمیت و فضیلت

فرض نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنے کا حکم ہے اور اسلام میں نماز کا مزاج اور اس کی صحیح شکل یہی ہے "وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ"[3] (رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ) یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام اس پر اس طرح مداومت کرتے رہے کہ گویا وہ بھی نماز کا جزو اور نماز کے اندر داخل ہے آپ نے اپنے مرض وفات میں بھی اس کو ترک نہ فرمایا، صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ :-

ثقل النبی صلے اللہ علیہ وسلم فقال	آنحضرتؐ جب بیمار ہوئے تو (نماز کے وقت) فرمایا کیا
أصلّی الناس؟ قلنا لا ھم ینتظرونک یا رسول	لوگوں نے نماز پڑھ لی ہم نے کہا نہیں یا رسول لوگ آپ کا انتظار
اللہ إقال ضعوا لی ماءً فی المخضب ففعلنا	کر رہے ہیں، آپ نے فرمایا برتن میں میرے لئے پانی رکھدو
فاغتسل ثم ذھب لینوء فاغمی علیہ ثم افاق	ہم نے رکھدیا تو آپ نے وضو فرمایا پھر آپ نے اٹھنا چاہا تو

---

[1] ترمذی روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (مرفوع) [2] صحیح مسلم۔ کتاب الصلوٰۃ باب "تسویۃ الصفوف" و ابوداؤد و نسائی [3] سورہ بقرہ ۴۳۔

www.abulhasanalinadwi.org

فقال اصلی الناس؟ قلنا لا هم ینتظرونك

قال ضعوا لی ماءً فی المخضب ففعلنا فاغتسل

ثم ذهب لینوء فاغمی علیه ثم افاق فقال

اصلی الناس؟ قلنا لا هم ینتظرونك قال ضعوا لی

ماءً فی المخضب فاغتسل ثم ذهب لینوء فاغمی

علیه ثم افاق فقال اصلی الناس؟ قلنا لا هم

ینتظرونك والناس عکوف فی المسجد ینتظرونه

لصلوٰة العشاء الآخرة (قالت) فأرسل صلی الله

علیه وسلم الی ابی بکر أن یصلی بالناس[1] (الی آخرہ)

بے ہوش ہو گئے پھر افاقہ ہوا تو آپ نے سوال فرمایا

کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ ہم نے عرض کیا نہیں!

وہ تو آپ کا انتظار کر رہے ہیں آپ نے فرمایا میرے لئے

برتن میں پانی رکھدو آپ نے وضو فرمایا اور اٹھنا چاہا کہ

پھر بے ہوش ہو گئے پھر جب افاقہ ہوا تو آپ نے وہی

سوال کیا کہ کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ ہم نے پھر وہی

جواب دیا کہ نہیں وہ تو آپ کے انتظار میں ہیں لوگوں کا یہ حال تھا کہ

وہ مسجد میں بیٹھے عشا کی نماز کا انتظار کر رہے تھے اس لئے آپ نے

حضرت ابوبکرؓ کو نماز پڑھانے کے لئے بلوا بھیجا۔ الخ

صحابہ کرام جماعت کی پابندی کا جس قدر اہتمام کرتے تھے اس کا اندازہ مندرجہ ذیل حدیث سے ہوگا عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔

لقد کان الرجل یوتی به یهادی بین

الرجلین حتی یقام فی الصف[2]۔

آدمی کو اس حالت میں لایا جاتا کہ دو آدمی اس کو سہارا

دیئے ہوئے ہوتے اور صف میں کھڑا کر دیا جاتا۔

ان ہی سے دوسری روایت ہے:۔

رأیتنا ما یتخلف عن الصلوٰة الا منافق

قد علم نفاقه او مریض[3]۔

جماعت سے صرف دو قسم کے آدمی پیچھے رہتے تھے وہ

منافق جن کا نفاق سب کو معلوم ہو، یا مریض!

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جماعت چھوڑنے والوں پر سخت نکیر فرماتے تھے کتب صحاح میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو بعض نمازوں میں نہ دیکھا تو فرمایا

---

[1] صحیحین [2] مسلم ابوداؤد و نسائی [3] مسلم

www.abulhasanalinadwi.org

میں سوچتا ہوں کہ ایک آدمی کو حکم دوں کہ وہ نماز پڑھائے پھر ان لوگوں کے پاس جاؤں جو جماعت سے پیچھے رہ جاتے ہیں پھر حکم دوں کہ لکڑیوں کو جمع کر کے ان کے گھر میں آگ لگا دی جائے۔[1]

جماعت کی بعض حکمتیں اور آداب و مصالح

نماز با جماعت کے اندر اللہ تعالیٰ نے بہت سی نازک حکمتیں اور مصلحتیں رکھی ہیں، ان میں بہت سے اجتماعی اور اخلاقی فوائد ہیں (مثلاً وحدت و اجتماع، اور تعاون و تعارف وغیرہ) جن پر علماء اسلام اور اہلِ قلم نے بہت کچھ لکھا ہے، اور بار بار اس کی تشریح و وضاحت کی گئی ہے لیکن اس میں اس کے علاوہ بھی بہت سی نازک اور اہم حکمتیں و مصلحتیں ہیں، جن تک بہت سے معاصر اہلِ قلم و اہلِ فکر کی رسائی نہیں ہو سکی۔[2]

ان فوائد اور حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ ہے کہ جب بہت سے مسلمان اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر امید کا دامن تھامے ہوئے، خوف سے بھرے ہوئے، سر تسلیم خم کئے ہوئے جمع ہوتے ہیں تو ان کے اس اجتماع کی وجہ سے برکتوں کا نزول ہوتا ہے، رحمتیں اترتی ہیں، اور ان کو اپنے سایہ میں لے لیتی ہیں، استسقاء کی اجتماعی دعا، جمعہ و جماعت اور حج کے اجتماعات کا راز یہی ہے۔[3]

اس کی وجہ سے عبادات اور ان پر مداومت آسان ہو جاتی ہے، اور اس کی تکمیل و ترقی اور کثرت و زیادتی میں مقابلہ اور مسابقت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اگر ان عبادات میں انفرادیت یا ناواقفیت کی وجہ سے کوئی خلل واقع ہو جاتا ہے تو جماعت کی وجہ سے اس کو دور کرنے میں بڑی سہولت ہوتی ہے، نماز کے احکام و آداب کا سیکھنا اور سمجھنا سہل ہو جاتا ہے، اور علماء و فقہاء اور اللہ کے مخلص بندوں کی نقل و پیروی کے بہتر مواقع حاصل ہوتے ہیں۔

اس کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ بعض اوقات بعض مخلصین کے اخلاص، انابت اور توجہ الی اللہ کی وجہ سے

---

[1] صحیح مسلم (باب فضل الصلوٰۃ بجماعۃ و بیان التشدید فی التخلف عنہا) [2] جماعت کے اسرار و مصالح پر نفیس ترین علمی بحث وہ ہے جو حضرت شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۹ و ۲۰ پر سپرد قلم کی ہے، مزید تفصیل کے لئے اس کو ملاحظہ فرمایا جائے [3] حجۃ اللہ البالغہ (خفیف تصرف کے ساتھ)

www.abulhasanalinadwi.org

پوری جماعت اللہ تعالیٰ کے سایہ میں آجاتی ہے اور کسی ایک مردِ خدا کا صدق و اخلاص بہت سے افسردہ و شکستہ دلوں کے لئے حیاتِ نو کا پیغام اور بہت سے پست ہمتوں کے لئے مہمیز بن جاتا ہے اور ایک کی وجہ سے سب کی عبادت قبول ہو جاتی ہے، یہ بات نہ شرع کے خلاف ہے نہ عقل کے اس لئے کہ ان اہل اخلاص اور اہلِ دل کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ "قوم لا یشقی بہم جلیسہم" (یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس بیٹھنے والے کبھی محروم نہیں رہتے۔)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو صفوں کی درستی کا بڑا اہتمام تھا اور آپ اس میں ذرا تشدد اور ناہمواری پیدا کرنے والوں پر سخت نکیر فرماتے تھے اس کی وجہ یہ ہے کہ جماعت کے فوائد اور "اَلْبُنْیَانُ الْمَرْصُوْصُ" (سیسہ پلائی ہوئی دیوار) کی شان صفوں کی درستی کے بغیر کبھی حاصل ہی نہیں ہو سکتی، اس کے علاوہ نماز اور جماعت درحقیقت پوری زندگی کی تربیت ہے، اگر کسی نے نماز بھی صحیح طریقہ سے پڑھنا نہ سیکھا تو دنیا و آخرت کا کوئی کام بھی اچھی طرح نہیں کر سکتا، انس بن مالکؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:۔

سوّوا صفوفکم فان تسویۃ الصفوف	اپنی صفوں کو برابر کرو، اس لئے کہ صفوں کی
من اقامۃ الصلوٰۃ۔[1]	برابری اقامت صلوٰۃ میں داخل ہے۔

نعمان بن بشیرؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں:۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسوی	رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہماری صفوں کو تیروں
صفوفنا حتی کانما یسوی بہ القداح حتیٰ	کی طرح سیدھا کرتے تھے، ایک دن آپ تکبیر
رأیٰ انا قد عقلنا عنہ ثم خرج یوماً فقام	کہنے کے قریب تھے کہ آپ نے ایک شخص کو صف
حتی کاد ان یکبر فرأی رجلاً بادیاً صدرہ	سے آگے نکلا ہوا دیکھا تو فرمایا خدا کے بندو یا
من الصف فقال عباد اللہ لتسوون	اپنی صفیں ٹھیک کرو یا پھر اللہ تمہارے درمیان

[1] بخاری و مسلم

www.abulhasanalinadwi.org

صفوفکم او لیخالفن اللہ بین وجوھکم[1] پھوٹ ڈال دے گا۔

جمعہ۔ اس کا درجہ اور خصوصیات

جمعہ کی نماز بہت سے ایسے آداب، ترغیبات اور متعدد ایسی خصوصیات اور اضافوں پر مشتمل ہے جن کی وجہ سے اس کی جلالت شان اور عظمت میں بہت اضافہ ہوگیا ہے اور ان سے عبادات اور تقرب الی اللہ، مسلمانوں کی وحدت اور تعاون علی البر والتقویٰ کا نیا جذبہ اور ولولہ پیدا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ	اے ایمان والو جب جمعہ کے دن اذان کہی جائے
یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَیْعَ ؕ	تو نماز کے لئے چل پڑا کرو اللہ کی یاد کی طرف اور
ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝	خرید و فروخت چھوڑ دیا کرو، یہ تمہارے حق میں
(سورۂ جمعہ۔ ۹)	بہتر ہے اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو۔

حدیث شریف میں ہے:۔

من ترک ثلاث جمع تھاونا بھا	جو تین جمعے سستی و سہل انگاری میں چھوڑ دیتا
طبع اللہ علی قلبہ[2]۔	ہے اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔

دوسری حدیث ہے:۔

لینتھن اقوام عن ودعھم الجمعات	باز آجائیں لوگ جمعہ چھوڑنے سے ورنہ مہر لگا دے گا اللہ
او لیختمن اللہ علی قلوبھم ثم لیکونن من الغافلین[3]	تعالیٰ ان کے دلوں پر پھر ہو جائیں گے غافلوں میں سے

دوسرے موقع پر ارشاد ہے:۔

لقد ھممت أن آمر رجلاً لیصلی	مجھے خیال ہوتا ہے کہ میں ایک آدمی کو حکم دوں کہ

---

[1] مسلم۔ [2] اصحاب سنن۔ [3] مسلم و نسائی۔

www.abulhasanalinadwi.org

بالناس ثم احرق علی رجال یتخلفون عن الجمعة، بیوتھم[1]۔

وہ نماز پڑھائے پھر اس کے بعد ان لوگوں کے گھروں کو آگ لگادوں جو جمعہ چھوڑ کر بیٹھ رہے ہیں۔

جمعہ کی نماز کے لئے غسل کرنے، مسواک کرنے، خوشبو لگانے اور زیادہ سے زیادہ پاکی ولطافت کا اہتمام کرنے کا حکم ہے اور اس میں نماز سے قبل خطبہ بھی دیا جاتا ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جمعہ کا جو خطبہ دیتے تھے، وہ کوئی ایسا تقلیدی اور روایتی خطبہ نہ تھا جس میں نہ زندگی ہوتی ہے نہ روح، اور نہ کوئی پیغام ورہنمائی بلکہ وہ زندگی اور واقعات کے ساتھ بالکل ہم آہنگ ہوتا تھا۔

جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا خطب احمرت عیناہ وعلا صوتہ حتی کانہ منذر جیش یقول صبحکم ومساکم[2]۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دیتے تھے تو آپ کی چشم مبارک سرخ ہوجاتی تھی آواز بلند ہوجاتی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے آپ کسی لشکر سے ڈرا رہے ہیں کہ صبح کو اس کا حملہ ہونے والا ہے، شام کو ہونے والا ہے

علامہ ابن قیم "زاد المعاد" میں لکھتے ہیں:۔

"آپ اپنے خطبہ میں اپنے اصحاب کو اسلام کے اصول وقواعد اور شرائع کی تعلیم دیتے تھے اور اگر کوئی امر ونہی کا معاملہ ہوتا تھا تو امر ونہی فرماتے تھے"[3]

اپنے زمانہ کے اماموں اور خطیبوں پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

"پھر اس پر ایک طویل زمانہ گزر گیا، نور نبوت لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہونے لگا، شرائع واحکام کی جگہ رسوم وعادات نے لے لی، جن کو ان کے حقائق ومقاصد کی رعایت کے بغیر ادا کیا جانے لگا، لوگ صرف اس کی ظاہری صورت کی نگہداشت اور نوک پلک درست کرنے میں

---

[1] مسلم ونسائی۔ [2] مسلم ونسائی۔ [3] زاد المعاد ج ۱ ص ۱۱۵

www.abulhasanalinadwi.org

لگ گئے، ان رسوم واشکال کو انھوں نے سنت کا درجہ دے دیا اور ان مقاصد سے دست کش ہو گئے جن سے ادنیٰ غفلت اور جس میں ادنیٰ تغیر جائز نہ تھا، انھوں نے اپنے خطبوں کو مقفیٰ عبارتوں اور علم بدیع سے آراستہ کیا اور مغز کی بات اس سے کم ہوتی چلی گئی بلکہ بالکل ختم ہو گئی اور خطبہ کا اصل مقصد ہی فوت ہو گیا۔[1]

اسی طرح آپ کا خطبہ اس زمانہ کے خطبوں کی طرح طویل اور اکتا دینے والا بھی نہیں ہوتا تھا جن میں اپنی خطابت و علمیت کا سکہ بٹھانے اور ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کی جاتی ہے، مقامی اور وقتی مسائل پر (جن میں نقطۂ نظر اور مسلک کے اختلاف کی بڑی گنجائش ہے) داد خطابت دی جاتی ہے اور مخالف مسلک یا جماعت پر کھلی تنقید کی جاتی ہے اس کا نتیجہ ہوتا ہے کہ اکثر سامعین منشرح اور مطمئن ہونے کے بجائے متنفر اور بیزار ہو کر اٹھتے ہیں اور جمعہ کے خطبہ کا وہ تقدس اور عظمت جاتی رہتی ہے جو اس کی خصوصیت ہے، آپ کا خطبہ علمی حقیقت پسندانہ، حرارت و تاثر سے بھرپور، نورانیت و برکت سے معمور اور آپ کی گفتگو کی طرح مختصر لیکن جامع اور دل نشین ہوتا تھا، نہ اس میں ضرورت سے زائد اختصار ہوتا تھا، نہ ضرورت سے زائد طول، جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز بھی معتدل ہوتی تھی اور خطبہ بھی معتدل، قرآن مجید کی چند آیات تلاوت فرماتے پھر لوگوں کو نصیحت فرماتے"[2] دوسری روایت میں ہے کہ "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن کوئی طویل و عریض وعظ نہیں فرماتے تھے، بلکہ چند مختصر کلمات کہتے تھے"[3]

خطبہ کو بہت خاموشی اور سکون کے ساتھ سننے کا حکم ہے تاکہ اس پر سکون اور روحانی فضا میں اس کا پورا اور صحیح فائدہ حاصل ہو سکے، اس لئے کہ یہ عبادت کا محل ہے نہ کہ خطابت کا، خطبہ کے دوران گفتگو کو سختی سے منع کیا گیا ہے، یہاں تک کہ اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے آدمی کو بات چیت کرنے سے روکنا بھی منع ہے اس لئے کہ اس سے بھی اس سکون و وقار میں فرق آجائے گا جو خطبہ میں مطلوب ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ "جس نے جمعہ

---

[1] زاد المعاد ج ۱ ص ۱۱۵ [2] [3] صحیح مسلم و کتب سنن۔

www.abulhasanalinadwi.org

کے دن اپنے ساتھی سے کہا کہ خاموش رہو اس نے بھی زائد اور فضول بات کی۔[1]

جمعہ کا مزاج اور اس کے مصالح و فوائد کا تقاضا یہ ہے کہ جمعہ شہر کی صرف ایک مسجد میں یا کم سے کم مساجد میں ہو[2] (بشرطیکہ شہر بڑا اور پھیلا ہوا نہ ہو اور لوگوں کی شرکت ایک مسجد میں مشکل ہو) اور تمام مسلمان ہفتہ میں ایک بار ایک جگہ جمع ہوں، اس سے ایک طرف اتحاد و اخوت کے رشتہ کو مضبوط کرنے میں مدد ملے گی، دوسری طرف اس جماعت کی بدولت مسلمانوں کے عقائد و اعمال تحریف و فساد سے محفوظ رہیں گے لیکن مسلمانوں نے اس مسئلہ میں بہت سہل انگاری اور سستی و غفلت سے کام لیا ہے اور اس کے نتیجہ میں جمعہ کی تاثیر و قوت، اہمیت و افادیت اور عظمت و شوکت خاصی حد تک کم ہو گئی ہے۔

جمعہ ہفتہ کی میزان ہے

ایک ذمہ دار، مشغول اور زندگی کے تقاضوں اور مطالبوں اور انسانی حقوق سے لدے اور تھکے ہوئے انسان کے لئے ایک ایسے دن کی ضرورت تھی جس میں اس کے اندر نئی ہمت اور نیا حوصلہ پیدا ہو اور وہ عبادت و تقرب الٰہی کے کاموں کو زیادہ دلچسپی، سکون اور فراغت کے ساتھ ادا کر سکے اور دل کے اس زنگ کو صاف کر سکے جو ہفتہ بھر کی بے احتیاطیوں اور لغزشوں سے دل پر لگتا رہتا ہے، وہ اپنے اس دن کو اس طرح کارآمد بنائے کہ اس کی روشنی، برکت اور نورانیت بقیہ تمام دنوں میں سرایت کر جائے یا دوسرے الفاظ میں بقیہ سارے دن اس کے سایہ میں آجائیں اور اسی کے حکم میں سمجھے جائیں، یہ دن ہفتہ میں جمعہ، رمضان میں شب قدر، اور بقیہ تمام مہینوں میں

---

[1] ابوداؤد و بروایت حضرت علیؓ۔ [2] علامہ بحر العلوم فرنگی محلی اپنی کتاب "رسائل الارکان" میں لکھتے ہیں کہ چونکہ جمعہ مسلمانوں کے اجتماع کا ذریعہ ہے، اسی لئے امام ابو یوسف ایک شہر میں متعدد جمعوں کے قائل نہ تھے اور امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا بھی قول یہی ہے، اس لئے کہ اگر ایک شہر میں کئی جمعوں کی اجازت دے دی گئی تو مسلمانوں کے اجتماع کا مقصد فوت ہو جائے گا، لیکن امام محمد امام ابو حنیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ تعدد جمعہ مطلقاً جائز ہے، دو اور اس سے زیادہ بھی اور یہی آخری قول راجح اور مفتی بہ ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

رمضان ہے۔[1]

علامہ ابن القیم اس نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"وہ (یعنی جمعہ) ایسا دن ہے جس میں عبادت کے لئے اہتمام و یکسوئی مستحب ہے نیز متعدد واجبات و مستحبات میں اس کو دوسرے دنوں پر فضیلت و امتیاز حاصل ہے، اللہ تعالیٰ نے ہر ملت کے لئے ایک دن رکھا تھا جس میں لوگ دنیا کی دلچسپیوں اور مشغلوں سے علیحدہ ہو کر اپنے آپ کو عبادت کے لئے فارغ کر سکیں، جمعہ اسی طرح ایک عبادت کا دن ہے، دنوں میں اس کی وہ حیثیت اور قدر و منزلت ہے، جو مہینوں میں رمضان کی ہوتی ہے، اس میں جو ساعت اجابت (قبولیت دعا کی خاص ساعت) ہے، اس کی وہ حیثیت ہے، جو رمضان میں شبِ قدر کی، اس لحاظ سے جس کا جمعہ اچھی حالت میں گزرا اس کے ہفتہ کے باقی دن بھی اچھے ہو جائیں گے، اور جس کا رمضان اچھی طرح گزرا اور صحیح و سالم و محفوظ رہا، اس کے سال کے باقی ایام بھی اچھی طرح گزریں گے، اور جس کا حج ٹھیک ہوا اور اچھی طرح گزرا اس کی پوری عمر اچھی طرح گزرے گی، پس جمعہ کا دن ہفتہ کی میزان ہے، رمضان سال کی میزان ہے، اور حج پوری عمر کی میزان ہے، اور توفیق خدا کے ہاتھ میں ہے[2]"

---

[1] جمعہ ہندوستان کے بعض علاقوں خصوصاً دیہاتوں اور قصبوں میں اور بہت سے دوسرے اسلامی ممالک میں بھی زراعت پیشہ اور اہل حرفت طبقہ اور اسلام کے درمیان رابطہ کی بہت اہم اور واحد شکل ہے، اس میں وہ اہتمام سے غسل کرتے ہیں، پہلے سے نماز کی تیاری کرتے ہیں، اسلام کے شعائر و احکام سے واقف ہوتے ہیں، ان کے اندر اسلام کا شعور و احساس پیدا ہوتا ہے، اور وہ اس پر فخر و مسرت محسوس کرتے ہیں اور اس حصار کی برکت سے وہ ارتداد و بے دینی کے فتنوں اور شرک و بت پرستی کی تحریکوں اور دعوتوں سے محفوظ و مامون رہتے ہیں، اگر جمعہ اور اس کے مقدمات و انتظامات و اجتماعات نہ ہوتے تو مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد اس جاہلی معاشرہ میں (جس میں وہ سانس لیتی ہے) جذب ہو جاتی اور ارتداد کی موجیں جو اس ماحول سے ٹکرا رہی ہیں اس کو نگل لیتیں اور کچھ دن کے بعد یہ پتہ چلانا بھی دشوار ہو جاتا کہ اس کا اسلام سے کچھ تعلق بھی رہ چکا ہے یہی وہ مصالح تھے جن کے پیش نظر عہد آخر کے بعض علماء احناف نے اس میں سختی و تنگی روا نہیں رکھی بلکہ توسع اختیار کیا ہے۔ [2] زاد المعاد ج ۱ ص ۱۰۶

www.abulhasanalinadwi.org

عیدین کی نماز اور ان کی اسلامی خصوصیات

دنیا کی تمام قوموں اور ملتوں میں سالانہ تہوار اور تقریبیں آزادی و بے قیدی اور لذت و تعیش کے دن مانے گئے ہیں، بے حیائی و بے شرمی، لذت و ہوس، لہو و لعب اور سیر و تفریح کا مبالغہ آمیز رجحان ان کا شعار، اور ان تقریبات کا موضوع بن گیا ہے، یہاں تک کہ یہ تہوار عبادت کے معنی و مفہوم کے بالکل مخالف سنجیدگی و متانت سے عاری اور خشوع و انابت سے یکسر خالی ہو گئے ہیں۔

اس کے برعکس یہ دونوں عیدین، عید الفطر اور عید الاضحیٰ جو شارع نے انسانی فطرت کی تسکین اور حقیقت کے اعتراف کے طور پر مسلمانوں کو عطا کی ہیں[1] یکسر دینی و روحانی رنگ میں رنگی ہوئی ہیں، عیدین کی نماز میں زائد تکبیرات اور نماز کے بعد خطبہ کا حکم ہے، اور نماز سے قبل راستہ میں زیادہ سے زیادہ تکبیر مسنون ہے، اور عید الفطر کی نماز سے قبل صدقۂ فطر اور عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد قربانی کرنے کا حکم ہے۔

عید کی نماز کی اصل یہ تھی کہ مسلمان جس طرح ہفتہ میں ایک بار جمعہ کے لئے جمع ہوتے ہیں، اسی طرح سال میں دو بار ایک کھلے اور وسیع میدان میں جمع ہوں لیکن اس میں بھی مسلمانوں نے جمعہ کی طرح غفلت اور سہل انگاری سے کام لیا اور ہر چھوٹی بڑی مسجد میں عید کی نماز پڑھی جانے لگی، اس کی وجہ سے اس نماز کا بھی وہ اثر جاتا رہا، اور بہت سے وہ مقاصد فوت ہو گئے، جو شریعت کے پیش نظر تھے، علامہ ابن القیم لکھتے ہیں:۔

"رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عید کی نماز اس عیدگاہ میں ادا فرماتے تھے، جو مدینہ کے مشرقی دروازہ پر ہے، یہ وہ مصلّٰے ہے، جہاں حُجّاج کا محمل اتارا جاتا ہے، آپ نے عید کی نماز اپنی مسجد میں صرف ایک بار

---

[1] انس بن مالک رضؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو اس وقت وہاں دو دن خاص تھے جس میں وہ لوگ کھیل تماشے کرتے تھے آپؐ نے دریافت فرمایا کہ یہ دو دن کیسے ہیں لوگوں نے عرض کیا کہ جاہلیت میں ہم ان دنوں میں کھیل کود وغیرہ میں مشغول ہوتے تھے آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اس سے اچھا بدل عطا فرمایا ہے یوم الاضحیٰ و یوم الفطر (ابو داؤد)

www.abulhasanalinadwi.org

پڑھی وہ بھی بارش کی وجہ سے (اگر اس حدیث میں جو سنن ابی داؤد و ابن ماجہ میں ہے کوئی کلام نہ کیا جائے) لیکن معمول عیدگاہ ہی میں نماز پڑھنے کا رہا۔"[1]

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب عیدین اور اس کے اہتمام و احکام کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"ہر ملت کے لئے ایک ایسا مظاہرہ اور اجتماع ضروری ہوتا ہے جس میں اس کے سب ماننے والے جمع ہوں تاکہ ان کی شوکت و کثرت تعداد ظاہر ہو، اور اسی لئے عیدین میں تمام لوگ حتیٰ کہ عورتوں اور بچوں کا نکلنا بھی مستحب قرار دیا گیا ہے، ان کو عیدگاہ سے علیحدہ ایک جگہ بیٹھنے اور مسلمانوں کی دعوت و اجتماع میں شریک ہونے کا حکم ہے، اور اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جانے میں دوسرا اور آنے میں دوسرا راستہ اختیار فرماتے تھے تاکہ مسلمانوں کی شان و شوکت کا نقشہ دونوں طرف کے لوگوں کے سامنے آجائے۔"[2]

بدعت، تحریف اور انتشار سے حفاظت کے لئے جمعہ اور جماعت کی اہمیت و ضرورت

جمعہ اور جماعت کا اس دین کی سلامتی و حفاظت اور اسلامی شریعت اور دینی ماحول کی ان بنیادوں کے بقا و استحکام میں بڑا دخل ہے، جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام امت کے لئے چھوڑ کر گئے تھے، اس کی وجہ سے یہ دین تحریفات کا شکار ہونے اور بازیچۂ اطفال بننے سے محفوظ رہا، اگر خدانخواستہ مسلمان یہ دو چیزیں جمعہ اور جماعت ترک کر دیتے اور اپنے اپنے گھروں میں نماز ادا کر لیا کرتے تو اس وقت ان نمازوں کی شکل و صورت تک پہچانی نہ جاتی، یا کم از کم وہ بہت کچھ اپنی ابتدائی اور اصلی شکل کھو چکی ہوتیں، اور ان میں بڑا اختلاف پیدا ہو جاتا، اس کے نتیجہ میں مسلمانوں میں نماز کے مختلف نمونے رائج ہو جاتے اور جس طرح ان کی مدنی اور اجتماعی زندگی کے مختلف مظاہر اور رخ ہیں، اسی طرح ان کی عبادتوں اور نمازوں کے بھی مختلف

---

[1] زاد المعاد ج ۱ ص ۱۱۹ [2] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۲۳

www.abulhasanalinadwi.org

مظاہر اور مختلف انفرادی اور مقامی نمونے بن جاتے اور یہودیت و نصرانیت اور ہندوستان کے مشرکانہ مذاہب کی طرح ہر شہر اور ہر ملک کے مسلمان ایک نئی طرز کی نماز پڑھتے نظر آتے اس لحاظ سے "جماعت" عبادات میں وحدت و یکسانی اور احکام کی حفاظت کا بہت اہم اور موثر ذریعہ ہے۔

ان مذکورہ بالا حکمتوں اور مصلحتوں نیز اور بہت سے دوسرے مصالح کی بنا پر (جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا) جماعت سے نماز انفرادی نماز سے بدرجہا افضل قرار دی گئی ہے، حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ "جماعت کے ساتھ آدمی کی نماز گھر میں یا دکان پر نماز پڑھنے سے پچیس[۲۵] درجہ افضل ہے، اس لئے کہ جب وہ وضو کرتا ہے، اور اچھی طرح وضو کرتا ہے، پھر مسجد کی طرف چلتا ہے، اور صرف نماز اس کی غرض ہوتی ہے، تو اس کے ہر قدم پر ایک درجہ بلند کیا جاتا اور ایک گناہ معاف کیا جاتا ہے، جب وہ نماز شروع کرتا ہے، تو جب تک وہ اپنے مصلّے سے نہیں ہٹتا اس وقت تک فرشتے اس پر رحمت و سلام بھیجتے رہتے ہیں اور یہ کہتے ہیں "اللھم صل علیہ اللھم ارحمہ" (اے اللہ اس پر اپنا سلام و رحمت بھیجئے، اے اللہ اس پر رحم فرمائیے) اور جب تک کوئی آدمی نماز کے انتظار میں رہے گا نماز ہی میں سمجھا جائے گا"[۱] حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ "جماعت کے ساتھ نماز انفرادی نماز سے ۲۷ درجہ افضل ہے"[۲]

"نماز" دوسرے مذاہب میں

قبل اس کے کہ ہم اسلامی نماز کی دوسری قسموں کا جائزہ لیں اور اس کے خطوط و نقوش اور زندگی اور نفس انسانی پر اس کے اثرات کا مطالعہ کریں مناسب ہے کہ ان مذاہب کے طریقۂ عبادت پر بھی ایک تحقیقی نظر ڈال لی جائے جو اسلام سے قبل موجود تھے، اور آج بھی پائے جاتے ہیں، نیز ان مذاہب میں "نماز" کے حقیقی تصور و مفہوم، اس کی شکل و صورت اور آداب و احکام سے براہ راست واقفیت حاصل کی جائے،

---

[۱] صحاح ستہ باستثناء نسائی [۲] موطا، بخاری، ترمذی، نسائی

www.abulhasanalinadwi.org

اگرچہ اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ خیالات وافکار، تعبیرات وتفسیرات اور قیاسات وتخمینات کے اس جنگل میں ایک واضح متعین اور سچی تصویر پیش کرنا (جس طرح اسلامی نماز کی پیش کی گئی ہے) بیحد مشکل کام بلکہ قریب قریب ناممکن ہے لیکن اس کے صحیح علمی موازنہ اور جائزہ سے ہمیں اسلام کی نعمت کی قدر آئے گی اور اس کے بتائے ہوئے احکام کی قدر وقیمت کا صحیح اندازہ ہوگا، اور یہ معلوم ہوسکے گا کہ اتنے طویل زمانہ کے بعد بھی اور اتنی مختلف النوع اقوام میں رہ کر بھی اس کا دامن ہر قسم کی تحریف اور تغیر وتبدل کی آلودگی سے آج تک پاک ہے اور وہ اپنی صحیح شکل وصورت پر قائم ہے۔

یہودی مذہب میں "نماز" کی حقیقت

"نماز" کے احکام ومسائل اور اس کی شکل وہیئت کی تاریخ یہودی مذہب اور یہودی لٹریچر میں بہت مبہم، الجھی ہوئی اور بہت تاریکی میں ہے، اور اس میں کوئی ایسی یکساں شکل نہیں ملتی جو ہر دور اور ہر نسل میں مشترک ہو، اسلامی نماز کے برعکس اس کا تخیل اور احکام وقوانین زمانہ کے ساتھ بدلتے رہے اور اصلاح وتجدید کا ہاتھ آزادی کے ساتھ اس پر عمل کرتا رہا اور آج تک تغیر وتبدل اور تجدد کی لہریں اس پر اثر انداز ہیں، ایک مورخ اور مبصر کے لئے اس کی اصلی ہیئت اور ابتدائی شکل وصورت کا سراغ لگانا (جس پر انبیائے بنی اسرائیل اور علماء وفقہائے یہود عہد قدیم میں کاربند تھے) جوئے شیر لانے سے کم نہیں، ہم یہاں ایک بڑے یہودی فاضل (SAMUEL S. COHON) کی بحث کا خلاصہ پیش کرتے ہیں، جو امریکہ کے ایک بڑے عبرانی دارالعلوم[1] میں یہودی مذہب ودینیات کے پروفیسر ہیں، وہ لکھتے ہیں:-

"اگرچہ توریت میں نماز کا صریح حکم نہیں ملتا ہے اس لئے کہ عہد قدیم میں عبادات کی روایتی شکل صرف ذبیحوں اور قربانیوں تک محدود تھی[2]، تاہم وہ دعا ونماز کو تقرب الٰہی کا ذریعہ سمجھتے تھے یہود کے احبار اکثر قربانیوں کے اس

---

[1] HEBREW UNION COLLEGE, CINCINNATI, OHIO.

[2] لیکن قرآن مجید سے جو کتب سابقہ کا محافظ ونگہبان بھی ہے بنی اسرائیل میں نماز کے وجود کا پتہ چلتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس امت

(باقی ص ۹۳ پر)

www.abulhasanalinadwi.org

روائتی اور رسمی نظام پر سخت گرفت کی ہے اور دعا و انابت کی زندگی پر زور دیا ہے "بنی ارمیا" زندگی کی مشکلات، انہماک اور مشغولیتوں سے فرار اختیار کرتے ہوئے اکثر توبہ و استغفار اور خدا کے سامنے عبودیت اور تذلل کا سہارا لیتے تھے، انھوں نے بابل کے جلاوطن یہودیوں کو یہ نصیحت کی تھی کہ وہ اپنے نفوس کو دعا اور عبادات کے ذریعہ خدا کے استحضار اور تقرب کا عادی بنائیں "سفر مزامیر" کے مولفین اس پر کاربند رہے اور ان کی دینداری اور تورع نے یہودی مذہب میں انفرادی و جماعتی نماز کی تشکیل کی اور اس کو ایک خاص سانچہ میں ڈھالا"

یہود کے عالموں نے توریت میں نماز کی اساس کو تلاش کرتے ہوئے "سفر تثنیہ" کی ایک آیت سے استدلال کیا ہے جو یہ ہے :-

"تم اس سے محبت کرو اور اپنے معبود کی، اپنے سارے دل اور ساری جان سے عبادت کرو (۱۲ - ۱۰)"

عبرانی الفاظ جو دعا و عبادات کے معنی میں آتے ہیں اور جو یہودیوں کی نماز پر روشنی ڈالتے ہیں ان میں سب سے زیادہ مشہور لفظ (TEPHILLAH) ہے اور گولڈزیہر نے اس کا ترجمہ خدا کو حاکم سمجھتے ہوئے اس کے سامنے تضرع و مناجات اور اس کے سامنے جھک جانا کیا ہے۔

(باقی صہ ۹۲ کا) کے انبیاء و صلحا اس کی پابندی اور اہتمام کرتے تھے، سورہ انبیاء میں حضرت ابراہیمؑ حضرت اسحٰقؑ اور حضرت یعقوبؑ کے ذکر میں یہ آیت ہے "وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ" (الانبیاء ۷۳)

سورۂ مریم میں حضرت عیسیٰؑ کا قول خود موجود ہے "وَجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا" (مریم ۳۱)

سورۂ آل عمران میں ہے "يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ" ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہود نے بہت ابتدائی (آل عمران ۴۳) عہد سے نماز کے معاملہ میں غفلت و سستی سے کام لیتے ہوئے اس کو اپنے ہاتھ سے کھو دیا ہے چنانچہ سورۂ مریم میں ہے۔

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا (سورۂ مریم - ۵۹)

پھر ان کے بعد (بعض ایسے) ناخلف جانشین ہوئے جنھوں نے نماز کو برباد کیا اور خواہشات کی پیروی کی سو وہ عنقریب خرابی سے دوچار ہوں گے۔

www.abulhasanalinadwi.org

تین وقت کی نماز (فجر، ظہر اور غروب آفتاب) جو عہد ہیکل کے اہل دین و اہل تقویٰ کا شعار تھا، عہد اجبار میں انفرادی اور اجتماعی نماز کا باقاعدہ دستور بن گئی، ان تینوں نماز کے اوقات، ان کے طریقے، یوم السبت کے طریقے نئے چاند کی نماز، دوسرے اضافی مقدس ایام کی نماز، یوم کفارہ کی مخصوص نماز عہد ہیکل میں ذبیحوں اور قربانیوں کے مساوی قرار دے دیئے گئے۔

یہودیوں کے روائتی نظام عبادت میں عورتوں کو مردوں سے علیحدہ رکھنے کا حکم ہے اور سر کو ڈھانکنا اور سر جھکانا اور خاص نمازوں میں کھڑا ہونا[1] بھی فرض ہے، نمازی کو چاہئے کہ "عمیدا" اور "سفر الحذقیل" کی تلاوت کے وقت تین قدم پیچھے ہٹ آئے۔

صبح کی نماز میں نمازی کو ایک خاص چادر اوڑھنی پڑتی تھی اور مخصوص تعویذات جن کو "فلقطیر" کہا جاتا تھا دائیں بازو اور سر میں باندھنا پڑتا تھا، اور مردوں میں جن کی عمر ۱۳ برس سے متجاوز ہو گئی ہو ان کے لئے تعویذ باندھنا لازمی تھا، کفارہ کے دن وہ سفید طیلسان استعمال کرتے تھے (جس کو ان کے یہاں کفن میں استعمال کیا جاتا ہے) یہودی شریعت اماموں اور عام مقتدیوں میں کوئی تفریق نہیں کرتی بلکہ یہ کہتی ہے کہ اللہ کے سامنے وہ سب برابر ہیں۔

یہود کے تجدد پسند طبقہ نے عبادت میں موسیقی کا خاص طور پر اہتمام کیا ہے اور ہر نماز کے لئے مخصوص آہنگ اور نغمے وضع کئے ہیں تاکہ یہ عبادت دلوں میں اچھی طرح اتر سکے اور اپنا اثر کر سکے تجدد پسند یہودیت نے حسن ذوق و جمال پرستی کو بہت اہمیت دی ہے، جسمانی حرکات نماز سے کم سے کم کر دی ہیں، مردوں و عورتوں کی علیحدہ صفوں کا نظام ختم کر دیا ہے، سر ڈھانکنے اور چادروں کے استعمال کو بھی ضروری قرار نہیں دیا، اور چونکہ یہ تجدد پسند جماعت سنیچر اور ایام مقدسہ کی نمازوں پر قانع تھی اس لئے اب تعویذات کی رسم بھی

---

[1] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کی نماز میں سجدہ نہیں ہے چنانچہ قرآن مجید نے ان کی نماز کے ذکر کے وقت صرف رکوع کا ذکر کیا ہے "وارکعی مع الراکعین" (رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ)

www.abulhasanalinadwi.org

مٹا دی گئی اور قیام و سکوت اور سر خم کرنا بعض بعض موقعوں پر کافی سمجھا جانے لگا۔

یہودیوں کی نماز میں گانے اور موسیقی کی آمیزش نے نماز کے اہم اجزا اور اس کے مقاصد کو سخت نقصان پہونچایا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تجدد پسند اور قدامت پرست دونوں قسم کے افراد عبادت کی روح سے (جس کو خشوعِ قلب اور ظاہر و باطن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے) خالی اور محروم ہو گئے اور یہ سب ان نغموں اور سروں کی وجہ سے ہے جس کو اس فن کے ماہرین نے جو خود یہودی نہیں تھے وضع کیا تھا، اور جو یہودی ہیکلوں اور عبادات کی شکلوں پر ہولناک حد تک چھا گئے ہیں۔[1]

یہودیوں کے دائرۃ المعارف (جیوش انسائیکلوپیڈیا) میں "یہودیوں کی نماز" کے عنوان سے جو تفصیلات بیان کی گئی ہیں ان سے سطورِ بالا کی تصدیق ہوتی ہے، ہم اس کے چند اقتباسات یہاں پیش کرتے ہیں:۔

"اس حکم کے بموجب کہ "اے اسرائیل اپنے خدا سے ملاقات کے لئے ضروری تیاری کرو" نماز سے قبل یہودی خاص تیاریاں کرتے تھے، اور قدیم زمانہ کے صالح لوگ تو ان تیاریوں میں ایک ایک گھنٹہ صرف کر دیتے تھے، عزرا (EZRA) کے حکم کے بموجب نماز سے قبل جسم کو احتیاط سے دھونا ضروری تھا، نماز کے لئے مناسب کپڑوں کا پہننا بھی ضروری تھا۔

نماز کی دعا کو کھڑے ہو کر اور ارضِ مقدس کی طرف رخ کر کے پڑھا جاتا تھا اسی لئے لفظ (عمیدہ) رکھا گیا ہے۔

نماز کے لئے کسی چبوترہ پر نہیں چڑھنا چاہئے، بلکہ نیچی جگہ نماز پڑھنی چاہئے، پیروں کو ملا کر اور سیدھا رکھا جائے، جیسے کہ فرشتے کرتے ہیں، نماز پڑھنے والے کو اپنے ہاتھ پھیلا کر ان کو اپنے پاک حاکم کی طرف بلند کرنا چاہئے، اس کو اپنی نظر نیچی رکھنا چاہئے، تمہید و تمجید کے دوران اس کو جھک جانا چاہئے اور اللہ کے نام پر اٹھنا چاہئے۔

---

[1] JUDAISM-A WAY OF LLFE-PAGES-296, 316 TO 318 AND 358 TO 360

www.abulhasanalinadwi.org

"عمیداہ" کے بعد نمازی تین قدم پیچھے ہٹتا ہے، اور پھر داہنی اور بائیں طرف جھکتا ہے، یہ عمل زمانۂ قدیم کے بادشاہوں سے رخصت طلبی کی رسم سے مشابہ ہے۔

باقاعدہ نماز عام طور پر کم از کم دس بالغ افراد کی جماعت کے ساتھ ادا کی جاتی ہے، اور پبلک مقام پر نماز ادا کرنا انتہائی محمود متصور ہوتا ہے، نماز مردوں اور عورتوں کے لئے ضروری ہے، لڑکیوں کو نماز ممنوع ہے۔

نماز کی دعاؤں کی تصنیف و تالیف (اور اس کی تحمید و تمجید) اسّی نبیوں کے دور میں ایک سو بتیس[۱۳۲] بزرگوں کی طرف منسوب ہے، یہ معلوم نہیں کہ نماز کی دعائیں ابتداءً زبانی سکھلائی گئیں یا باقاعدہ ضبط تحریر میں آئیں، بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ مدت مدید تک لوگ ان کو حفظ کر کے دہراتے تھے شائد (GEONIC) کے دور تک یہی صورت رہی۔

امام مجتہد (JOHANNA) فرماتے ہیں کہ تین نمازیں، دن کے تین تغیرات سے متعلق ہیں، طلوع آفتاب دوپہر، اور غروب آفتاب[۱]"

رومن کیتھولک عیسائیوں میں نماز کی شکل

عیسائی نماز کی سب سے پہلی تشکیل چوتھی صدی میں "نیقا" کے جلسہ میں ہوئی[۲] اور روٹیکن کی کمیٹی آج تک اس میں ترمیمیں کرتی رہتی ہے، اور کیتھولک دنیا کو اس سے برابر باخبر رکھتی ہے، کلیسا کے مرکزی نظام کو بھی اس کا حق حاصل ہے کہ وہ نماز میں حسب خواہ تبدیلیاں کر سکے۔

---

[۱] JEWISH ENCYCLOPAEDIA [۲] "دائرۃ المعارف مذاہب و اخلاق" کے مضمون "نماز عیسائیوں میں" کے مقالہ نگار اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ حضرت مسیح نماز میں یہودیوں کے ساتھ شریک ہوتے تھے اور ہیکل کی عبادت میں بھی حاضر ہوتے تھے، یہی طرز عمل مسیحیت کے قدیم اماموں کا تھا، مسیحی عبادت اس عبادت کی اساس پر قائم تھی جس پر پہلی مسیحی نسل کا نشو و نما ہوا تھا اور یہ کہ کلیسا نے اپنا تعلق یہودیت سے منقطع نہیں کیا بلکہ یہ خود یہودیت تھی، جس نے مسیحیت کو خارج کر دیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

ذیل میں کیتھولک کلیسا کی "سرکاری" و روایتی نماز کا ایک نمونہ پیش کیا جاتا ہے جو ویٹیکن کمیٹی کے جاری کردہ تازہ ترین آخری بلیٹن "ST. PAUL PUBLICATIONS SERIES-"THE SACRIFICE OF THE MASS" کی روشنی میں مرتب کیا گیا ہے۔

پادری (امام) جب کلیسا میں داخل ہوتا ہے تو حاضرین اس کی تعظیم میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور وہ نماز کی نیت کرتے ہوئے کہتا ہے "باپ بیٹے روح القدس کے نام پر میں کلیسا کے مذبح کی طرف نماز پڑھتا ہوں" اس موقع پر امام اور مقتدیوں میں ایک مکالمہ ہوتا ہے جو خدا کی تقدیس و ثنا سے متعلق ہے۔

پھر امام اپنے گناہوں اور خطاؤں کا اعتراف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میں قدرت رکھنے والے اللہ اور مبارک مریم عذرا اور معزز فرشتہ میکائیل اور بپتسمہ دینے والے یوحنا اور اللہ کے مبارک رسول پطرس و پولس اور تمام مقدس ہستیوں اور تمام عیسائی بزرگوں اور تم سب کو گواہ بنا کر یہ اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے اتنے فکری لسانی اور عملی گناہ کئے ہیں جن کا شمار و حساب ناممکن ہے یہ گناہ میں نے کئے ہیں اور تنہا میں ان کا ذمہ دار اور جواب دہ ہوں، لہٰذا میں مبارک کنواری مریم، مبارک فرشتہ میکائیل اور مبارک بپتسمہ دینے والے یوحنا اور مبارک رسول پطرس و پولس اور تمام بزرگ و مقدس ہستیوں اور آپ سب سے اے بھائیو اس کا خواستگار ہوں، آپ اللہ مالک الملک سے میرے لئے دعا کریں۔

پھر جماعت اس کے لئے دعا کرتی ہے اور امام آمین کہتا ہے پھر پوری جماعت اعتراف کی یہی عبارت دہراتی ہے اور دعا کی طالب ہوتی ہے امام دعا کرتا ہے جماعت آمین کہتی ہے پھر امام اور جماعت کے درمیان دعا و رحمت و بخشش اور سب کے لئے امن اور مغفرت کی طلب سے متعلق ایک مکالمہ ہوتا ہے۔

پھر امام مذبح پر چڑھتا ہے اور لاطینی زبان میں ایک دعا پڑھتا ہے جس میں خدا سے گناہوں کی معافی مانگی جاتی ہے اور حضرت مسیح اور ان مقدس ہستیوں کا توسل اختیار کیا جاتا ہے جن کے آثار کلیسا میں موجود ہیں، پھر امام کہتا ہے کہ اے اللہ ہم پر رحم فرما، اے عیسیٰ مسیح ہم پر رحم فرما، اے عیسیٰ مسیح ہم پر رحم فرما

www.abulhasanalinadwi.org

یہ الفاظ وہ دو مرتبہ دہراتا ہے، واپس آکر وہ اللہ تعالیٰ سے رحمت کا طلب گار ہوتا ہے، پھر جماعت واپس آتی ہے، اور اللہ تعالیٰ سے رحم کی التجا کرتی ہے۔

حمد و ثنا (GLORIA) جو عبادت کے اوقات میں کلیسا میں پڑھے جاتے ہیں، حمد و ثنا کے الفاظ پر مشتمل ہوتے ہیں اور اس میں باپ اور اکلوتے بیٹے کے الفاظ بار بار دہرائے جاتے ہیں، اور مسیح علیہ السلام کو اللہ کا میمنہ (بھیڑ) کہا جاتا ہے، اور یہ کہا جاتا ہے کہ وہ بندوں کے گناہ معاف کرتے ہیں، اور اللہ کے داہنی طرف بیٹھے ہیں، ان سے بار بار رحم و عفو طلب کیا جاتا ہے، اور اس کا اظہار کیا جاتا ہے کہ وہ ہر چیز کے مالک اور ہر چیز پر حاکم اور ہر چیز سے بالاتر ہیں۔

کتاب مقدس کا ایک اقتباس بھی جس کو پادری منتخب کرتا ہے، اس موقع پر پڑھا جاتا ہے، اور اس کی تلاوت کے وقت پوری جماعت تعظیماً کھڑی ہو جاتی ہے۔

کیتھولک کلیسا کی ہفتہ وار نماز جو اتوار کو ہوتی ہے، اس لحاظ سے عام نمازوں سے مختلف ہے کہ اس میں امام ضرورت و حالات کے مطابق ایک خطبہ بھی پڑھتا ہے، اور کلمۂ ایمان کی تجدید کرتا ہے، اس کلمہ میں حضرت مسیح کے متعلق یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ وہ اللہ کے اکلوتے بیٹے ہیں، اسی سے پیدا ہوئے ہیں، اور تمام زمانوں سے ماورا ہیں، رب الارباب ہیں، نور النور ہیں، معبود برحق ہیں، اور وجود میں بھی اپنے باپ کے شریک ہیں، ان ہی سے تمام موجودات وجود میں آئے، اور وہ آسمانوں سے ہماری نجات کے لئے اس دنیا میں تشریف لائے (اس موقع پر حاضرین گھٹنوں کے بل گر جاتے ہیں) اور مریم عذرا اور روح القدس کے واسطہ سے جو انسانی شکل میں ظاہر ہوئے، یہ کلمہ حضرت مسیح کی الوہیت کے الفاظ اور صلیب و کفارہ کے عقیدہ اور مقدس عالمی کلیسا کی وحدت کے بارہ میں ہوتا ہے، اور اس میں کلیسا کو مرکز ہدایت بپتسمہ کا مرکز جشر اور حیات بعد الموت کا مرکز قرار دیا جاتا ہے۔

نماز کے بعد "عشاء ربانی" کا انتظام ہوتا ہے، اس کی اصل یہ ہے کہ عہد قدیم میں کلیسا میں آنے والے

www.abulhasanalinadwi.org

اپنے ساتھ روٹی اور انگور کی شراب لاتے تھے، اور مذبح پر چڑھاتے تھے، پادری تھوڑی سی شراب لے کر روٹی میں مل دیتا تھا، ان کا عقیدہ تھا کہ یہ روٹی اور شراب حضرت مسیح کے گوشت اور خون میں تبدیل ہو جاتی ہے اور جو ان کو کھاتا ہے اس کے اندر حضرت مسیح کا گوشت و خون سرایت کر جاتا ہے، عشاء ربانی، رات کے اس آخری کھانے کو بھی کہتے ہیں، جو حضرت مسیح نے اپنی زندگی میں تناول فرمایا لیکن شراب اور روٹی کی جگہ اب پیسوں نے لے لی ہے، جو آنے والے پادری کو پیش کر دیتے ہیں، لیکن اس کے باوجود کلیسا کے امام اور پادری اس رسم کو جاری رکھتے ہوئے حاضرین میں روٹی ضرور تقسیم کرتے ہیں۔

ان سب چیزوں کا اختتام ایک مختصر دعا پر ہوتا ہے جس پر یہ نماز ختم ہوتی ہے، اور جماعت منتشر ہو جاتی ہے۔

پروٹسٹنٹ فرقہ میں "نماز" کا طریقہ

پروٹسٹنٹ گرجاؤں کی نماز بشمول میتھوڈسٹ (METHODIST) اور (ANGLICAN) اعتراف توبہ و استغفار، تجدید ایمان، بنیادی عقائد کی توثیق، حمد و ثنا اور دعا و تلاوت انجیل میں کیتھولک نماز سے ملتی جلتی ہے، لیکن اس کا اسلوب اور صیغے اپنے مخصوص کلیسائی نظام کے ماتحت اور کئی وجوہ سے کیتھولک نماز سے مختلف ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اس میں لاطینی زبان استعمال نہیں کی جاتی، دوسرے یہ کہ اس کی دعاؤں کے سارے صیغے ترانوں اور گانوں کی شکل میں ہیں، اور ہر دعا کی لے اور آہنگ جدا اور مقرر ہے[1] ایک خاص بات یہ ہے کہ خدا کے ذکر کے وقت خاموشی و سکون کا لحاظ رکھا جاتا ہے اور حضرت مسیح کی الوہیت کے سلسلہ میں صریح اور کھلی ہوئی عبارتیں حذف کر دی گئی ہیں، بعض ادعیہ میں سکوت و تدبر بھی ملتا ہے، اس اجتماعی روائتی دعا کا ایک نمونہ یہاں پیش کیا جا رہا ہے:-

"اے آسمانی باپ تو نے اپنی محبت سے ہم کو پیدا کیا اور اپنی محبت سے باقی رکھا، تیری محبت و شفقت

---

[1] نمونہ کے طور پر ملاحظہ ہو THE METHODIST HYMNAL-THE METHODIST PUBLISHING HOUSE, (U.S.A.)

www.abulhasanalinadwi.org

ہماری تکمیل کر سکتی ہے، ہم پورے عجز کے ساتھ اعتراف کرتے ہیں کہ ہم پورے دل وجان کے ساتھ تجھ سے محبت نہیں کر سکے اور ایک دوسرے سے بھی محبت نہیں کر سکے جیسا کہ حضرت عیسیٰ مسیح نے ہم سے محبت کی ہماری روحیں ضرور زندہ ہیں لیکن ہماری انانیت اور خود غرضی نے ہم کو تجھ سے دور کر دیا ہے اور ہم نے تیری نصرت وتائید سے غفلت برتی، ہم سے جو کچھ سرزد ہوا اس کو معاف فرما اور ہمارے موجودہ حال کو درست فرما، اور مستقبل میں اپنی روح سے ہماری رہنمائی فرما یہاں تک کہ تیری خلقت کی عظمت ہمارے نفوس میں اور خلق کے نفوس میں عیسیٰ مسیح کے واسطہ سے جو ہمارے مولا اور ہمارے بادشاہ ہیں اچھی طرح روشن ہو جائے"۔

انجلیکانی کلیسا کی نماز میں عبادت سے پہلے گھنٹیاں بجائی جاتی ہیں، یہ نماز کا اعلان ہوتا ہے، انجیل کے ایک اقتباس کی تلاوت کی جاتی ہے اور "ایمان کا کلمہ" ترانے اور کورس کے انداز میں پڑھا جاتا ہے۔

خاص خاص موقعوں پر "عشاء ربانی" کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے اور اس کلیسا کے پیرو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ یادگار منا کر وہ اپنے نفوس کا تزکیہ کر رہے ہیں اور اپنی ارواح کو قوت پہونچا رہے ہیں[1]۔

ہندو مذہب میں عبادت کے طور طریق

جہاں تک ہندو مذہب کا تعلق ہے اس کی نماز (یا زیادہ صحیح الفاظ میں پوجا) کا سب سے نمایاں وصف اس کے طریقوں، شکلوں، رسموں، روائتوں اور حکموں کا قدم قدم پر اور ہر ہر چیز میں اختلاف ہے، یہ اختلاف لسانی، صوبائی، مذہبی اور تاریخی ہر سطح پر ملتا ہے، اس کا سراغ لگانے والا اپنے کو ایسے جنگل میں پاتا ہے جس میں سخت نشیب وفراز اور کثرت سے دلدل اور گھاٹیاں ہیں، دراصل یہ ہندوستان کے تمام عقائد، نظریات، مذاہب اور رسم ورواج کی خصوصیت ہے، یہی وجہ ہے کہ ہندو مذہب کے واضعین قانون اور علماء مذاہب کو "ہندو" کی ایک متعین اور منطقی تعریف پیش کرنے میں بڑی زحمت پیش آئی۔

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو THE BOOK OF COMMON PRAWERE CHURCH OF INDIA, PAKISTAN, BURMA AND CEYLON, 903.

www.abulhasanalinadwi.org

ہندو مذہب کی مفروضہ عبادت میں سخت قسم کا اضطراب اور انتشار پایا جاتا ہے، اس میں بہت وسعت، گنجائش اور لچک ہے، اس کی شکلیں اور طریقے مختلف ہیں، اس کے حدود اور شرائط مبہم اور اس کی ہیئت و شکل غیر واضح اور غیر متعین ہے، یہاں نہ شکل و صورت کی یکسانی پائی جاتی ہے، نہ عقائد و بنیادی خیالات میں وحدت، یہی وجہ ہے کہ کسی ایک کتاب میں اس کی مکمل تصویر نہیں ملتی اور فلسفیانہ دینیات کے کسی ہندو فاضل نے اس کا مکمل نقشہ اب تک پیش نہیں کیا، زیادہ سے زیادہ جو تصور ہندوستان کے سب سے بڑے رقبہ اور عبادت کی عام شکلوں کی نمائندگی کر سکتا ہے وہ مدراس یونیورسٹی میں شعبۂ فلسفہ کے صدر (T.M.P.MAHADEVAN) کی کتاب[1] (OUTLINES OF HINDUISM) (ہندو مذہب کا خاکہ یا اجمالی تعارف) میں ملتا ہے، وہ ہندو مذہب کے نظام عبادت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں:۔

"وشنو، شیو" اور "شکتی" عوام میں سب سے زیادہ مقبول بت ہیں، جن کی مندروں اور گھروں میں پوجا کی جاتی ہے، لیکن شمال میں کرشن کی اور جنوب میں (KARTIKAYA) کی بے شمار مورتیاں ہندوؤں کے سمجھدار طبقہ میں زیادہ تر ہر دلعزیز ہیں، تمام ہندو (طبقات اور فرقوں کے اختلاف کے باوجود) ان تینوں کی پوجا کرتے ہیں، اور اس میں ایک معبود کا تصور کرتے ہیں۔

ایک ہندو اپنے گھر میں اپنے معبودوں کا استقبال ایک معزز مہمان کی طرح کرتا ہے، وہ جب مندر میں داخل ہوتا ہے تو اپنے ساتھ پھل پھول کا تحفہ لے جاتا ہے تاکہ اس کو اپنے "شاہنشاہ" کی خدمت میں پیش کر سکے، عبادت کے تمام طریقوں میں بھی فرائض میزبانی کی پوری نقل کی جاتی ہے، وہ اپنے معبود کو خوش آمدید کہتا ہے، اس کے لئے ایک جگہ متعین کر دیتا ہے، اس کے پیر دھوتا ہے، اور اس کے سامنے محبت و احترام کے طور پر صندل اور چاول پیش کرتا ہے، مورتی کی گردن میں ایک مالا ڈالتا ہے، اور اس کی پیشانی پر قشقہ لگاتا ہے، اس کی خدمت میں خوشبو اور لوبان وغیرہ

---

[1] اس کتاب کا مقدمہ ہندوستان کے سابق صدر جمہوریہ ڈاکٹر رادھا کرشنن نے لکھا ہے اور کتاب کی تعریف کی ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

پیش کرتا ہے، چراغ جلا کر اس کے چاروں طرف گھماتا ہے، اس کے سامنے کھانا رکھتا ہے، اس کے بعد پان پیش کرتا ہے، کافور جلاتا ہے، اور اس کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر سونا پیش کرتا ہے، جس کو (کرن پھول) کہتے ہیں، اور آخر میں اپنے دیوتا یا دیوی کو رخصت کرتا ہے۔

مندروں میں دیوی دیوتاؤں سے ایسا معاملہ کیا جاتا ہے، جیسا بادشاہوں کے ساتھ کیا جاتا ہے، موسیقی اور گانے سے ان کو بیدار کیا جاتا ہے، روائتی غسل کے بعد ان کو شاہانہ پوشاک پہنائی جاتی ہے، پھولوں اور زیورات سے ان کو آراستہ کیا جاتا ہے، مختلف قسم کی رنگ برنگی روشنیاں ان کے چاروں طرف پھرائی جاتی ہیں، ان کے کھانے پینے کے لئے بھی اوقات متعین ہیں، وہ روزانہ شاہانہ مجلس کرتے ہیں، اور اپنے "بندوں" کو اپنے مشاہدہ کی عزت بخشتے ہیں، ان کی شکایتیں سنتے ہیں، اور ان کو اپنی رحمت و شفقت کے سایہ میں لیتے ہیں، مختلف تہواروں کے موقع پر وہ شاہانہ جلوس کے ساتھ نکالے جاتے ہیں۔

یہ مبہم انسانی ڈرامہ تقریباً ہندوستان کے ہر گھر میں دیکھا جا سکتا ہے، اور اس کا مقصد ان لوگوں کو اپنے دام فریب میں لانا ہے، جو اس اکتا دینے والی زندگی کے راستوں سے جو گہری تاریکی کے علاقوں تک لے جاتے ہیں چھٹکارا نہیں پا سکتے"[1]

ہندو نظام عبادت کی تصویر ایک یوروپین مصنف نے بھی کھینچی ہے، اور یہ بھی اس تصویر کے مطابق بلکہ اس سے زیادہ واضح اور مفصل ہے جتنی اس ہندو مصنف نے پیش کی ہے (LOUIS RENON) اپنی کتاب (HINDUISM) میں لکھتا ہے:-

"باوجودیکہ قدیم زمانہ میں بتوں کی پوجا نہیں تھی، لیکن مجسمہ سازی اور سنگ تراشی کے فن کی ترقی کے ساتھ بتوں کی پوجا کی رسم بھی ترقی کرتی گئی اور امتداد زمانہ کے ساتھ مجسمہ سازی

---

[1] OUTLINES OF HINDUISM - PAGES 48 TO 50

www.abulhasanalinadwi.org

اور کسی موزوں مقام پر اس کو نصب کرنا اور ایک زندہ وجود کی حیثیت سے اس کا دھیان اور تیل سے اس کی مالش بہت اہم روایتیں بن گئیں۔

دینی گرمجوشی اور سرگرمی کا بنیادی پہلو اور اظہار کا طریقہ عبادت ہے، اور دینی حلقوں میں اس کا معروف طریقہ یہ ہے کہ معبود کے ساتھ ایک معزز مہمان کا سا برتاؤ کیا جاتا ہے، پجاری اس کو نہلاتا ہے، کپڑے پہناتا ہے، آراستہ کرتا ہے، خوشبو لگاتا ہے، پھر اس کو کھانا پیش کرتا ہے، اس پر پھول نچھاور کرتا ہے اور ایک جلتی ہوئی شمع یا دیا لے کر گاتا ہوا اور منتر پڑھتا ہوا، اس کا طواف..... کرتا ہے کبھی ایک شاندار جلوس میں اس کو لے کر نکلتا ہے، یہ وہ جگہ ہے جہاں قدیم مذہبی کہانیاں عوامی داستانوں سے مل جاتی ہیں، یہ رسمیں عوامی اجتماعی شکل میں مندروں میں انجام دی جاتی ہیں اور اس میں کوئی شخص اپنا شخصی فریضہ ادا کرنے سے قاصر نہیں رہتا۔

بعض لوگ بلکہ شاید عوام کا ایک بہت بڑا طبقہ ان بتوں کو معبود ہی سمجھتا ہے، اور اسی لئے "مورتی پوجا" کا لفظ مستعمل ہے، بعض لوگوں کے نزدیک بت صرف مخصوص اقدار کا رمز ہوتے ہیں، ان کی عبادت یا ان کی تقدیس دراصل معنوی اقدار کی مادی شکل کا مظاہرہ ہے اور بس۔

اگر پوجا کرنے والا کٹر مذہبی ہوتا ہے تو وہ پوجا شروع کرنے سے پہلے زبردست تیاریاں کرتا ہے، غسل کرتا ہے، اور پاک ہوتا ہے، اور برت کے ذریعہ اپنی غذا بھی کم کر دیتا ہے، ریاضت بھی کرتا ہے، اور سانس روک کر جسم کی مخصوص ہیئت کے ساتھ بیٹھتا ہے، اور تصور کرتا ہے کہ اس کا معبود اس پر حاوی اور اس میں جاری و ساری ہو گیا ہے، وہ خاموشی کے ساتھ مقدس الفاظ "منتر" پڑھتا ہے، کبھی وہ ایک لفظ سے زیادہ نہیں ہوتا اور کبھی سو سو لفظ یا اس سے بھی بڑھ جاتا ہے، اگر یہ کلمات طویل ہوں اور ان کو بار بار دہرایا جائے تو پھر حرف و صوت کی اہمیت باقی نہیں رہ جاتی، وہ مجرد شکل ہو جاتے ہیں، کبھی کبھی معانی سے محروم بھی ہو جاتے ہیں کبھی کبھی

www.abulhasanalinadwi.org

صرف "رام رام" پر اکتفا کرلی جاتی ہے، اس طرح یہ عبادت خیال کو ایک نقطہ پر مرکوز کرنے میں مدد دیتی ہے اور ان کا عقیدہ ہے کہ اس میں انسان کو امان ملتی ہے، اس کی نذریں پوری ہوتی ہیں، اور گناہ معاف ہوتے ہیں۔

عبادت کے دوسرے مراسم میں مقدس کتابوں کی تلاوت اور اس سے آگے بڑھ کر مخصوص طریقہ سے مراقبہ بھی شامل ہے جس کی تشریح و تفصیل یوگ کی کتابوں میں ملتی ہے، یہ ممکن ہے کہ یہ مراقبہ بے خودی اور انانیت سے آزادی کی ایک کیفیت پیدا کر دیتا ہو اور روح اس کے ذریعہ کسی حد تک ابدی اور لامحدود صداقت کے ساتھ ہم آہنگ ہو جاتی ہو اور یہی وہ چیز ہے جس کو ہندوستان کے تمام مذاہب مقصد اصلی اور آخری و حقیقی منزل سمجھتے ہیں۔

ایک حد تک فرض عبادت وہی ہے جو ایک فرد اپنے گھر میں دن میں تین بار ادا کرتا ہے، (صبح، دوپہر، شام) بہت سے لوگ اپنے معبودوں، دیویوں، دیوتاؤں اور بزرگوں کے لئے نذریں بھی پیش کرتے ہیں[1]۔

عبادت کے ان طریقوں اور رسموں کے (جو ہندوستان کے مختلف حصوں اور مختلف ماحول سے تعلق رکھتی ہیں) ایک جائزہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ دو چیزیں ایسی ہیں جن میں یہ سارے طریقے (خواہ وہ ملک کے کسی حصہ میں ہوں) متحد ہیں۔

پہلی چیز موسیقی اور گانے سے حد سے بڑھی ہوئی دلچسپی ہے، مشکل سے کوئی مندر اور معبد، خاص طریقہ سے تالی پیٹنے اور گانے بجانے سے خالی ملے گا، موسیقی اور گانے ہندو مذہب کے خمیر میں شامل ہیں، اور اس کے نظام میں بنیادی اہمیت رکھتے ہیں، ہندو مذہب کے فلسفیوں، پنڈتوں اور پروہتوں نے پوجا کرنے والوں کے دلوں میں سوز و گداز پیدا کرنے کے لئے ہمیشہ اس کا سہارا لیا، درحقیقت اس میں وہ تمام

---

[1] LOUIS RENON—HINDUISM : P. 14, 15, 16

www.abulhasanalinadwi.org

مذاہب شامل ہیں جو انسانی تجربات پر اپنی اساس رکھتے ہیں، اور تحریف کا شکار ہو چکے ہیں اور ان میں شرک داخل ہو گیا ہے، اللہ تعالیٰ عہدِ جاہلیت کے عربوں کے متعلق ارشاد فرماتا ہے:۔

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً[1] (سورۂ انفال - ۳۵)

اور (خود) ان کی نماز (ہی) خانہ (کعبہ) کے پاس کیا تھی، بجز سیٹی اور تالی بجانے کے۔

اگر ان دلسوز گانوں، پُرسوز موسیقی اور ان دل نواز تالیوں سے بعض لوگوں کے خیال کے مطابق دلوں میں کچھ محبت و گداز ضرور پیدا ہوتا ہے تو دوسری طرف ان سے خشوع و خضوع، سکینت و طمانیت، اور وقار و سنجیدگی کے مقصد کو جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے بیحد ضروری ہے، بڑا نقصان پہونچا ہے۔

دوسری وحدت، جو زمان و مکان اور طرزِ عبادت کے اختلاف کے باوجود تمام فرقوں اور طبقوں میں پائی جاتی ہے، وہ مورتی پوجا ہے، اور ہندو فلسفہ کا اس کی افادیت پر اصرار ہے، سب سے زیادہ تعجب اس پر ہوتا ہے کہ چھٹی صدی مسیحی میں ہندو مذہب کے ایک بہت بڑے مصلح شنکر اچاریہ نے بھی (جنھوں نے ہندوستان سے بودھ مت کا خاتمہ کر کے قدیم ہندو مذہب کو پھر سے زندہ اور رائج کیا) بتوں اور مجسموں کی عبادت کی پرزور وکالت کی ہے اور وہ اس کو مذہبی فکر کی ترقی کا ایک طبعی اور ناگزیر مرحلہ سمجھتے ہیں (V. S. GHATE) جو بمبئی یونیورسٹی میں ہندو مذہب کے شعبہ کے صدر ہیں، وہ "مذاہب و اخلاق کے انسائیکلوپیڈیا" میں اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں:۔

"شنکر اچاریہ نے مورتیوں کی پوجا کے عقیدہ کی مخالفت نہیں کی، وہ مجسمہ کو رمز اور مظہر سمجھتے ہیں، انھوں نے قدیم رسومات کے نظام (RITUALISM) اور مکافاتِ عمل (کرم) کے قانون کی مذمت کی ہے لیکن ہندو عوام کے مقبول دیوی دیوتاؤں کی طرف سے دفاع کیا ہے وہ کہتے ہیں۔

---

[1] روح المعانی میں علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں کہ "عرب جاہلیت میں برہنہ طواف کرتے تھے، انگلیوں میں انگلیاں ڈالے ہوئے سیٹی بھی بجاتے تھے، اور تالیاں بھی پیٹتے جاتے تھے، نیز ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر جزء ثانی ص ۳۰۷

www.abulhasanalinadwi.org

"اصنام پرستی تغیر و انقلاب کے خاص مرحلہ میں ہماری ایک فطری ضرورت ہے، جب دینی روح اپنے کمال کو پہونچ جائے گی اور پختہ ہو جائے گی اس وقت انسان وثنیت سے مستغنی ہو جائے گا اور اس وقت اس کے لئے ان رموز و مظاہر سے نکل آنا ضروری ہوگا"[1]

مورتی پوجا نے (خواہ ہندوستان کے دانشور اور فلسفی اس کی کیسی ہی حکمتیں بیان کریں اور اس کو کتنا ہی رمز اور عبوری مرحلہ قرار دیں) توحید کے خالص عقیدہ اور خدائے واحد کے ساتھ تعلق کو سخت نقصان پہونچایا ہے، یہ پجاری عملاً صرف انھیں مورتیوں کے ہو کر رہ گئے ہیں، جن کی یہ پوجا کرتے ہیں اور ان ہی پر بھیانا چاہتے ہیں، وہ ان کے سوا کسی اور چیز سے آشنا نہیں، ضرورت اور مصیبت کے وقت ان کو اس خدا کی طرف رجوع کرنے اور اس کو یاد کرنے کی نوبت بھی نہیں آتی جس کو وہ اصل حقیقت اور اصلی غرض و غایت بتاتے ہیں، جو شخص اس عبوری مرحلہ کو عبور کر کے "حقیقت ابدی" تک پہونچتا ہے اور (ان فلسفیوں کے نزدیک) عبادات کے مقصود تک رسائی حاصل کرتا ہے اور عبادت و دعا میں اخلاص پیدا کرتا ہے، وہ معدوم کے حکم میں داخل ہے اور ہو سکتا ہے کہ ان ملکوں اور قوموں میں ان کی تعداد انگلیوں پر شمار کی جا سکے، حضرت ابراہیمؑ کی زبان پر بے اختیار جو شکوہ اور فریاد جاری ہو گئی تھی، اور جس کو قرآن مجید نے نقل کیا ہے، وہ در حقیقت ہر زمانہ کے نظام شرک و بت پرستی پر صادق آتی ہے "رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ" (اے میرے پروردگار ان (بتوں) نے بہت سے لوگوں کی راہ ماری)[2] یہ بت ان کے دل و دماغ پر چھا چکے ہیں، ان کے

---

[1] ملاحظہ ہو مقالہ شنکراچاریہ (چوتھا ایڈیشن ۱۹۵۸ء جلد ۱۱) ENCYCLOPAEDIA OF RELIGION AND ETHICS- (FOURTH EDITION) 1958, VOL. II.

[2] فاضل گرامی مولانا سید مناظر احسن گیلانی نے اپنے ایک مضمون میں بڑی خوبی کے ساتھ اس نکتہ کی طرف توجہ کیا ہے کہ "رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ" کا مطلب یہ ہے کہ ان بتوں اور مورتیوں نے ہزار ہا ہزار مخلوق کو اپنے ساتھ الجھا لیا ہے، اور اپنے میں اس طرح مشغول کر لیا ہے کہ ان کو برسوں اور صدیوں معبود حقیقی کی طرف توجہ کرنے اور اس سے براہ راست تعلق پیدا کرنے کا خیال ہی نہیں پیدا ہوتا اور نہ اس کی کبھی توفیق ہوتی ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

ریشہ ریشہ میں سرایت کر گئے ہیں، ان کو اپنے معبود برحق سے بالکل غافل کر دیا ہے، اور اس کے نتیجہ میں وہ خدا کی عبادت کی دولت و سعادت سے یکسر محروم ہو گئے ہیں۔

سنن و نوافل اور وتر کی نماز

دوسرے مذاہب میں نماز کی شکلوں کا جائزہ لینے کے بعد اب ہم پھر اسلامی نماز کی طرف واپس چلتے ہیں۔

نماز میں فرائض سے پہلے اور فرائض کے بعد کچھ اور نمازیں بھی ہیں جن کو "سنن راتبہ" کہتے ہیں، یہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں، اور آپؐ نے .... زمانۂ اقامت میں ان کو پابندی سے ادا فرمایا ہے، ان کی مثال ان خندقوں کی طرح ہے جو کسی قلعہ اور فصیل کی حفاظت کے لئے اس کے چاروں طرف کھودی جاتی ہیں، یا اس شہر پناہ کی طرح جو شہر کی حفاظت کے لئے تعمیر کی جاتی ہے، اور جن کو پار کئے بغیر دشمن قلعہ یا شہر میں داخل نہیں ہو سکتا، جو سنتوں کی حفاظت اور اہتمام کرتا ہے، وہ فرض نماز کا بدرجہ اولیٰ اہتمام کرے گا اور سب سے زیادہ اس کی فکر رکھے گا، اس کے علاوہ سنن فرائض کی کمزوریوں اور نقائص کو پورا کرتی اور اس میں جو کمی یا بھول رہ جاتا ہے، اس کی تلافی کر دیتی ہیں[1]۔

حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ "میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو رکعت ظہر سے پہلے، دو رکعت اس کے بعد، دو رکعت مغرب کے بعد آپ کے گھر میں، دو رکعت عشا کے بعد آپ کے گھر میں پڑھی فرماتے ہیں کہ حضرت حفصہؓ نے مجھ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فجر کے وقت دو ہلکی رکعتیں

---

[1] ترمذی اور نسائی میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سب سے پہلی چیز جس کا قیامت کے روز بندہ سے محاسبہ کیا جائے گا وہ نماز ہے اگر وہ ٹھیک رہی تو کامیاب ہوا، اگر وہ خراب نکلی تو ناکام و نامراد ہوا اگر اس کے فرائض میں کچھ کمی نظر آئے گی تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے دیکھو میرے بندہ کے نامۂ اعمال میں کچھ نفلی نمازیں ہیں؟ پھر اس سے فرائض کی کمی کو دور کیا جائے گا اور باقی اعمال کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوگا"۔

www.abulhasanalinadwi.org

پڑھتے تھے"[۱]

ایک اور حدیث میں ہے کہ "جو شخص دن اور رات میں بارہ رکعتیں پڑھے گا اس کے لئے جنت میں ایک مکان تیار کیا جائے گا، چار رکعتیں ظہر سے قبل، دو رکعتیں اس کے بعد، دو رکعت بعد مغرب، دو رکعت بعد عشا اور دو رکعت فجر کی نماز سے پہلے"[۲]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ "جو بارہ رکعت سنتوں پر مداومت کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک گھر تعمیر فرمائے گا، چار رکعتیں ظہر سے قبل، دو اس کے بعد، دو رکعتیں مغرب کے بعد دو رکعتیں عشاء کے بعد اور دو رکعتیں فجر سے پہلے"[۳]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ "آپ میرے گھر میں ظہر سے پہلے چار رکعت پڑھتے تھے، پھر باہر آکر نماز پڑھاتے تھے، پھر واپس آکر دو رکعت پڑھتے، مغرب کی نماز پڑھا کر گھر تشریف لاتے اور دو رکعت پڑھتے، پھر عشا کی نماز پڑھاتے اور گھر آکر دو رکعت پڑھتے، فجر میں بھی دو رکعت پڑھتے"[۴]

آپ عشا کے بعد یا تہجد کے بعد وتر پڑھتے تھے، اور اس کو سفر و حضر میں کبھی نہیں چھوڑتے تھے، صحیح روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "وتر حق ہے جس نے وتر ترک کر دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے، وتر حق ہے جس نے وتر ترک کر دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے، وتر حق ہے جس نے وتر ترک کر دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے"[۵] ایک دوسری روایت میں ہے کہ "اللہ نے تم کو ایک اور نماز کا عطیہ دیا ہے، وہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے، وہ وتر ہے، اللہ نے اس کو نماز عشا کے بعد سے طلوع فجر سے پہلے پہلے رکھا ہے"[۶]

ان سنتوں میں سب سے اہم سنت طلوع فجر کے بعد کی دو رکعتیں ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے کہ "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرائض کے بعد کسی چیز کا اتنا اہتمام نہیں فرماتے تھے جتنا فجر کی ان دو رکعتوں کا"[۷]

---

[۱] صحیحین [۲] ترمذی عن ام حبیبہؓ [۳] ترمذی و نسائی [۴] مسلم و ابوداؤد (باختصار) [۵] ابوداؤد عن بریدہ رضی اللہ عنہ

[۶] ترمذی و ابوداؤد، روایت خارجہ ابن حذیفہ رضی اللہ عنہ [۷] صحاح ستہ۔

www.abulhasanalinadwi.org

ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ان کو ترک نہ کرو خواہ گھوڑے تم کو روند ڈالیں"[1]

نمازوں کا تنوع اور ان کے مختلف اغراض و مقاصد

نماز ایک ایسی چیز ہے جس کو ادا کر کے نہ آدمی آزاد اور اپنی تمام ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو جاتا ہے، اور نہ اس کو چھوڑ کر کسی اور چیز سے اس کی تلافی کر سکتا ہے، یہ مومن کی ڈھال بھی ہے، مومن کی شمشیر بھی، یہ وہ "شاہ کلید" ہے جس سے ہر قفل کھل سکتا ہے، اور ہر مصیبت ٹل سکتی ہے، اور ہر قسم کا تردد، اضطراب اور حزن و یاس دور ہو سکتا ہے، اسی وجہ سے خوف کے لئے، استسقا کے لئے، سورج گرہن کے لئے، استخارہ کے لئے کسی ضرورت کی تکمیل کے لئے، نیز موت و شہادت کی تیاری کے لئے علیحدہ علیحدہ نمازیں ہیں[2]۔

---

[1] علامہ ابن القیم کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سفر میں فجر کی سنت اور وتر کا تمام سنن سے زیادہ اہتمام فرماتے تھے، سفر میں آپ سے ان دو کے علاوہ کسی کا اس قدر التزام مروی نہیں، (زاد المعاد) دوسری جگہ کہتے ہیں کہ اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (صحابہ کرامؓ) جب سفر کرتے تھے تو فرض سے پہلے اور فرض کے بعد نوافل پڑھتے تھے، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ عبداللہ بن مسعودؓ، جابرؓ، انسؓ، حضرت ابن عباسؓ اور ابوذر رضی اللہ عنہم سے یہی روایت ہے البتہ ابن عمر فرض سے قبل یا بعد نفل کے قائل نہ تھے، اور رات میں وتر کے ساتھ نفل پڑھتے تھے، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ظاہر طریقہ سے بھی یہی ثابت ہے کہ آپ فرض سے قبل یا بعد نفل نہ پڑھتے تھے، نہ اس کے پڑھنے سے منع فرماتے تھے، بلکہ وہ نفل مطلق کی طرح ہے، وہ قیام کی طرح سنت راتبہ نہیں ہے۔ (زاد المعاد۔ ج ۱ ص ۱۲۹)

[2] امام بخاری نے "باب کرامۃ الاولیاء وفضلہم" کے عنوان سے حضرت ابوہریرہؓ کی یہ حدیث درج کی ہے کہ جب حضرت خبیبؓ قتل کے لئے حدود حرم سے باہر لے جائے گئے تو انھوں نے کہا کہ مجھے دو رکعت پڑھ لینے دو، انھوں نے ان کو چھوڑ دیا، حضرت خبیبؓ نے دو رکعتیں پڑھیں اور کہا کہ اگر اس کا خیال نہ ہوتا کہ تم لوگ مجھے بزدل سمجھو گے تو میں اور پڑھتا" چنانچہ حضرت خبیبؓ ہی سے یہ سنت رائج ہوئی۔

www.abulhasanalinadwi.org

نماز کے بارے میں اسلاف کا نقطۂ نظر اور طرزِ عمل

ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ نماز کو اپنا مونس و دمساز اور معین و مددگار سمجھے، اور جب بھی اس کو کوئی مشکل پیش آئے، کوئی فکر و پریشانی لاحق ہو یا کسی مصیبت و آزمائش کا سامنا کرنا پڑے تو فوراً اس کریم کا دروازہ کھٹکھٹائے اور جب تک اس کی مراد پوری نہ ہو اس کے در پر پڑا رہے، صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کا معاملہ نماز کے ساتھ یہی تھا، ان کو نماز پر اس سے زیادہ ناز اور اعتماد تھا، جتنا سپاہی کو اپنی شمشیر پر، مالدار کو اپنی دولت پر، اور بچہ کو اپنی فریاد اور آہ و بکا پر ہوتا ہے، اور وہ بڑی آسانی کے ساتھ ماں کی شفقت کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے، یہ ان کا مزاج اور طبیعت ثانیہ بن گئی تھی، جس کے لئے ان کو کسی تکلف، تصنع اور آورد کی ضرورت نہ تھی، جب بھی ان کو کسی قسم کا اضطراب یا خوف لاحق ہوتا یا معاملہ الجھتا نظر آتا، دشمن کی فوجیں ہر طرف سے ان پر یلغار کرتیں یا فتح و نصرت میں تاخیر ہونے لگتی تو وہ فوراً نماز کے لئے دوڑ پڑتے اور اس کی پناہ میں آجاتے۔

درحقیقت ائمۂ اسلام، اولیاء امت اور مصلحین ملت کا ہر زمانہ میں یہی حال رہا ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے متعلق آتا ہے کہ جب کوئی بات ان کی سمجھ میں نہ آتی یا کوئی عقدہ حل نہ ہوتا تو وہ کسی ویران اور دور افتادہ مسجد میں چلے جاتے، نماز پڑھتے اور اپنی پیشانی خاک پر رکھتے اور دیر تک سجدہ میں پڑے رہتے اور کہتے "یا معلّم ابراھیم علّمنی" (اے ابراہیمؑ کے سکھانے والے مجھے بھی یہ علم سکھا دے) بڑے درد و سوز کے ساتھ دعا کرتے اور خدا کے حضور سر نیاز جھکا کر اور گڑگڑا کر سوال کرتے اور اس پر خوش ہوتے کہ وہ اس در کے فقیر اور بھکاری ہیں، اور پشت در پشت سے ان کا یہی پیشہ ہے، جو باپ دادا سے ورثہ میں ان کو ملا ہے، کبھی کبھی وہ اپنی دعا و مناجات میں یہ شعر بھی پڑھتے تھے ؎

www.abulhasanalinadwi.org

أنا المكدي أنا المكدي وهكذا كان أبي وجدي[1]

میں بھکاری ہوں میں بھکاری ہوں اور اسی طرح میرے باپ اور دادا بھی بھکاری تھے

تہجد، اس کے اثرات و فوائد، اس کے ساتھ اسلاف کا معاملہ اور اہلِ دعوت و اصلاح کے لئے اس کی اہمیت

روح کی تقویت کا سب سے بڑا ذریعہ اور دل کو حرارت پہونچانے اور گرم رکھنے کا سب سے مؤثر طریقہ قیام اللیل یعنی تہجد کی نماز ہے جس کی قرآن مجید نے بار بار ترغیب دی ہے، اور تہجد پڑھنے والوں کی اس انداز میں تعریف کی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی فرض سے کم اہم نہیں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سفر و حضر دونوں میں اس کی پابندی فرماتے تھے[2] چنانچہ بہت سے علماء کی رائے یہ ہے کہ تہجد کی نماز آپ پر فرض تھی[3]۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

يَاأَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا	اے کپڑوں میں لپٹنے والے رات کو (نماز میں) کھڑے
نِّصْفَهُ أَوِ انقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا أَوْ زِدْ عَلَيْهِ	رہا کیجئے مگر ہاں تھوڑی رات یعنی آدھی رات یا اس سے
وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا إِنَّا سَنُلْقِي	کچھ کم رکھئے یا اس سے کچھ بڑھا دیجئے اور قرآن

---

[1] مدارج السالکین ج ۱ ص ۲۹۶ مطبع المنار مصر [2] علامہ ابن القیم فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قیام اللیل (تہجد کی نماز) کو سفر و حضر دونوں میں نہیں چھوڑتے تھے، جب آپ پر نیند یا مرض کا غلبہ ہوتا تھا، تو دن میں بارہ رکعت پڑھ لیتے تھے۔ (زاد المعاد ج ۱ ص ۸۴) [3] علامہ بحر العلوم لکھتے ہیں کہ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ تہجد کی نماز آپ پر فرض تھی یا نفل، ایک جماعت اول الذکر کو ترجیح دیتی ہے اور اہل اصول بھی اسی میں شامل ہیں، قسطلانی کہتے ہیں کہ اکثر علماء شوافع بھی اسی مسلک پر ہیں، البتہ ایک جماعت موخر الذکر کو ترجیح دیتی ہے۔ (رسائل الارکان ص ۱۳۴ طبع لکھنؤ۔)

www.abulhasanalinadwi.org

عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا ۝ إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ قِيلًا ۝ إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا ۝ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۝ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا ۝

(سورۂ مزمل۔ ۱ تا ۹)

خوب صاف صاف پڑھئے، ہم آپ پر عنقریب ایک بھاری کلام ڈالنے کو ہیں، بیشک رات کے وقت اٹھنے میں (دل و زبان کا) خوب میل رہتا ہے اور بات خوب ٹھیک نکلتی ہے، بیشک آپ کے لئے دن میں بہت مشغولی ہے، اور آپ اپنے پروردگار کے نام کو یاد کرتے رہئے، اور سب سے ٹوٹ کر اسی کی طرف متوجہ رہئے، وہ پروردگار ہے مشرق و مغرب کا کوئی معبود اس کے سوا نہیں اسی کو اپنا چارہ ساز بنائے رکھئے۔

دوسرے موقع پر ارشاد ہے:۔

وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ ۝ عَسَىٰ أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا ۝

(سورۂ بنی اسرائیل ۷۹)

اور رات کے کچھ حصہ میں بھی، سو اس میں تہجد پڑھ لیا کیجئے (جو) آپ کے حق میں زائد چیز ہے، عجب کیا کہ آپ کا پروردگار آپ کو مقام محمود میں جگہ دے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز کی بہت پابندی کرتے تھے اور اس کا بڑا اہتمام فرماتے تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کو اس سے بہت خاص تعلق اور لگاؤ ہے، آپ اس نماز میں اتنا طویل قیام اور رکوع فرماتے کہ آپ کے قدم مبارک پر ورم آجاتا، مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اتنی دیر قیام فرمایا کہ آپ کے قدم مبارک متورم ہوگئے، عرض کیا گیا کہ اللہ تعالےٰ نے تو آپ کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے ہیں، آپ نے فرمایا کہ کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں[1]"

---

[1] بخاری و مسلم، ترمذی و نسائی۔

www.abulhasanalinadwi.org

ترمذی نے حضرت عائشہ رضؓ سے روایت کی ہے کہ "آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ساری رات ایک آیت میں گزار دی"۔

صحابہ کرامؓ کے حالاتِ زندگی اور حدیث، سیرت اور تاریخ کی کتابوں پر جس کی نظر ہے، وہ اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ تہجد کی نماز کا صحابہ کرامؓ میں عام رواج تھا بلکہ تہجد ان کا شعار بن گیا تھا، چنانچہ شاہ روم ہرقل اور اس کے ساتھیوں کے سامنے ان کی جو پہچان بتائی گئی وہ یہی تھی یعنی "رات کے عبادت گزار اور دن کے شہسوار"۔

امام حسن بصریؒ سے زیادہ صحابہ کرامؓ سے واقف اور کون ہوگا وہ کہتے ہیں:۔

"مومنوں کے پاس جب یہ دعوت حق آئی تو انھوں نے اس کی فوراً تصدیق کی اس کا یقین ان کے دل کی گہرائیوں میں اتر گیا، نہ صرف ان کے قلوب بلکہ ان کے جسم، عقلیں اور نگاہیں، خشوع و انابت کے ساتھ جھک گئیں، خدا کی قسم اگر تم ان کو دیکھتے تو تم کو ایسی جماعت نظر آتی جس کے متعلق گمان ہوتا کہ شاید اس نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے، وہ اہلِ جدال اور اہلِ باطل کے طرز کے نہ تھے، وہ ان لوگوں میں سے تھے جنھوں نے اللہ کی بات سنی اور سرِ تسلیم خم کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کی بہت تعریف فرمائی:۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى	اور (خدائے) رحمٰن کے (خاص) بندے وہ
الْاَرْضِ هَوْنًا۔ (سورہ الفرقان۔۶۳)	ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں۔

پھر ان کی راتوں کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوا:۔

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا	اور جو راتوں کو اپنے پروردگار کے سامنے سجدہ
(سورۂ الفرقان۔۶۴)	وقیام میں لگے رہتے ہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لئے اپنے پیروں پر سرو قد کھڑے رہتے ہیں، اور اپنے چہروں کو

www.abulhasanalinadwi.org

اللہ تعالیٰ کے لئے خاک آلود کرتے ہیں، آنسوان کے چہروں کو..... بھگو رہے ہوتے ہیں اور خدا کا خوف ان کے دل میں جاگزیں ہوتا ہے، پھر امام حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ کوئی بات ہی تو تھی جس کے لئے انھوں نے اپنی راتوں کی نیند حرام کی اور کوئی بات ہی تو تھی جس کے لئے دن بھر خوف خدا سے لرزتے رہے[1]"

تہجد کی نماز ہر زمانہ اور ہر طبقہ میں صلحا اور اہل اللہ، علماء و مجاہدین، اور مصلحین و اہل دعوت کا شعار اور پہچان بن گئی تھی، وہ اپنے دن بھر کی محنت و مجاہدہ اور اپنے مشاغل و سرگرمیوں کے لئے جن کے لئے غیر معمولی قوت برداشت اور صبر و تحمل کی ضرورت ہوتی ہے، اسی شب بیداری و سحر خیزی سے قوت و غذا یا دوسرے الفاظ میں ایندھن حاصل کرتے تھے، جس نے رات کے اندھیرے اور سناٹے میں، جب ساری مخلوق محو خواب ہوتی ہے، ان کا اپنے رب سے راز و نیاز اور دعا و مناجات اور ان کی عبدیت و محویت نہ دیکھی ہو وہ یہ سمجھ ہی نہیں سکتا کہ ان علماء حق اور مصلحین امت میں اتنی غیر معمولی قوت کہاں سے آگئی، اور تعلیم و تدریس اور اصلاح و تربیت کے میدان میں ان کی شبانہ روز اور مسلسل محنت اور مشکلات و مصائب کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرنے کی صلاحیت کا اصل سرچشمہ اور راز کیا ہے؟ یہاں تک کہ وہ علماء بھی جن کو بعض حقیقت ناشناس علماء ظاہر سمجھتے ہیں، اور ان پر خشکی اور سختی کا الزام لگاتے ہیں، تہجد اور ذکر و تسبیح کے بیحد پابند تھے، اس سے اندازہ کرنا چاہئے کہ ان علماء کا اس معاملہ میں کیا حال ہوگا جو کثرت عبادت، شدت زہد، رقت قلب اور خلق خدا کی اصلاح و ہدایت اور روحانی تعلیم و تربیت میں مشہور و معروف ہیں، مثلاً حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، امام ربانی مجدد الف ثانیؒ اور حضرت سید احمد شہیدؒ وغیرہ۔

علامہ ابن القیم اپنے استاد اور شیخ، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے متعلق شہادت دیتے ہیں کہ:۔

"ایک مرتبہ شیخ الاسلام صبح کی نماز سے فارغ ہوئے اور ذکر کے لئے بیٹھ گئے، یہاں تک کہ قریب قریب

---

[1] کتاب قیام اللیل از محدث کبیر محمد بن نصر المروزی (م ۲۹۴ھ) طبع لاہور۔

www.abulhasanalinadwi.org

نصف دن چڑھ آیا، پھر میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ یہ میرا ناشتہ ہے اگر میں یہ ناشتہ نہ کروں تو میری ساری قوت ختم ہو جائے یا اس طرح کی کوئی بات فرمائی۔[۱]

یہی حال ان کے شاگرد ابن قیم کا بھی تھا، مشہور مؤرخ ابن کثیر ان کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"اس زمانہ میں عبادت میں ان سے بڑھ کر میری نظر میں اور کوئی نہیں، نماز میں ان کا خاص انداز تھا، بہت طویل نماز پڑھتے تھے، اور رکوع و سجود دونوں بہت طویل کرتے تھے، ان کے بہت سے ساتھی اس پر ان کو ہدف ملامت بھی بناتے تھے، لیکن وہ اس سے باز نہ آتے تھے۔"[۲]

علامہ ابن رجب حنبلی کہتے ہیں کہ:۔

"وہ عبادت و تہجد اور طولِ صلوٰۃ میں آخری حد تک پہونچ گئے تھے، ذکر الٰہی سے وابستگی محبت و انابت کی کیفیت اور اللہ تعالیٰ کے سامنے دل شکستگی، اپنی عاجزی و احتیاج کا استحضار و اظہار اور اس کی عبودیت کی چوکھٹ پر پڑے رہنے کا خاص ذوق اور حال رکھتے تھے، میں نے اس چیز میں ان جیسا کسی اور کو نہیں پایا۔"[۳]

اس سے زیادہ عجیب معاملہ علامہ ابن جوزی کا ہے، جو ناقدین کے سرخیل اور زہاد و عباد کی تردید و تنقید کے علمبردار سمجھے جاتے ہیں، ان کے پوتے ابو المظفر بیان کرتے ہیں کہ وہ ساٹھ دن میں ایک قرآن ختم کرتے تھے، ابن النجار کہتے ہیں کہ ان کو اذواق صحیحہ اور دعا و مناجات کی حلاوت کا حظ وافر ملا تھا، ابن العادی کا بیان ہے کہ وہ تہجد کے پابند تھے، اور کسی حال میں ذکر اللہ کو ترک نہ کرتے تھے۔"[۴]

مسلمانوں کے تمام ائمہ، قائدین، مصلحین، اور علماء و زعماء جن کے نفوس قدسیہ اور انفاس طیبہ کی برکت سے مسلمانوں کو کسی قسم کا فائدہ پہونچا، یا جن کے کارناموں اور ذخائر علمی کو اللہ تعالیٰ نے قبول عام اور بقاء دوام عطا فرمایا، ان سب کا نماز کے معاملہ میں یہی حال تھا، وہ سب اسی طرح عبادت گزار، شب بیدار اور سحر خیز تھے، اور اللہ تعالیٰ سے خاص روحانی تعلق رکھتے تھے، اس عہد میں یہی امت کا معیار اور دستور تھا،

---

[۱] الوابل الصیب از ابن القیم ص ۴۹ [۲] البدایہ والنہایہ ج ۱۴ ص ۲۳۵ [۳] ایضاً [۴] التاج المکلل ص ۴۱۷ بحوالہ الطبقات الحنابلہ

www.abulhasanalinadwi.org

اور یہی معیار و دستور آج بھی اس کے لئے نشانِ راہ ہے اور مشیت الٰہی کا فیصلہ ہے کہ غفلت سے بیداری، موت سے زندگی، قساوت سے لطافت اور جمود سے حرکت نہ آج تک پیدا ہوئی ہے اور نہ کبھی ہو سکتی ہے۔

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ	اللہ کا یہی دستور رہا ہے ان لوگوں میں بھی جو (ان سے)
تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا۔	پیشتر گزر چکے ہیں اور آپ اللہ کے دستور میں ردوبدل
(سورہ احزاب۔ ۶۲)	نہ پائیں گے۔

نوافل اور کثرت عبادت کے ثمرات و نتائج

نمازوں کا (اس کی روح اور ظاہری ہیئت دونوں کے ساتھ) اہتمام، نوافل کی کثرت، اور ذوقِ عبادت، صفاءِ نفس، روحانی بالیدگی، عالم قدس سے اتصال اور تجلیات ربانی کے حصول میں جو حصہ ہے وہ کسی اور چیز میں نہیں، حدیث شریف میں آتا ہے کہ:۔

اما انکم سترون ربکم کما ترون هذا[1]	تم اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح اس کو دیکھ
لا تضامون فی رویته فان استطعتم	رہے ہو اس کے دیکھنے میں تم کو کوئی شبہہ نہیں ہوتا پس
ان لا تغلبوا علی صلوة قبل طلوع الشمس	اگر تم ایسا کر سکو کہ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے
وقبل غروبها فافعلوا ثم قال فسبح	پہلے والی نماز تم سے فوت نہ ہو سکے تو ایسا ضرور کرو،
بحمد ربك قبل طلوع الشمس وقبل	پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی فسبح الخ (ترجمہ)
غروبها[2]	پس پاکی بیان کرو اپنے رب کی طلوع آفتاب اور
	غروب آفتاب سے قبل۔

بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ "نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز کے وقت

---

[1] یہ فرما کر آپ نے چاند کی طرف اشارہ فرمایا۔ [2] بخاری و مسلم

www.abulhasanalinadwi.org

حضرت بلالؓ سے فرمایا کہ بلال مجھے اپنا وہ عمل بتلاؤ جس سے تم کو اپنے اسلام میں سب سے زیادہ امید ہو اس لئے کہ میں نے تمہارے قدموں کی چاپ جنت میں سنی ہے انھوں نے کہا کہ میں نے کوئی ایسا عمل نہیں کیا جس سے مجھے امید ہوتی، البتہ میں جب دن رات کے کسی حصہ میں وضو کرتا تھا تو اس وضو سے جس قدر توفیق ہوتی نماز ضرور پڑھ لیتا۔[1]

نوافل و عبادات، قلب میں محبت الٰہی راسخ کرنے اور اس کی رحمت و رضامندی کے حصول کا بہت بڑا ذریعہ ہیں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی کو جو آپ سے جنت میں رفاقت کے خواستگار ہوئے تھے، کثرت نوافل اور کثرت سجود کی ہدایت فرمائی تھی۔

مسلم میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خادم ابو فراس ربیعہ ابن کعیب الاسلمی سے (جو اہل صفہ میں سے تھے) روایت ہے کہتے ہیں کہ "میں شب میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر رہتا تھا اور وضو اور دوسری ضروریات کا خیال رکھتا تھا، ایک دن آپ نے فرمایا کچھ مانگو، میں نے عرض کیا کہ میں جنت میں آپ کی رفاقت چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا اس کو چھوڑ کر اور کچھ نہیں؟ میں نے عرض کیا کہ میں تو یہی چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا بس کثرت سجود کے ذریعہ میری مدد کرو۔"[2]

نوافل و طاعات سے مشیت الٰہی کے سامنے بندہ کا عجز اور فنائیت نیز خدا کا خوف اور خدا کی محبت پیدا ہوتی ہے اور ان بہیمانہ صفات اور حیوانی عادات سے رہائی نصیب ہوتی ہے جو ہر ظلم و زور دستی معصیت و سرکشی نفس پرستی اور امر الٰہی سے سرتابی کا سرچشمہ اور ظلم و فساد کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔

حدیث صحیح میں آتا ہے کہ "جن چیزوں سے میرا بندہ مجھ سے تقرب حاصل کرتا ہے، ان میں میرے نزدیک فرائض سے زیادہ محبوب اور کوئی چیز نہیں اور میرا بندہ برابر نوافل کے ذریعہ مجھ سے قریب ہوتا جاتا ہے، یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو

---

[1] بخاری (ج ۱ باب فضل الوضوء)۔ [2] مسلم۔

www.abulhasanalinadwi.org

میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ مقابلہ کرتا ہے، پیر ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، جب مجھ سے کسی چیز کا سائل ہوتا ہے تو میں اس کو ضرور دیتا ہوں اور پناہ چاہتا ہے تو ضرور پناہ دیتا ہوں[1]۔"

نمازیں جُدا ہیں اور نمازیوں کے مرتبے بھی جُدا

نماز کوئی ایسا آہنی سانچہ یا چوب خشک کی طرح کوئی جامد اور محدود چیز نہیں جس میں سب یکساں ہوں اور ہر نمازی ایک سطح پر رہنے کے لئے مجبور اور اس سے آگے بڑھنے سے قاصر ہو، وہ دراصل ایک بہت بڑا اور وسیع و عریض میدان ہے، جہاں نمازی ایک حال سے دوسرے حال تک اور عروج سے کمال تک اور کمال سے ان منزلوں تک پہونچتا ہے، جو اس کے تصور و خیال سے بھی ماوراء ہیں، اس میں لوگوں کا مرتبہ و مقام ایک دوسرے سے بہت مختلف اور جدا ہے، اور سب کی سطح الگ ہے، غفلت اور جہالت والی نماز استحضار اور تفقہ والی نماز کا مقابلہ کیسے کر سکتی ہے؟ اسی طرح عامۃ المسلمین اور عارفین و اہلِ یقین کی نماز ایک درجہ پر کیسے رکھی جا سکتی ہے، پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ آج کی نماز کل والی نماز سے یا چند ماہ اور چند سال پیشتر والی نماز سے مشابہ ہو اور نمازی ہمیشہ ایک ہی معیار کی نماز پڑھتا ہے۔

اسی لئے قرآن مجید میں نمازوں کا ذکر دو طرح آتا ہے، ایک کا بُرائی کے ساتھ ایک کا اچھائی کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

---

[1] علامہ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے بعض عارفین سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے اس کو فنا و محو پر محمول کیا ہے، اور اس کو ایسی غایت قرار دیا ہے جس کے بعد کوئی اور منزل نہیں، اور وہ یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنے سے اسکی نظر سے دیکھنے والا بن جائے اور اس میں کوئی ایسی چیز باقی نہ رہ جائے جس کا اس کے نام و نشان سے کچھ علاقہ ہو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قیام کے ساتھ اپنے قیام، اس کی مشیت کے ساتھ اپنی طبیعت اور اپنی ذات پر اس کی نگاہ کا مشاہدہ خود کرنے لگے (فتح الباری) ج ۱۱ ص ۲۹۶

www.abulhasanalinadwi.org

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ۝ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ۝ (سورۂ ماعون۔۴،۵،۶،۷)

سو بڑی خرابی ہے ایسے نمازیوں کے لئے جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھتے ہیں (اور) جو ایسے ہیں کہ ریاکاری کرتے ہیں اور حقیر چیزوں تک روکے رہتے ہیں۔

دوسری قسم کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:۔

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۝ (سورۂ مومنون۔۱،۲)

یقیناً (وہ) مومنین فلاح پاگئے جو اپنی نماز میں خشوع رکھنے والے ہیں۔

اسی طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی دو قسم کی نمازوں کا ذکر فرمایا ہے ایک خشوع و خضوع اور رقت و کیفیت والی نماز اور ایک غفلت و لاپرواہی والی ناقص نماز، پہلی قسم کے متعلق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

وقد توضأ فأحسن الوضوء (ثم قال) من توضأ وضوئي هذا ثم يصلي ركعتين لا يحدث فيهما بشيء غفر له ما تقدم من ذنبه[1]۔

آپ نے وضو کیا اور اچھا وضو کیا (پھر ارشاد ہوا) جو میرے وضو کی طرح وضو کرے اور دو رکعت پڑھے اور اس میں اپنے دل کے اندر کوئی خیال نہ لائے تو اس کے سارے گذشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسلمان بھی اچھی طرح وضو کرتا ہے، پھر کھڑے ہو کر دو رکعت ادا کرتا ہے اور اپنے دل اور چہرہ دونوں کے ساتھ نماز کی طرف متوجہ رہتا ہے تو اس پر جنت واجب ہو جاتی ہے[2]"۔

دوسری نماز کے متعلق عمار بن یاسرؓ آپ سے روایت کرتے ہیں کہ "میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ آدمی نماز سے فارغ بھی ہو جاتا ہے اور اس کو اس کی نماز کا صرف دسواں حصہ

---

[1] بخاری و مسلم روایت حضرت عثمان بن عفانؓ۔ [2] مسلم۔

www.abulhasanalinadwi.org

نصیب ہوتا ہے، اور بعض اوقات نواں، آٹھواں، ساتواں، چھٹا، پانچواں، چوتھائی، تہائی اور نصف[۱]"

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ "سب سے بُرا آدمی وہ ہے، جو اپنی نماز چرا لیتا ہے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اپنی نماز کس طرح چراتا ہے؟ آپ نے فرمایا نہ رکوع ٹھیک کرتا ہے، نہ سجدہ[۲]"

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "یہ منافق کی نماز ہے جو بیٹھا آفتاب کو دیکھتا رہتا ہے، جب آفتاب زرد ہو جاتا ہے اور شیطان کی دونوں سینگوں کے بیچ میں پہونچ جاتا ہے تو کھڑا ہو کر جس طرح مرغی چونچ مارے اس طرح عجلت کے ساتھ چار رکعت پڑھتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی یاد کم ہی ہوتی ہے[۳]"

نماز میں لوگوں کے مراتب مختلف ہیں، ایک کی نماز کو دوسرے کی نماز پر قیاس نہیں کیا جا سکتا چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز سب سے زیادہ افضل، اکمل اور اعلیٰ و ارفع تھی اور خدا کی میزان میں اس کا وزن سب سے زیادہ تھا، حضرت ابوبکرؓ کی نماز کسی دوسرے کی نماز کی بہ نسبت حضورؐ کی نماز سے سب سے زیادہ مشابہ اور قریب تھی، اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مرض وفات میں ان کو اپنی جگہ امامت کا حکم فرمایا، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس رائے کے باوجود کہ حضرت عمرؓ نماز پڑھائیں، آپؐ نے فرمایا "ابوبکرؓ سے کہو نماز پڑھائیں[۴]" چنانچہ اسی پر عمل ہوا۔

اس کے علاوہ لوگوں کے درجہ اور مرتبہ کا صحیح اندازہ نماز سے جتنا ہو سکتا ہے، اتنا کسی اور چیز مثلاً علم، ذہانت اور کسی علمی خدمت سے نہیں ہو سکتا، نماز ہی وہ صحیح پیمانہ ہے جس پر انسان کے دین کا اور اسلام میں اس کے مقام کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، اسلامی تاریخ میں جن شخصیتوں کا نام زندہ جاوید ہے اور جو اپنے ہمعصروں میں بہت ممتاز نظر آتی ہیں، ان کو یہ مرتبہ و مقام اور یہ بقاء دوام اسی نماز میں امتیاز و خصوصیت پیدا کرنے اور اس کے درجۂ احسان تک پہونچنے سے حاصل ہوا ہے۔

---

[۱] ابوداؤد و نسائی [۲] مسلم [۳] نسائی [۴] بخاری

www.abulhasanalinadwi.org

ختم نبوت اور حضورؐ کی وفات کے بعد نماز اور قرآن کی اہمیت و فضیلت

نبوت ایک ایسا آفتاب عالمتاب تھی جس کی کرنیں کائنات کے گوشہ گوشہ کو منور کرتی تھیں اور دلوں کو روشنی و حرارت اور زندگی و قوت بخشتی تھیں اس لئے بہت کم وقت میں (لیکن بہت بڑی تعداد اور بہت بڑے رقبہ میں) خالق و مالک سے اس کے بندوں کا رشتہ استوار ہوتا اور جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی توفیق ہوتی وہ غفلت اور سستی اور جہالت اور گمراہی کی پستیوں سے نکل کر علم و حکمت، عالی حوصلگی و بلند ہمتی، وصول و کمال اور قرب و ولایت کی آخری بلندیوں تک پہونچ جاتا، نبوتوں کا یہ سلسلہ برابر قائم رہا یہاں تک کہ کچھ وقفہ کے بعد حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی (تمام انبیاء کرام میں) آپ کی شخصیت سب سے زیادہ طاقتور، آپ کی دعوت سب سے زیادہ جامع اور مکمل، اور آپ کی صحبت اس قدر کیمیا اثر تھی کہ اس کی وجہ سے شدید سے شدید عداوت بھی محبت و فنائیت میں، خدا سے دوری و مہجوری اور بُعد و وحشت، اس کے قرب و وصال اور انس و الفت میں تبدیل ہو جاتی تھی، آپ کی صحبت میں لوگوں کو ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی برقی لہر ان کے وجود میں دوڑنے لگی ہے، وہ چند لمحوں کے اندر ظن و تخمین سے گزر کر ایمان و یقین کی بڑی سے بڑی منزل طے کر لیتے تھے[1]، اس وقت امت میں آپ کا مبارک وجود وصول الی اللہ اور قرب و ولایت کا سب سے طاقتور ذریعہ تھا۔

لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت و قانون میں اس پاک زندگی کی بھی ایک حد اور انتہا مقرر تھی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ (سورۂ آل عمران۔ ۱۴۴)	اور محمدؐ تو بس ایک رسول ہی ہیں ان کے قبل اور بھی رسول گزر چکے ہیں۔

---

[1] اس کا صحیح اندازہ ہمیں کتب سیر و حدیث کے مطالعہ سے ہوگا مثلاً انصاریؓ کے عمرۂ قضا کا واقعہ جس میں وہ طواف کے دوران حضور کو شہید کرنے کے ارادہ سے آئے تھے، اسی طرح عمرو بن العاصؓ کے وہ کلمات جو انھوں نے اپنے انتقال کے وقت فرمائے، نیز عکرمہ بن جہل کی قوت ایمانی اور جوش اسلامی کا واقعہ۔

www.abulhasanalinadwi.org

اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ اپنے دین کی تکمیل اور اپنے انعامات کو مکمل فرمایا اور یہ آیت نازل ہوئی۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ	آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور تم پر
نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۔	اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو
(سورۂ مائدہ ۔ ۳)	بہ طور دین کے پسند کر لیا۔

اور آپ ہی پر سلسلۂ نبوت کو ختم فرما دیا، ارشاد ہے :۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ	محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں،
رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۔ (سورۂ احزاب ۔ ۴)	البتہ اللہ کے رسول ہیں اور (سب) نبیوں کے ختم پر ہیں۔

آپ کے بعد اس زمین کا آسمان سے وہ رشتہ ختم ہو گیا، جو نئی وحی اور نئی رسالت کے لئے قائم ہوا تھا، ختم نبوت اور وحی و رسالت کے انقطاع اور حضورؐ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد اس کی ضرورت تھی کہ اس خلا کو پُر کیا جائے جس کے ذریعہ مخلوق و خالق کے درمیان براہِ راست اور مضبوط تعلق قائم ہوتا تھا، ان کے قلوب سے ایمان و حکمت اور روحانی قوت کے چشمے پھوٹتے تھے، اور دیکھتے دیکھتے وہ ایمان و یقین اور قرب و ولایت کی آخری اور بلند ترین سطح تک پہونچ جاتے تھے۔

اس خلا کو پُر کرنے اور اس کام میں حضورؐ کی نیابت و خلافت کے لئے امت کو دو چیزیں دی گئیں، ایک یہ ابدی کتاب (قرآن مجید) جس کا حرف حرف زندگی و قوت سے لبریز ہے، جس سے تازگی کبھی زائل نہیں ہوتی، اور جس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوتے، دوسری چیز نماز جو قرآن ہی کی طرح زندگی و قوت سے بھرپور ہے اور اس کو وصول الی اللہ، تعلق مع اللہ اور تقرب و ولایت کے حصول میں جو کمال درجہ تاثیر اور غایت درجہ اہمیت حاصل ہے، وہ پورے نظام شریعت میں کسی اور چیز میں نہیں، ان دونوں چیزوں کے ذریعہ اس امت کے محققین و مجاہدین ہر نسل اور ہر دور میں ایمان و یقین، علم و معرفت، روحانیت و للّٰہیت اور قرب و ولایت کے ان درجات تک پہونچ گئے جہاں اہلِ ذہانت کی دقیقہ رسی اور حکماء و عقلاء

www.abulhasanalinadwi.org

کا تصور و خیال بھی نہیں پہونچ سکتا، ان کی اتنی بڑی تعداد ہے، جو شمار و قطار اور حساب و کتاب سے ماورا ہے اور ان کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا، یہ دونوں چیزیں امت کی تمام نسلوں کے حق میں ایک ایسا "آبِ حیات" ہیں، جس کے ذریعہ زندگی و حرکت، تازگی و نشاط اور سچی و طاقتور روحانیت ہمیشہ ابرِ رحمت کی طرح برستی ہے، اور اس نے ان کو کسی نئی نبوت اور نئی بعثت سے ہمیشہ کے لئے بے نیاز کر دیا ہے، اس کی بدولت ہر موڑ اور تاریخ کے ہر دور میں ان کا خدا سے وہی ربط و تعلق قائم رہا اور ان کی قلبی طاقت اور روحانی قوت کی وہ غذا برابر ملتی رہی اور اس کے ذریعہ انھوں نے اپنی معاصر دنیا کی ہدایت و رہنمائی کا فریضہ پوری اہلیت و سچائی کے ساتھ انجام دیا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ	اور اللہ (کے کام) میں کوشش کرتے رہو جو اس کی
هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ	کوشش کا حق ہے، اس نے تمہیں برگزیدہ کیا اور اس نے
مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ	تم پر دین کے بارہ میں کوئی تنگی نہیں کی تم اپنے باپ
الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ	ابراہیم کی ملت (پر قائم رہو) اس نے تمہیں مسلم قرار دیا
الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ	ہے پہلے بھی اور اس (قرآن) میں بھی تاکہ رسول تمہارے
عَلَى النَّاسِ ۚ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ	اوپر گواہ ہوں اور تم (سب) لوگوں کے مقابلہ میں
وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ	گواہ ٹھہرو، سو تم لوگ نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ
الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝	دیتے رہو اور اللہ ہی کو مضبوط پکڑے رہو وہی تمہارا
(سورۂ حج - ۷۸)	کارساز ہے سو کیسا اچھا کارساز ہے اور کیسا اچھا مددگار۔

نماز کی ظاہری و باطنی دونوں حیثیتیں اور شکلیں مطلوب ہیں

نماز نبوت کی میراث ہے جس کو اپنے تمام اشکال و آداب اور احکام و تفصیلات کے ساتھ

www.abulhasanalinadwi.org

بحفاظت ایک نسل سے دوسری نسل اور ایک عہد سے دوسرے عہد تک منتقل ہوتے رہنا چاہئے اور اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ یہ عمل امت کی تاریخ میں برابر جاری رہا، محدثین وفقہاء نے اس کی احادیث کی تخریج، احکام کے استنباط اور فرض وواجب، مندوب ومستحب، سنت ونفل اور جائز وناجائز کی تفصیلات مرتب کرنے میں نہایت دقت نظر اور باریک بینی سے کام لیا اور اس کا کوئی پہلو تشنہ نہ چھوڑا۔

لیکن جس طرح نماز کے آداب واشکال ہم حفاظت کے ساتھ آئندہ نسلوں تک منتقل کرنے کے ذمہ دار ہیں، اسی طرح ہمارے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ہم اس کی روح اور حقیقت، خشوع وانابت اور رقت وسوز بھی اپنی آئندہ نسلوں تک بحفاظت اور اسی اہتمام کے ساتھ منتقل کرتے رہیں، اس لئے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز ظاہری شکل وصورت اور اس کی روح وحقیقت اور خشوع ورقت دونوں کی جامع تھی، آپ سے "احسان" کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:-

أن تعبد الله كأنك تراه فان لم	کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو جیسا کہ
تكن تراه فانه يراك[1]۔	تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم اس کو نہیں دیکھ
	رہے ہو تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز اس احسان کا مکمل اور اعلیٰ نمونہ تھی، مطرفؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ "میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، آپ کے سینۂ پاک سے گریہ کی وجہ سے ایسی آواز نکل رہی تھی جیسے چکی چل رہی ہو"[2]

خلفاء راشدین، صحابۂ کرام، تابعین عظام اور ان کے بعد جتنے مخلصین، اولیاء اللہ اور اہل قلوب تھے، ان کی نماز پر اسی نبوی نماز کا پرتو تھا اور ان کے آئینہ نے اس کے عکس کو ہو بہو اتار لیا تھا، تاریخ اور طبقات وتراجم کی کتابوں میں ان نمازوں کے حسن وطول، اور رقت وخشوع کا ذکر بار بار آتا ہے،

---

[1] صحیحین [2] ابوداؤد

www.abulhasanalinadwi.org

حدیث ہجرت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرماتی ہیں کہ "ابوبکر رضی اللہ عنہ بہت رقیق القلب تھے، جب بھی قرآن پڑھا جاتا ان کو اپنے آنسوؤں پر قابو پانا مشکل ہو جاتا"[1] اور جب حضورؐ نے شدت مرض میں یہ حکم دیا کہ ابوبکر نماز پڑھائیں اور یہ فرمایا کہ "مروا ابابکر فلیصل بالناس" (ابوبکر کو حکم دو کہ نماز پڑھائیں) تو حضرت عائشہؓ نے کہا کہ "ابوبکر بہت رقیق القلب ہیں، اور جب تلاوت کرتے ہیں تو ان پر گریہ طاری ہو جاتا ہے"[2]

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رات کو اپنی عبادت کے دوران کبھی کبھی (انذار و وعید کی) کسی آیت سے گزرتے تو رونے لگتے یہاں تک کہ شدت اثر سے گر پڑتے اور بیمار پڑ جاتے اور اس بیماری کی وجہ سے لوگ ان کی عیادت کو آتے، ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ "حضرت عمرؓ پر ایک مرتبہ صبح کی نماز میں اس قدر گریہ طاری ہوا کہ میں نے تیسری صف کے بعد ان کے گریہ کی آواز سنی"، علقمہ بن وقاصؓ کہتے ہیں کہ "حضرت عمرؓ عشا کی نماز میں سورۂ یوسف پڑھ رہے تھے، اور میں آخری صف میں تھا، جب یوسف علیہ السلام کا ذکر آیا تو میں نے ان کے رونے کی آواز سنی"[3] عبداللہ بن شداد سے روایت ہے کہ "میں نے حضرت عمرؓ کا گریہ آخری صف میں سنا، وہ یہ آیت پڑھ رہے تھے "اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ"[4]

مصلحین امت، ماہرین تعلیم و تربیت اور دینی تحریکات کے علمبرداروں کا فرض

اس امت اور خاص طور پر اس کے علماء اور اہل اصلاح کا فرض ہے کہ وہ اس میراث اور اس قیمتی دولت کو ہاتھ سے نہ جانے دیں اور تغیر و انقلاب اور مادیت کے تیز و تند تھپیڑوں کے باوجود اس روشنی کو کسی قیمت پر نہ بجھنے دیں، اس لئے کہ اس خسارہ کی تلافی، احکام فقہ کے بڑے سے بڑے ذخیرہ

---

[1] بخاری ج ۱ (باب ہجرۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینۃ المنورہ) [2] صحیح بخاری (باب اہل العلم والفضل احق بالامامۃ) تاریخ عمر ابن الخطابؓ، ابن الجوزی۔ [3] بخاری [4] ایضاً

www.abulhasanalinadwi.org

اسرارِ شریعت کے علم، سحر بیانی اور زورِ قلم کسی چیز سے نہیں ہو سکتی، تجدید و احیاء اور اصلاح و انقلاب کی کوشش اور تحریک اسی وقت کامیاب ہو سکتی ہے، جب امت کے عوام اور علماء میں عشق و محبت اور ایمان و یقین کی اس چنگاری کو دوبارہ بھڑکایا جائے اور دعوت و تربیت، جہاد و مجاہدہ اور اس حقیقی پرسوز اور خشوع و خضوع والی نماز کی کچھ جھلکیاں امت میں پھر پیدا ہوں جو قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی سب سے بڑی خصوصیت اور طاقت تھی، اور جس نے ان کو دشمن کے سامنے بہادری کے ساتھ ثابت قدم رہنے سے پہلے اپنے رب کے سامنے ادب و محبت اور امید و خوف کے ساتھ کھڑا رہنا سکھا دیا تھا، امام دار الہجرت مالک بن انسؒ نے بالکل صحیح فرمایا ہے۔

لن یصلح آخر هذه الامة الا ما أصلح أولها۔

اس امت کے آخری حصہ کو وہی چیز درست کر سکتی ہے جس نے اس کے پہلے حصہ کو درست کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۝ (سورۃ المومنون ۔ ۱۔۲)

یقیناً (وہ) مومنین فلاح پا گئے جو اپنی نماز میں خشوع رکھنے والے ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

زکوٰۃ

فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ

لیکن اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز کے پابند ہوجائیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو وہ تمہارے بھائی ہوجائیں گے دین میں

(سورۂ توبہ - ۱۱)

www.abulhasanalinadwi.org

زکوٰۃ

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ؕ

لیکن اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز کے پابند ہو جائیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو وہ تمہارے بھائی ہو جائیں گے دین میں۔

(سورۂ توبہ ۔ ۱۱)

رب اور بندہ کا تعلق اور اس تعلق کا تقاضا

رب اور بندہ کے درمیان جو تعلق قائم ہے وہ (جیسا کہ باب اول میں بیان کیا جا چکا ہے) ایسا تعلق ہے جس کے لئے کوئی نظیر، اساس یا پیمانہ ہمارے ان تعلقات میں موجود نہیں جن سے ہم آشنا ہیں، ہم زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک رحیم و کریم اور منعم و فیاض مالک اور فقیر و ذلیل مفلس و محتاج اور عاجز و درماندہ انسان کا تعلق ہے، اور اس رب کریم کی صفات کمال، افعالِ قدرت، ربوبیت تامہ اور اس کی محبت و رافت اور لطف بے نہایت کا یہ ادنیٰ تقاضا ہے کہ بندہ دل و جان سے اس پر قربان ہو جائے اور نہ صرف مال و زر بلکہ روح و دل ہر چیز اس پر بصد شوق نثار کرنے کے لئے تیار رہے۔

مظاہر ربوبیت اور لطف و عنایت

اب ہمیں اس کی ربوبیت عامہ، رحمت و ہدایت، لطف و عنایت، اور کرم و بخشائش کے مظاہر پر

www.abulhasanalinadwi.org

غور کرنا چاہیئے، یہ اللہ تعالیٰ ہی تو ہے جس نے انسان کو یہ متناسب و موزوں لباس وجود عطا کیا اور اس کو زمین کے خزانوں اور ذخیروں، اور اس کے وسیلوں اور سرچشموں سے فائدہ اٹھانے کی طاقت بخشی اور اس غرض سے اس کے اندر نہایت لطیف، نازک اور حکیمانہ و معجزانہ نظام قائم فرمایا، اس کے اندر بحث و جستجو کا ذوق، ان وسائل و ذخائر کے استعمال، ان کی تنظیم، تبادلۂ باہمی تعاون اور لین دین کی صلاحیت پیدا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ کی یہ صفت ربوبیت و ہدایت کائنات کے تمام انواع و اجناس اور اصناف و موجودات میں جلوہ گر ہے اَلَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی[1] (جس نے ہر چیز کو اس کی بناوٹ عطا کی پھر اس کی رہنمائی کی) لیکن انسان کو (جو اس زمین پر اللہ تعالیٰ کا خلیفہ بھی ہے) اس کا سب سے بڑا حصہ ملا ہے اور وہی اس کا سب سے بڑا مظہر اور مرکز تجلّی ہے۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِی	اور ہم نے بنی آدم کو عزت دی ہے اور ہم نے انھیں
الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ	خشکی اور دریا (دونوں) میں سوار کیا اور ہم نے ان کو
وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا	نفیس چیزیں عطا کیں اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی
تَفْضِیْلًا (سورۂ اسراء ۔ ۷۰)	مخلوقات پر بڑی فضیلت دی ہے۔

اس نے اس کے لئے زمین کو ہموار اور فضا کو سازگار بنایا اور زمین کی مخفی طاقتوں، پوشیدہ خزانوں، اَن کی ذخیروں اور خام معدنیات سے فائدہ اٹھانے کا جذبہ، شوق اور استعداد پیدا کی۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا	وہ وہی ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے مسخر کر دیا
فِیْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ	سو تم اس کے راستوں پر چلو پھرو اور اللہ کی (دی ہوئی)
(سورۂ ملک ۔ ۱۵)	روزی میں سے کھاؤ (پیو)۔

اس لئے انسان کے لئے زندگی کی ان ضروری اشیاء کو جو (شہری و دیہاتی، ترقی یافتہ اور پسماندہ) ہر قوم کے لئے

---

[1] سورۂ طٰہٰ ۔ ۵۰

www.abulhasanalinadwi.org

زندگی کا آسرا اور غذا کا سرچشمہ ہیں اور جن کے بغیر زندگی کا وجود ناقابلِ تصور ہے یعنی غلہ پانی اور آگ کو نہ صرف مسخر کیا بلکہ عام وارزاں بنا دیا۔

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ	اچھا پھر یہ بتاؤ کہ جو کچھ تم بوتے ہو اسے تم اگاتے ہو
اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ	یا (اس کے) اگانے والے ہم ہیں اگر ہم چاہیں تو اس (پیداوار)
حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ۝ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ۝	کو چورا چورا کر دیں پھر تم حیرت کرنے لگو (اب کی تو)
بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ۝ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ	ہم پر تاوان پڑ گیا بلکہ ہم (بالکل ہی) محروم رہ گئے،
الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ	اچھا پھر یہ بتاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو اس کو بادل
الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ۝ لَوْ نَشَآءُ	سے تم برساتے ہو یا (اس کے) برسانے والے ہم ہیں؟
جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ۝ اَفَرَءَيْتُمُ	اگر ہم چاہیں اس کو کھارا کر ڈالیں تو تم شکر کیوں
النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ	نہیں کرتے اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ جس آگ کو تم سلگاتے
شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ۝ نَحْنُ	ہو اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم پیدا
جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ۝	کرنے والے ہیں؟ ہم نے اس کو یاددہانی کی چیز اور
(سورۂ واقعہ ۶۳ تا ۷۳)	مسافروں کے نفع کی چیز بنایا ہے۔

فطرت انسانی کا خاصہ اور زندگی و تمدن پر اس کا اثر

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر جمادات و حیوانات کے برعکس ذوق جمال، حسن و نفاست، قوت نمو اور تنوع و ترقی کا ایک ایسا جذبہ رکھا ہے جس کے دم سے زندگی کی یہ رونق قائم اور اس کا خون رواں اور گرم ہے اور اس دنیا کی ساری تعمیر و ترقی، تنوع و جدت پسندی اور ایجادات و انکشافات دراصل اسی جذبہ کے مرہون منت ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

www.abulhasanalinadwi.org

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۚ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۚ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ۝

(سورۂ اسراء۔ ۲۰۔۲۱)

ہم ہر ایک کو بڑھ بڑھ کر دیتے ہیں ان میں سے بھی اور ان میں سے بھی آپ کے پروردگار کی بخشش میں سے اور آپ کے پروردگار کی بخشش (کسی پر) بند نہیں تو دیکھ ہم نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر کیسی فضیلت دے رکھی ہے اور آخرت یقیناً بہت بڑی ہے درجات کے اعتبار سے بھی اور بہت بڑی ہے فضیلت کے اعتبار سے بھی۔

اس نے اس کے اندر ایک دوسرے سے تعاون کرنے، حقوق کا خیال رکھنے، ملک کے امن و سلامتی کو برقرار رکھنے، اکل حلال اور مشترکہ منافع کے حصول کے لئے مہم جوئی و خطر پسندی کا جذبہ اور شوق پیدا کیا، انسانیت کا کوئی طبقہ اور تاریخ کا کوئی دور ایسا نہیں جو اس جذبہ سے خالی اور اس صلاحیت سے محروم رہا ہو۔

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۝ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ۝ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝

(سورۂ قریش۔ ۱ تا ۴)

قریش کو خوگر ہونے کی بنا پر اپنے جاڑے اور گرمی کے سفر کے خوگر ہونے کی بنا پر چاہئے تھا کہ اس خانہ (کعبہ) کے مالک کی عبادت کریں جس نے ان کو بھوک میں کھانے کو دیا اور انھیں خوف سے امن دیا۔

کوئی چیز انسان کی حقیقی ملک نہیں

ان مسلّمہ حقائق اور فطری صورت حال کا (جس میں انسان کا عجز و افلاس اور اس کا ضعف و بے حقیقتی اپنی آخری شکل میں کھل کر ظاہر ہو رہی ہے اور جس میں خدا کی ربوبیت کاملہ بھی پوری طرح جلوہ گر ہے) نیز عقل منطق اور ذوق سلیم کا طبعی تقاضا یہ ہے کہ اس کے بعد کوئی چیز انسان کی ملک نہ سمجھی جائے، کوئی چیز اس کی طرف منسوب نہ کی جائے، اور مختصر الفاظ میں اس سے وہ معاملہ کیا جائے جو اس شیر خوار اور

www.abulhasanalinadwi.org

چھوٹے بچہ سے کیا جاتا ہے جو اپنے والدین کی گود میں پلتا اور ان کی انگلی پکڑ کر چلتا ہے، بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو نظر آئے گا کہ انسان اس عظیم کائنات میں اور اس بلند و برتر اور قادر مطلق پروردگار کے سامنے اس بچہ سے بھی زیادہ کمزور و ناتواں اور بے حقیقت ہے جو اپنے والدین کے سایۂ عاطفت میں پلتا بڑھتا اور ان کے قدموں میں گھسٹ گھسٹ کر چلتا ہے، خدا کی شان تو اس مجازی مربی و مالک سے کہیں بلند و برتر ہے۔

وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ — اور آسمانوں اور زمین میں اسی کی شان (سب سے) وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ (سورۂ روم۔ ۲۷) — اعلیٰ ہے اور وہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔

اس لئے وہ تمام اشیاء جو انسان کی ملکیت سمجھی جاتی ہیں یا جن املاک کو اس نے اپنے جہل و ناواقفیت کی بنا پر خود اپنی طرف منسوب کر لیا ہے، ان سب کی اضافت صرف اسی کی طرف کرنی چاہئے جو ان کا پیدا کرنے والا ہے اور جس نے انسان کو ان چیزوں پر اختیار صرف محدود مقاصد کے لئے محدود وقت تک اور محدود طریقہ پر بخشا ہے۔

اسلام کے اقتصادی نظام کا بنیادی تخیل، ہر چیز خدا کی ملکیت ہے

اس حقیقت کے پیش نظر (جو سارے حقائق پر محیط اور دنیا کے تمام دینی، اخلاقی اور معاشی نظاموں میں جاری و ساری ہے) قرآن مجید نے تمام انسانی معاملات کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر دیا ہے، اور انسان کو صرف ایک چیز کا ذمہ دار بنایا ہے، اور وہ چیز ہے منصب خلافت۔

وہ مسلمانوں سے کبھی اس انداز سے مخاطب ہوتا ہے۔

وَآتُوهُم مِّن مَّالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ — اور اللہ کے اس مال میں سے بھی انھیں دو جو اس نے (سورۂ نور۔ ۳۳) — تمہیں عطا کیا ہے۔

کبھی اس طرح :۔

www.abulhasanalinadwi.org

وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ۭ (سورۂ حدید - ۷) — اور جس مال میں سے اس نے تم کو دوسروں کا جانشین بنایا ہے اس میں سے خرچ کرو۔

آیت بالا میں اس کا اعلان صاف طریقہ پر موجود ہے کہ ان تمام اشیاء کا حقیقی مالک اور حقیقی وارث اللہ تعالیٰ ہے اس لئے انسان اگر چند پیسے اس کی راہ میں خرچ کر دیتا ہے تو اس کو اس پر فخر و ناز کا کوئی حق نہیں۔

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ (سورۂ حدید - ۱۰) — تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ہو درانحالیکہ آسمان اور زمین سب آخر میں اللہ ہی کے رہ جائیں گے۔

اس صورت حال کا تقاضا بلکہ قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ انسان اپنی ہر ملکیت سے دستبردار ہو جائے اور اس کو اپنی زمین و جائداد میں ادنیٰ تصرف کا حق باقی نہ رہے اور وہ بالکل مقید پابند اور معطل ہو جائے۔

انسان کی طرف مال کی اضافت کا راز اور اس کے مصالح

لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت و حکمت نے انسان کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کیا اور ان اموال و املاک اور انسانی جد و جہد کے ثمرات و نتائج کو صرف خدا کی طرف منسوب کر کے انسان کو اس سے محروم نہیں کیا، اگر ایسا ہوتا تو اس میں تعجب یا چوں و چرا کی کوئی بات نہ تھی لیکن اس سے انسان خود اعتمادی، ولولہ کار، قوت نمو، جذبۂ مسابقت، ذوق جستجو، اور مختصر الفاظ میں زندگی کے اس کیف اور سرور سے محروم ہو جاتا جو اپنی کوشش کے نتائج اور اپنی محنت کا ثمرہ دیکھ کر اس کو حاصل ہوتا ہے۔

یہ وہ فطری لذت ہے جو بچوں کو اپنے گھر اور اپنے والدین کی چیزوں کو اپنی طرف منسوب کرنے سے حاصل ہوتی ہے اگر انسان اس جذبہ سے محروم ہو جائے تو وہ اخلاص و محبت، خیر خواہی، ان اموال و املاک کی حفاظت اور ان کو ترقی دینے کی فکر و امنگ سے محروم ہو جائے گا، زندگی اپنی ساری سرگرمی و جوش عمل، کشمکش اور

www.abulhasanalinadwi.org

جذبۂ مسابقت اور وہ حوصلہ اور ولولہ کھو دے گی جو انسان کی بقاو ترقی کے لئے ناگزیر ہے، دنیا ایک بڑا کارخانہ بن جائے گی جس میں انسان مشین کے گونگے بہرے کل پرزوں کی طرح متحرک ہوں گے نہ ان کے پاس دل ہوگا نہ ضمیر، نہ آسودگی نہ لذت۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مال کا انتساب بار بار انسان کی طرف کیا ہے، اس کے خالق و رازق کی طرف نہیں :۔

وَلَا تَأْكُلُوٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (سورۂ بقرہ۔ ۱۸۸)	اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر مت کھاؤ اڑاؤ اور نہ اسے حکام تک پہنچاؤ کہ جس سے لوگوں کے مال کا ایک حصہ تم گناہ سے کھا جاؤ درانحالیکہ تم جان رہے ہو۔
اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (سورۂ بقرہ۔ ۲۶۲)	جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور جو کچھ خرچ کر چکے ہیں اس کے عقب میں احسان و اذیت سے کام نہیں لیتے ان کے لئے اس کا اجر ان کے پروردگار کے پاس ہے اور ان پر نہ کوئی خوف (واقع) ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ۔ (سورۂ بقرہ۔ ۲۶۷)	اے ایمان والو جو تم نے کمایا ہے اس میں سے عمدہ چیزیں خرچ کرو اور اس میں سے (بھی) جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالی ہیں۔
وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا۔ (سورۂ نساء۔ ۵)	اور کم عقلوں کو اپنا مال نہ دے دو جس کو اللہ نے تمہارے لئے مایۂ زندگی بنایا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ۝ (سورۂ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ۳۶)

اور اگر تم ایمان لاؤ اور تقویٰ اختیار کرو تو (اللہ) تم کو تمہارے اجر عطا کرے گا اور تم سے تمہارے مال طلب نہیں کرے گا۔

غرض قرآن مجید میں اس طرح کی بکثرت آیات موجود ہیں جن میں نہ صرف مال کی اضافت انسان کی طرف کی گئی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اور وسعت دے کر قرض حسنہ قرار دے دیا ہے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اور اس کے بندوں کی بھلائی کے لئے انسان جو کچھ بھی خرچ کرتا ہے اس کے نزدیک وہ قرض حسن ہے ارشاد ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً۔ (سورۂ بقرہ۔ ۲۴۵)

کون ایسا ہے جو اللہ کو اچھا قرضہ قرض دے پھر اللہ اسے بڑھا کر اس کے لئے کئی گنا کر دے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ۔ (سورۂ تغابن۔ ۱۷)

اگر تم اللہ کو اچھی طرح قرض دو گے تو وہ اس کو تمہارے لئے بڑھاتا چلا جائے گا۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ (سورۂ مزمل۔ ۲۰)

اور نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ کو اچھی طرح قرض دو۔

خلافت و امانت کا تصور

یہ حقیقت کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ملک مطلق ہے اور وہ اس کائنات کے تمام موجودات کا مالک حقیقی ہے قرن اول کے مسلمانوں کے رگ و ریشہ میں اس طرح سرایت کر چکی تھی کہ وہ اپنے کو اس مال و دولت کا صرف امین سمجھتے تھے اور اپنی رائے سے اس میں کوئی تصرف نہ کرتے تھے ان کے مال کے استعمال میں نہ ریاکاری شامل ہوتی تھی نہ فخر نہ تکبر نہ ناز

www.abulhasanalinadwi.org

قرآن مجید نے امانت وخلافت کے تصور کو ان کے دل ودماغ میں مختلف طریقوں سے اچھی طرح راسخ کر دیا تھا، اور ان کو یہ باور کرا دیا تھا کہ اگرچہ یہ مال انھوں نے اپنے زورِ بازو سے اور خونِ پسینہ ایک کر کے جمع کیا ہے، تاہم اسلام کے عہد نامہ کی رُو سے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے تمام حقوق اور دعوؤں سے دستبردار ہونے کے لحاظ سے وہ دوبارہ خدا کی ملکیت میں آگیا ہے، اور یہی وہ چیز ہے جس کا اقرار انسان اسلام میں داخل ہوتے وقت اور کلمۂ شہادت پڑھتے وقت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کو اس کا پورا حق حاصل ہے کہ اپنی مستعار دی ہوئی اور ودیعت کی ہوئی چیز جب چاہے واپس لے لے، یہ اس کی خریدی ہوئی چیز ہے، جس کو وہ ہر وقت حاصل کر سکتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ	بلاشبہ اللہ نے مومنین سے خرید لیا ہے ان کی جانوں اور
وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (سورۂ توبہ ۔ ۱۱۱)	ان کے مالوں کو اس کے عوض میں کہ انھیں جنت ملے گی۔

وہ ان لوگوں کو بُرے انجام سے ڈراتا اور تنبیہ کرتا ہے جو مال کی محبت میں پوری طرح گرفتار ہو چکے ہیں، اور جہاد فی سبیل اللہ اور ادائیگی فرض کے مقابلہ میں ان کو اپنی راحت اور اپنی خواہشات زیادہ عزیز ہیں، اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کو اپنے مال ودولت اور املاک وجائداد میں ہر طرح کا تصرف کرنے اس کو بچا بچا کر رکھنے اور اس کی حفاظت کا پورا حق حاصل ہے، ارشاد ہوتا ہے:۔

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ	آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے لڑکے اور
وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ	تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبہ اور
اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا	وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے بگڑ جانے
وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللّٰهِ	سے تم ڈر رہے ہو اور وہ گھر جنھیں تم پسند کرتے ہو (یہ سب)
وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا	تم کو اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد
حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي	کرنے سے زیادہ عزیز ہوں تو منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ اپنا

www.abulhasanalinadwi.org

الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ○ (سورۂ توبہ - ۲۴) حکم بھیج دے اور اللہ نافرمان لوگوں کو مقصود تک نہیں پہنچاتا۔

وہ مسلمانوں کو اس بات سے آگاہ اور خبردار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں سخاوت و عالی ہمتی کے ساتھ خرچ کرنے سے پرہیز اس کے لئے جان و مال کی قربانی سے دریغ اور اس کے دین کی نصرت و حمایت سے (جس کے ساتھ ان کی زندگی و بقا وابستہ ہے) کنارہ کشی اپنے کو ہلاکت میں ڈالنے کے مرادف اور آج کل کی تعبیر میں "خودکشی" کے ہم معنی ہے۔

وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَاَحْسِنُوْا ۛ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○ (سورۂ بقرہ - ۱۹۵)

اور اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہو اور اپنے کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو اور اچھے کام کرتے رہو یقیناً اللہ اچھے کام کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

امانت و خلافت کا تصور اولین مسلمانوں میں کیا تھا؟

صحابہ کرام کا اپنے مال و متاع، زمین و جائداد، کھیتی باڑی اور تجارت و کاروبار کے ساتھ بالکل یہی معاملہ تھا، انھوں نے ان سب چیزوں کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں دے دیا تھا، ہجرت سے قبل مکہ معظمہ میں انھوں نے یہی کردار ادا کیا، حضرت ابوبکرؓ صدیق، عثمان بن عفانؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، صہیب رومیؓ اور ابوسلمہ رضی اللہ عنہم اور دوسرے بڑے بڑے مہاجرین و اغنیاء صحابہ نے ہمیشہ اسی طرز عمل کا نمونہ پیش کیا، جس کا مطالبہ قرآن مجید میں کیا گیا ہے، مدینہ طیبہ میں انصار کا طرز عمل اور رویہ بھی اسی کے مطابق تھا۔

جنگ بدر سے قبل حضرت سعد بن معاذؓ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے جو گفتگو فرمائی تھی، اس میں ہم کو اس تصور کی پوری عکاسی ملتی ہے، حدیث میں آتا ہے:-

"جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو قریش کی پیش قدمی کی خبر پہونچی تو آپ نے اپنے صحابہ سے مشورہ فرمایا مہاجرین سے آپ نے مشورہ فرمایا تو انھوں نے بہت اچھی بات کی، آپ نے دوبارہ مشورہ کیا تو انھوں نے

www.abulhasanalinadwi.org

بہت اچھی گفتگو کی، پھر آپ نے ان سے تیسری بار مشورہ کیا تو انصار نے محسوس کیا کہ شاید حضورؐ کی بات کا رخ انصار کی طرف ہے، اس وقت سعد بن معاذؓ نے بڑھ کر عرض کیا کہ شاید حضور کا روئے سخن ہماری طرف ہے اور حقیقت یہی تھی، اس لئے کہ انصار نے آپ سے اس پر بیعت کی تھی کہ وہ اپنے گھر رہتے ہوئے آپ کی حمایت و نصرت کا حق ادا کریں گے اور دفاع کا فرض انجام دیں گے، جب آپ نے باہر نکل کر مقابلہ کا ارادہ کیا تو آپ نے سب کا خیال معلوم کرنے کے لئے عمومی مشورہ کیا، اس وقت سعد بن معاذؓ آگے بڑھے اور کہا کہ شاید حضورؐ کو اس کا خیال ہے کہ انصار نے صرف اپنے دیار میں حضورؐ کی نصرت کا وعدہ کیا ہے، میں انصار کی طرف سے بولتے ہوئے عرض کرتا ہوں کہ آپ جہاں چاہیں سفر فرمائیں، جس سے چاہیں رشتہ جوڑیں جس سے چاہیں قطع تعلق کریں، ہمارے مالوں میں سے جتنا جی چاہے لے لیں اور جتنا چاہیں چھوڑ دیں جو آپ لے لیں گے وہ ہمیں چھوڑے ہوئے سے زیادہ محبوب اور عزیز ہوگا، جو آپ حکم فرمائیں گے ہم اس کو بسر و چشم قبول کریں گے، خدا کی قسم اگر آپ "برک غمدان" تک جانا چاہیں گے تو ہم آپ کے ساتھ چلیں گے اور خدا کی قسم اگر آپ سمندر میں جائیں گے تو ہم بھی آپ کے ساتھ اس میں کود جائیں گے۔[1]

انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب اور مسلمانوں کی فیاضی و گرمجوشی

جب یہ عقیدہ مسلمانوں کے دلوں میں اچھی طرح مستحکم ہو گیا بلکہ ان کے رگ ریشہ میں سرایت کر گیا کہ یہ مال اللہ تعالیٰ کا ہے جو بطور امانت ان کے سپرد کیا گیا ہے تو اس وقت ان سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ بنیادی اور شرعی حقوق کی بجاآوری اور ضروریات زندگی کی تکمیل کے بعد جو کچھ بچے اس کو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کر دیں، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ[2] اور (لوگ) آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کتنا خرچ

---

[1] زاد المعاد ج ۱ ص ۱۳۶-۱۳۷ [2] سورۂ بقرہ - ۲۱۹ - ابن کثیر نے العفو کی تفسیر یہ کی ہے کہ جو تمہارے گھر کی ضروریات سے فاضل ہو ابن عمر، مجاہد، عطاء، عکرمہ، سعید بن جبیر، محمد بن کعب، الحسن، قتادہ، القاسم، سالم، عطاء خراسانی، ربیع بن انس سے بھی یہی روایت ہے کہ جو ضروریات سے فاضل ہو، ابن بطال کہتے ہیں کہ جو کفاف (ضرورت بھر کا مال) سے بچے، ہم نے ترجمہ میں اسی کو اختیار کیا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

کریں آپ کہہ دیجئے کہ جو ضروریات سے بچ رہے۔

انھوں نے اس مطالبہ کو پوری گرمجوشی وفیاضی اور انشراح صدر کے ساتھ پورا کیا، اس اقرار کے بعد کہ سب مال اللہ تعالیٰ کا ہے، اور وہ صرف اس کے امین، متولی، منتظم اور ٹرسٹی ہیں، ہر قربانی ان پر آسان ہوگئی تھی، اور یہ بات یہاں تک بڑھ گئی تھی کہ وہ اپنی ضروریات روک کر اور خود تکلیف اٹھا کر دوسروں پر خرچ کرتے تھے، حضرت ابوطلحہ انصاریؓ کی میزبانی کا واقعہ تاریخ میں مشہور ہے، اور حق یہ ہے کہ سخاوت وایثار کی نظیر جو انھوں نے قائم کی وہ انسانی تمدن کی پوری تاریخ میں نہایت نادر و کمیاب ہے، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے رسول اللہ مجھے سخت بھوک اور فاقہ ہے آپؐ نے اپنے یہاں دریافت فرمایا وہاں کچھ نہ تھا، پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی آدمی ہے جو اس شخص کی اس رات میزبانی کرے، یہ سن کر ایک انصاری (حضرت ابوطلحہؓ) کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ میں ہوں یارسول اللہ، اس کے بعد وہ اپنے گھر گئے اور بیوی سے کہا کہ یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مہمان ہیں، جو کچھ ہو ان کو پیش کر دیا جائے، انھوں نے کہا کہ صرف بچوں کا کھانا ہے، انھوں نے کہا کہ جب عشا ہو جائے تو بچوں کو کسی طرح بہلا کر سلا دو اور آکر چراغ بجھا دو، ہم لوگ رات اسی طرح گزار دیں گے، انھوں نے یہی کیا صبح ہوئی تو یہ انصاری رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو فلاں اور فلاں کا یہ کام بہت پسند آیا یا یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو ہنسی آئی، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ[1] اور اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ خود فاقہ میں ہی ہوں۔

زکوٰۃ انفاق وصدقات کے معنی میں

زکوٰۃ کا ذکر مکی سورتوں میں بھی آیا ہے، جہاں اس سے مراد قدرتی طور پر مطلق خیرات ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

---

[1] سورہ حشر - ۹ - صحیح مسلم میں ہے کہ ان انصاری صاحب کا نام ابوطلحہ تھا۔

www.abulhasanalinadwi.org

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ ۝ (المؤمنون ۱-۴)

یقیناً (وہ) مومنین فلاح پاگئے جو اپنی نماز میں خشوع رکھنے والے ہیں اور جو لغو (بات) سے کنارہ رہنے والے ہیں اور وہ لوگ جو زکوٰۃ پر عامل ہیں۔

دوسری جگہ ذکر ہے:۔

وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ (حم سجدہ ۶-۷)

اور بڑی کمبختی ہے مشرکین کے لئے جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت کے وہ منکر ہی ہیں۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور اسلام کے فضائل و احسانات کے ضمن میں بعض شاہانِ وقت کے سامنے بھی اس کا ذکر اسی معنی میں کیا گیا ہے، چنانچہ جعفر بن ابی طالب نے نجاشی کے دربار میں یہ کہا:۔

وَاَمَرَنَا اَنْ نَّعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّاَمَرَنَا بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَالصِّيَامِ[1]

انھوں نے ہم کو اس کا حکم دیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ کریں اور انھوں نے ہم کو نماز زکوٰۃ اور روزے کا حکم دیا ہے۔

یہ بعثت نبوی کے پانچ سال بعد کا واقعہ ہے۔

زکوٰۃ کے ایک ایسے معین اور مخصوص نظام کی ضرورت جو ہر طبقہ اور ہر عہد کا ساتھ دے سکے

جب اسلامی معاشرہ عقیدہ کی پختگی اخلاقی تربیت، اطاعت و انقیاد، سخاوت و ایثار اور انفرادی و جماعتی انانیت سے آزادی کی آخری سطح تک پہونچ گیا، سوسائٹی بہت وسیع ہوگئی اور اس میں مختلف اخلاقی و روحانی مراتب اور درجات قائم ہوگئے، انسانوں کے مختلف گروہ اور قسمیں ہوگئیں جن میں مالدار بھی تھے، غریب بھی اور متوسط الحال بھی، ایسے فیاض اور سخی بھی تھے کہ داد و دہش ان کا ذوق اور غذا بلکہ مزاج اور طبیعت ثانیہ

---

[1] سیرت ابن ہشام۔

www.abulhasanalinadwi.org

بن گئی تھی، بخیل اور حریص بھی تھے اور میانہ رو و معتدل بھی، ایک طرف ایسی قوت ایمانی تھی، جو بڑے سے بڑا خطرہ مول لے سکتی تھی، بڑی سے بڑی قربانی دے سکتی تھی، مشکل سے مشکل مسئلہ حل کر سکتی تھی، دوسری طرف اس ضعف ایمانی کے نمونے تھے، جو عالم اسلام کے دور دراز گوشوں میں اور عہد آخر کی نسلوں میں دیکھے جا سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمت و رحمت تھی کہ اس نے ایسے متنوع مختلف الحال معاشرہ کے لئے ایک ایسا واضح اور معین نصاب مقرر کر دیا جس کی مقدار و تعداد، اصول و شرائط اور علامات و نشانات سب پوری طرح واضح اور مقرر ہیں، یہ نصاب اتنا زیادہ ہے کہ متوسط طبقہ اس کے بارے پریشان ہو جائے نہ اتنا کم کہ امراء و دولتمند طبقہ اور اہل ہمت اہل خیر کی نگاہ سے گر جائے۔

اللہ تعالیٰ کی یہ بھی بڑی حکمت تھی کہ اس کو کسی کی رائے یا شخصی ہمت و حوصلہ پر نہیں چھوڑا گیا، نہ اس کو ان انسانی جذبات کے حوالہ کیا گیا جن میں مد و جزر اور اتار چڑھاؤ ہر وقت ہوتا رہتا ہے، اس کو قانون سازوں اور علماء یا حکام کے حوالہ بھی نہیں کیا گیا اس لئے کہ ان پر بھی کلی اعتماد ممکن نہیں اور وہ بھی ہوائے نفس سے محفوظ و مامون نہیں، ان سب باتوں کے پیش نظر زکوٰۃ اپنے نصاب و مقدار کے ساتھ فرض کی گئی۔[1]

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب زکوٰۃ کے نصاب کی حکمت اور اس کے تعین کی مصلحت و افادیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

---

[1] ہمارے نزدیک ترجیح اس کو ہے کہ زکوٰۃ ہجرت کے بعد فرض ہوئی اور یہ بات ہجرت کے پانچویں سال سے قبل پیش آئی اور اس کا ایک فریضہ اور اسلام کے ایک رکن کی حیثیت سے ذکر آیا، ضمام بن ثعلبہ اور وفد عبدالقیس کی حدیث (جس کی حاضری پانچویں سال ہوئی) اور ہرقل اور ابوسفیانؓ کے مکالمہ سے (جو ساتویں سال کے آغاز میں ہوا) یہ بات عیاں ہے، احمد ابن خزیمہ نسائی، ابن ماجہ اور حاکم سے قیس بن عبادہ نے جو حدیث روایت کی ہے اس سے اس کی مزید تصدیق ہوتی ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم کو صدقۂ فطر کا حکم دیا قبل اس کے کہ زکوٰۃ کا حکم آئے پھر زکوٰۃ فرض کی گئی اور آپ نے ہمیں اس سے (صدقۂ فطر) سے نہ منع فرمایا نہ حکم دیا لیکن ہم اس کی پابندی کرتے رہے، اس حدیث کی سند صحیح ہے، صدقۂ فطر کا رمضان سے تعلق ہے، جو ہجرت کے دوسرے سال فرض ہوا، آیت اس فریضہ پر دلالت کرتی ہے اور وہ بلا اختلاف رائے مدنی آیت ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

"پھر اس کی ضرورت ہوئی کہ زکوٰۃ کی مقدار مقرر کر دی جائے اس لئے کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو اس میں بہت افراط و تفریط اور حدود سے تجاوز کا خطرہ ہے، یہ نہ اتنی کم ہونی چاہئے کہ ان پر اس کا کوئی اثر ہی محسوس نہ ہو اور ان کے بخل کا کوئی علاج ہی نہ ہو سکے، نہ اتنی زیادہ ہونی چاہئے کہ اس کا ادا کرنا مشکل ہو جائے، اسی طرح زکوٰۃ کی مدت کا بھی معاملہ ہے، نہ یہ مدت اتنی مختصر مناسب تھی کہ بار بار زکوٰۃ ادا کرنے کی نوبت آتی نہ اتنی طویل کہ بخیلوں کو پوری چھوٹ مل جاتی اور محتاجوں اور ضرورت مندوں کا کوئی بھلا ہی نہ ہو سکتا، مناسب یہی تھا کہ اس کا ایک ایسا قانون بنا دیا جاتا جس طرح عام طور پر بادشاہ اپنی رعایا کے لئے ٹیکس کی حد مقرر کر دیتے ہیں اس لئے کہ عرب و عجم سب اس کے عادی ہیں اور اس کو ایک ناگزیر چیز سمجھتے ہیں اور ان کے احساس کو اس سے کوئی تکلیف نہیں پہونچتی، خاص طور پر مسلمان جو کلفت کے بجائے الفت کا عادی اور خوگر ہے اس حکم کی تابعداری میں سب سے پیش پیش ہوگا۔"[1]

زکوٰۃ کس چیز پر واجب ہے اور اس کے مقدار کے تعین میں کیا حکمت ہے

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کی مقدار بھی متعین فرما دی ہے اور ان چیزوں کی نشان دہی بھی کر دی ہے، جن پر زکوٰۃ فرض ہے آپ نے یہ بھی بتا دیا کہ زکوٰۃ کب واجب ہوگی، آپ نے ان چیزوں کی چار قسمیں کی ہیں اور یہ چاروں ایسی ہیں جن سے تقریباً ہم سب کو واسطہ پڑتا ہے، پہلی قسم کاشت اور باغات، دوسری قسم مویشی (اونٹ، گائے، بکری وغیرہ) اور تیسری قسم وہ ہے جس پر مالیات کا سارا نظام قائم ہے، یعنی سونا، چاندی، چوتھی تجارت کا مال، اپنی تمام قسموں اور شعبوں کے ساتھ۔[2]

زکوٰۃ سال میں ایک بار فرض ہے، البتہ باغات و کاشت کا سال اس وقت پورا سمجھا جائے گا جب یہ باغات اور کھیتیاں پک جائیں اور اپنے کمال کو پہونچ جائیں، اور حقیقت یہ ہے کہ اس سے زیادہ انصاف

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۳ [2] ماخوذ از زاد المعاد ج ۱ ص ۱۴۵ باختصار

www.abulhasanalinadwi.org

ممکن ہی نہیں تھا، اگر زکوٰۃ ہر مہینہ یا ہر ہفتہ ادا کرنی پڑتی تو یہ دولت مند لوگوں کے لئے بہت نقصان دہ ہو سکتی تھی اور اگر عمر میں ایک بار فرض ہوتی تو غربا اور مساکین کے حق میں مضرت رساں تھی، اس لحاظ سے اس سے زیادہ موزوں اور معتدل حکم کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا کہ اس کو ہر سال ادا کیا جائے، زکوٰۃ کی مقدار کا تعین مالکین نصاب کی محنت و جد و جہد اور ان کی سہولت و مشقت کو سامنے رکھ کر کیا گیا ہے، چنانچہ جو مال و دولت آدمی کو اچانک اور یکمشت دستیاب ہو جائے (مثلاً کان، کوئی معدنی ذخیرہ یا خزانہ) تو اس میں سال گزرنے کا انتظار نہ کیا جائے گا اور جس وقت وہ اس کو حاصل ہوگا اسی وقت اس کا "خمس" (پانچواں حصہ) اس پر واجب ہو جائے گا، البتہ جس کی تحصیل میں خود اس کی محنت اور سعی کو دخل ہو اور اس نے اس کے لئے محنت و مشقت برداشت کی ہو تو اس پر عُشر واجب ہوگا مثلاً کاشت و باغات وغیرہ، اس سے مراد وہ کاشت ہے جس کو بونے جوتنے کا کام تو وہ خود کرتا ہے لیکن نہ اس کی سینچائی اس کو کرنا پڑتی ہے نہ اس کے لئے کنواں کھودنا اور رہٹ لگانا پڑتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ بارش کے پانی سے اس کی سینچائی فرما دیتے ہیں، ہاں اگر کوئی شخص ڈول کے ذریعہ یا کسی اور طریقہ سے اس کی سینچائی کرتا ہے تو بیسواں حصہ اس پر واجب ہوگا، اگر کوئی ایسا کام ہو جس کے اضافہ کا انحصار مالک کی محنت پر ہو اس کا انتظام، نگرانی اور حفاظت اس کے ذمہ ہو تو اس پر اس کا بھی نصف یعنی چالیسواں حصہ واجب ہوگا، اس لئے کہ اس میں اس کو کھیتی باڑی سے زیادہ مصروف رہنا پڑتا ہے اور ہر وقت نگرانی کرنی ہوتی ہے، کھیتی باڑی اور باغات وغیرہ میں تجارت سے کم دیکھ بھال کرنی پڑتی ہے اور اس میں اتنا وقت بھی صرف نہیں ہوتا جتنا کسی دکان یا کارخانہ اور کمپنی میں ہوتا ہے، اسی طرح بارش سے جو کھیتی پیدا ہوتی ہے وہ سینچائی والی کھیتی سے زیادہ اچھی اور آسان ہوتی ہے، اسی طرح کسی خزانہ کی دریافت ان تمام چیزوں سے زیادہ آسان ہے اور اس میں کچھ بھی کرنا نہیں پڑتا، چنانچہ نقدی کے لئے دو سو درہم اور سونے کے لئے بیس[۲] مثقال[۱]

---

[۱] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک مثقال ایک دینار کے مساوی تھا، اور ایک دینار دس درہم کے برابر، اس لحاظ سے بیس مثقال (یا بیس دینار) دو سو درہم کے برابر ہوئے، دو سو درہم اکثر علماء ہندوستان کی تحقیق کے مطابق ساڑھے باون تولہ چاندی کے مساوی ہوتے ہیں، ۲۰ مثقال (یا بیس دینار) ساڑھے سات تولہ سونے کے مساوی سمجھا گیا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

غلہ اور پھلوں کے لئے پانچ وسق[1] (جو اونٹ کے پانچ بوجھ کے برابر ہوتا ہے) بکری کے لئے چالیس[40] بکریاں، گائے کے لئے تیس اور اونٹ کے لئے پانچ مقرر کئے گئے[2]۔

زکوٰۃ کا صحیح مصرف اور اس کے مناسب اوقات

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے زکوٰۃ کے مناسب محل اور اس کے اوقات کی حکمت و مصلحت کی بڑی اچھی وضاحت کی ہے، وہ لکھتے ہیں:۔

"وہ دروازے جو صالح سلاطین نے بلا کسی تکلیف و مشقت کے زکوٰۃ کے لئے کھولے تھے اور جن کو عقل بھی قبول کرتی ہے چار ہیں اول یہ کہ اموال نامیہ سے زکوٰۃ لی جائے اس لئے کہ اس کی حفاظت کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور نمو ملک کے باہر آنے جانے کے بغیر پورا نہیں ہوتا۔

اموال نامیہ کی تین قسمیں ہیں مویشی، کاشت، تجارت، دوسرے یہ کہ خزانہ کے مالکوں اور سرمایہ داروں سے لی جائے اس لئے کہ ان کو چوروں اور ڈاکوؤں سے اپنے مال کی حفاظت کی سب سے زیادہ ضرورت ہے اور ان کی آمدنی کی مدیں اتنی زیادہ ہیں کہ اس نئے خرچ سے ان کو کوئی دشواری نہیں ہوگی۔

تیسرے یہ کہ ان اموال سے لی جائے جو بغیر کسی محنت و سعی کے ہاتھ لگ جاتے ہیں مثلاً عہدِ جاہلیت

---

[1] وسق ۶۰ صاع کے برابر ہوتا ہے اور ہر صاع ۸ رطل کے مساوی ہے اور امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور اکثر علماء کا مذہب یہی ہے ان کے نزدیک اس سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے ابن عباسؓ، زید بن علی اور امام ابو حنیفہ کی رائے یہ ہے کہ زکوٰۃ کم یا زیادہ سب میں واجب ہے اور نصاب کا اعتبار نہیں، یہ اختلاف ایک اصولی بحث کے نتیجہ میں ہوا جس کی تفصیل مذاہب کی کتب استدلال نیز اصول فقہ کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے ان الفاظ کا مفہوم اور مطلب سمجھنے اور اس سلسلہ کے اقوال و مذاہب سے آگاہی کے لئے امام ابوبکر جصاص (م ۳۸۰ھ) کی کتاب "احکام القرآن" نیز قاضی ابوبکر بن العربی (م ۵۴۳ھ) کی کتاب "احکام القرآن" اور تفسیر و مذاہب اربعہ کی کتب کا مطالعہ مفید ہوگا۔ [2] ماخوذ از زاد المعاد ج ۱ ص ۲۴ باختصار

کے خزانے اور قدماء کے دفینے، اس لئے کہ ان کی حیثیت بالکل مفت کی سی ہے اور اس میں سے خرچ کرنا بہت آسان ہے، چوتھے یہ کہ عام تجارت پیشہ لوگوں سے لی جائے، مگر سب سے تھوڑا تھوڑا لیا جائے گا تو ان پر زیادہ بار بھی نہ ہوگا اور مجموعہ کافی ہو جائے گا۔

تجارت (مع درآمد برآمد) غلہ اور پھل زکوٰۃ کی سب سے اہم قسمیں ہیں جن میں برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے، اس لئے اس کے لئے ایک سال رکھا گیا ہے، وجہ یہ ہے کہ درمیان میں مختلف فصلیں اور حالتیں پیش آتی ہیں جن میں پیداوار میں اضافہ کا امکان بہت رہتا ہے اور اس کا اندازہ کرنے کے لئے ایک سال بالکل کافی ہے۔

آسان اور مطابق مصلحت یہی ہے کہ زکوٰۃ ان ہی اموال کا ایک جزو ہو مثلاً اونٹ کے گلہ سے ایک اونٹنی، گائے کے ریوڑ سے ایک گائے، بکری کے ریوڑ سے ایک بکری[1]"

زکوٰۃ کے مصارف اور اس کے اجتماعی نظام کا قیام

زکوٰۃ کے مصارف اللہ تعالیٰ نے سورۂ براءۃ کی آیت میں بیان فرمائے ہیں، ارشاد ہے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۖ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ (سورۂ توبہ - ۶۰)

صدقات (واجبہ) تو صرف غریبوں اور محتاجوں اور کارکنوں کا حق ہیں جو ان پر مقرر ہیں، نیز ان کا جن کی دلجوئی منظور ہے اور (صدقات کو صرف کیا جائے) گردنوں (کے چھڑانے) میں اور قرضداروں (کے قرضہ ادا کرنے) میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں (کی امداد) میں یہ (سب) فرض ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ بڑا علم والا ہے، بڑا حکمت والا ہے۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۳۰

www.abulhasanalinadwi.org

سورۂ براءۃ فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی، اس وقت اسلام کی بنیادیں مستحکم ہوگئی تھیں اور لوگ بڑی تعداد میں اسلام قبول کر رہے تھے، اس کے بعد زکوٰۃ کا اجتماعی نظام قائم کیا گیا[۱] اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مختلف جگہوں پر اپنے عمال اور محصلین بھیجے اور ان کو اس کی تحصیل کے احکام اور آداب بھی بتائے اور بہت سی ایسی وصیتیں کیں جن میں شفقت، حکمت اور انفرادی مصلحت کے ساتھ اجتماعی مفاد بھی وابستہ تھا[۲] چنانچہ آپ نے معاذ بن جبلؓ کو ۱۰ھ میں یمن روانہ کرنے سے پہلے جو ہدایات دیں[۳] وہ زکوٰۃ کے قانون کی اساس اور گویا اس کا سرکاری منشور ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا۔

"تم ایک ایسی قوم کے پاس جا رہے ہو جو اہلِ کتاب ہیں پس دعوت دو ان کو اس بات کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور میں اللہ کا رسول ہوں، اگر وہ بات قبول کر لیں تو ان کو یہ بتاؤ کہ اللہ نے ان پر ایک صدقہ فرض کیا ہے، جو ان کے اغنیاء سے لیا جائے گا، اور ان کے فقراء کو دے دیا جائے گا، اگر وہ یہ بات بھی منظور کر لیں پس تم کو چاہئے کہ ان کے بہترین مال پر ہاتھ ڈالنے سے احتراز کرو[۴] اور مظلوم کی دعا اور پکار سے ڈرو اس لئے کہ اللہ اور اس کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا[۵]"

---

[۱] یہ منصوص مصارف زکوٰۃ کے حکم کے ساتھ دائم اور جاری ہیں، سوائے "المؤلفۃ قلوبہم" کے، اکثر علماء، ائمہ اور فقہاء کا خیال ہے کہ اسلام کی اشاعت اور غلبہ کی وجہ سے اب ان کے حصہ کی ضرورت باقی نہیں رہی، وہ دلیل میں حضرت ابوبکرؓ کے عمل کو پیش کرتے ہیں جنھوں نے ایسے لوگوں کو زکوٰۃ نہیں دی، البتہ بعض دوسرے فقہاء اس کے بقا کے قائل ہیں۔

اس سلسلہ میں قاضی ابوبکر ابن العربی وغیرہ کی رائے راقم سطور کو زیادہ پسند آئی وہ کہتے ہیں کہ "میری رائے یہ ہے کہ اگر اسلام کو غلبہ و اقتدار حاصل ہو تو ضرورت نہیں لیکن اگر اس کی ضرورت محسوس کی جائے تو ان کو اسی طرح دینا چاہئے جس طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دیتے تھے، حدیث صحیح میں ہے بدأ الاسلام غریبا وسیعود غریبا کما بدا" (احکام القرآن ص ۳۸۵)

[۲] یہ ہدایت نامے اور فرامین احادیث اور سیرت کی کتابوں میں دیکھے جا سکتے ہیں [۳] صحیح بخاری، کتاب المغازی کے آخر میں اس نامہ کی تصریح ہے [۴] یعنی یہ مناسب نہیں کہ تم چھانٹ چھانٹ کر سب سے بہتر جانور لے لو۔ [۵] صحاح ستہ روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ

www.abulhasanalinadwi.org

زکوٰۃ کے بنیادی مصالح

بہت سے معاصر اہلِ قلم اور اہلِ فکر جو جدید معاشی فلسفوں اور علم الاقتصاد کی غیر معمولی اہمیت اور ہمہ گیری سے کم و بیش متاثر اور ذہنی طور پر مرعوب ہیں، سارا زور زکوٰۃ کے اقتصادی اور اجتماعی مصالح و منافع پر دیتے ہیں، اور اس کو صرف ایک عادلانہ ٹیکس قرار دیتے ہیں، یا زیادہ محتاط الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کی تحریروں کو پڑھنے والا کم از کم ایسا محسوس کرتا ہے کہ ان کی رائے زکوٰۃ کے بارہ میں یہ ہے کہ دنیا کے معاشی نظاموں نے اب تک جتنے ٹیکس سوسائٹی پر عائد کئے ہیں، یہ اسلامی ٹیکس ان سب سے زیادہ منصفانہ، حکیمانہ اور متوازن ہے، اس لحاظ سے وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ زکوٰۃ اس اشتراکیت (سوشلزم) کی نہایت مستحکم بنیاد ثابت ہو سکتی ہے جسے اسلام نے اپنی ترقی و عروج کے بہترین زمانہ میں دنیا کے سامنے پیش کیا تھا، وہ (چند مستثنیات کو چھوڑ کر) زکوٰۃ کی اس حقیقی روح کو فراموش کر دیتے ہیں، جو اس پورے نظام میں جاری و ساری ہے، یہ روح ہے عبادت اور تقرب الی اللہ کی، اس طرح وہ اس کے بنیادی مقصد اور اصل مصلحت و حکمت کو نظر انداز کر دیتے ہیں یعنی نفس کو بخل، خود غرضی، انانیت، فقراء کی حق تلفی اور قلب کی قساوت سے پاک و صاف کرنا، اللہ تعالیٰ کی قبولیت و رضا حاصل کرنا اور فقراء و ضعفاء کی دلداری اور ہمدردی کے نتیجہ میں مال میں پاکی اور نورانیت اور خیر و برکت کا ظہور۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بہت اہتمام و تاکید کے ساتھ اس بنیادی مصلحت اور حقیقی فائدہ کا ذکر کیا ہے اور سب سے زیادہ زور اسی مرکزی نقطہ پر دیا ہے:۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا۔ (سورۂ توبہ۔۱۰۳)

آپ ان کے مالوں سے صدقہ لے لیجئے اس کے ذریعہ سے آپ انھیں پاک و صاف کر دیں گے۔

زکوٰۃ اور سود کا موازنہ کرتے ہوئے ارشاد ہے:۔

www.abulhasanalinadwi.org

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ	اور جو چیز تم اس غرض سے دو گے کہ لوگوں کے مال
فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ	میں پہنچ کر زیادہ ہو جائے سو وہ اللہ کے آگے نہیں بڑھتی
تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ	اور جو تم صدقہ دو گے جس سے اللہ کی رضا طلب کرتے
الْمُضْعِفُوْنَ ۝ (سورۂ روم - ۳۹)	ہو گے تو ایسے ہی لوگ مضاعف بڑھاتے رہیں گے۔

ابوداؤد میں ہے، حضرت ابن عباسؓ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ "نہیں فرض کی اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ مگر اس لئے کہ اس کے ذریعہ تمہارا بقیہ مال و دولت پاک ہو جائے"۔

اس اساسی مصلحت کے بعد جماعت اور معاشرہ کی مصلحت آتی ہے جس میں معاشرہ کی خود کفالتی، غربا کی اہم ضرورتوں کی تکمیل، سوسائٹی کے ہر ممبر کے لئے باعزت اور شریفانہ زندگی کے مواقع کی فراہمی تاکہ وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کر سکے اور مقصد حقیقی اور کمال اصلی تک پہونچ سکے۔

وہ علماء جنھوں نے کتاب و سنت اور دوسرے علوم اسلامیہ کا براہِ راست اور گہرا مطالعہ کیا تھا اور اپنے کو خارجی اثرات سے محفوظ رکھا تھا، اور صرف مدرسۂ نبوت سے واقف تھے اور گویا وہیں کے تعلیم یافتہ تھے اور جنھوں نے اسلام کے فہم صحیح کے لئے صحیح راستہ منتخب کیا تھا وہ ان مصالح میں ترتیب اور فرق مراتب ہمیشہ ملحوظ رکھتے تھے اور ہر چیز کو وہی حیثیت دیتے تھے، جو کتاب و سنت نے مقرر کر دی ہے، سب سے پہلے اور سب سے زیادہ اس بات کو صحابہ کرامؓ نے سمجھا پھر ان کے جانشین اس فہم صحیح کو میراث نبوت کی حفاظت کے ساتھ اپنی آئندہ نسلوں تک منتقل کرتے رہے، ہم اس سلسلہ میں اسلام کے بعض ممتاز ترین علماء اور ائمہ کے اقتباسات پیش کرتے ہیں، تاکہ ہمیں اس طرز فکر کا صحیح اندازہ ہو سکے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب زکوٰۃ کے بنیادی مصالح اور اس کے احکام کے اسرار اور حکمتوں کا ذکر کرتے ہوئے "حجۃ اللہ البالغہ" میں لکھتے ہیں:-

"جاننا چاہئے کہ زکوٰۃ میں سب سے اہم مصالح دو ہیں، پہلی مصلحت تہذیب نفس ہے، اس لئے کہ نفس اور

www.abulhasanalinadwi.org

حرص وبخل کا چولی دامن کا ساتھ ہے، حرص بدترین اخلاق میں سے ہے، جو معاد میں انسان کو سخت ہلاکت میں ڈال سکتی ہے، جو حریص ہوگا مرتے وقت بھی اس کا دل مال میں اٹکا رہے گا اور اس کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا، اگر زکوٰۃ کی مشق اس کو ہوگی تو یہ حرص اس سے ختم ہو چکی ہوگی، جو بالآخر اس کو نفع پہونچائے گی۔

انابت اور رجوع الی اللہ کے بعد معاد میں سب سے اعلیٰ اخلاق سخاوت نفس ہے جس طرح رجوع الی اللہ، انابت وعبودیت، دعا اور تضرع سے عالم جبروت سے مناسبت اور قرب پیدا ہوتا ہے اسی طرح سخاوت خسیس اور پست دنیاوی صورتوں اور شکلوں کو توڑتی ہے اس لئے کہ وہ بہیمیت کی ضد ہے اور اس کی اصل یہ ہے کہ ملکوتی (فرشتوں والی صفات) غالب ہوں اور بہیمانہ صفات ان سے دب جائیں بلکہ ان کے رنگ میں رنگ جائیں اور ان پر بھی اس حکم کا اطلاق ہونے لگے جو ملکوتی صفات پر ہوتا ہے، اس کا راستہ یہی ہے کہ مال کو باوجود ضرورت واحتیاج کے راہِ خدا میں خرچ کیا جائے، ظالم کو معاف کیا جائے، مصائب پر صبر کیا جائے اور دنیاوی تکالیف ومشکلات، آخرت کے یقین کی وجہ سے آسان وخوشگوار ہو جائیں، نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سب چیزوں کا حکم دیا ہے اور ان کے حدود مقرر فرمادیئے ہیں ان میں مال کا خرچ کرنا بھی ہے جو بہت سے حدود وقیود کے ساتھ وابستہ ہے اور اس کی اہمیت اتنی ہے کہ ایمان اور نماز کے ساتھ قرآن مجید میں جگہ جگہ اس کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ اہلِ نار کے بارہ میں فرماتا ہے:۔

قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ○ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ○ وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ ○ (سورۂ مدثر۔ ۴۳-۴۵)

وہ کہیں گے ہم تو نہ نماز پڑھا کرتے تھے اور نہ ہم غریب کو کھانا کھلایا کرتے تھے اور شغل میں رہنے والوں کے ساتھ ہم بھی شغل میں پڑے رہتے تھے۔

دوسری مصلحت کا تعلق شہر سے ہے، اس لئے کہ ضعفاء واہلِ حاجت جمع ہوں گے، اگر ان کی ہمدردی واعانت کی یہ سنت نہ ہو تو وہ سب بھوک سے ہلاک ہو جائیں اس کے علاوہ شہروں کا نظام مال پر قائم ہوتا ہے اور ان شہروں کی حفاظت کے ذمہ دار اور وہاں کے مدبرین ومنتظمین اپنی ان شغولیات اور

www.abulhasanalinadwi.org

ذمہ داریوں کی وجہ سے کوئی باقاعدہ ذریعہ معاش اختیار نہیں کرسکتے، ان کی معیشت کا انحصار بھی اسی پر ہوتا ہے، مشترکہ اخراجات یا چندے نہ سب کے لئے آسان ہیں، نہ ممکن اس لئے رعیت سے ان مصالح کے لئے مقررہ رقم وصول کرنا مناسب دستور ہے۔

اور چونکہ مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ یہ دو مصالح باہم لازم وملزوم رہیں، اس لئے شرع نے بھی اس کو ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ رکھا ہے[1]"

علامہ بحرالعلوم فرنگی محلی لکھتے ہیں کہ زکوٰۃ ٹیکس نہیں، بلکہ دوسری عبادتوں کی طرح خالص اللہ کی عبادت ہے، وہ کہتے ہیں کہ:۔

"ادائیگی زکوٰۃ کے وقت نیت کی درستی بہت ضروری ہے، اس لئے کہ زکوٰۃ بہت بڑی عبادت ہے، جس طرح نماز کا مقصد سوائے حصول ثواب کے کچھ نہیں، چنانچہ نیت اس کے لئے فرض ہے، اگر بلانیت کے ادا کرے گا تو جس طرح نماز بلانیت کے نہیں ہوتی، زکوٰۃ بھی ادا نہیں ہوگی، البتہ نماز بلانیت کے باطل ہوجاتی ہے بخلاف زکوٰۃ کے جو بلانیت کے ہدیہ ہوجاتی ہے، چنانچہ ہدیہ کا ثواب اس کو ضرور حاصل ہوگا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نیکوکار کے عمل کو ضائع نہیں کرتا[2]"

زکوٰۃ کی نمایاں خصوصیات

زکوٰۃ کی بہت سی ایسی نمایاں خصوصیات ہیں جو انسان کے خود ساختہ قوانین اور حکومت کے عائد کردہ ٹیکسوں سے بہت مختلف ہیں ان مابہ الامتیاز خصوصیات نے زکوٰۃ کو ایک خاص رنگ اور مزاج بخشا ہے، اس کو دینی تقدس اور پاکیزگی عطا کی ہے، اور اس کے اندر زندگی واخلاق پر اثر انداز ہونے اور خدا و بندہ کے تعلق کو استوار اور مستحکم کرنے کی ایسی قوت وصلاحیت پیدا کردی ہے، جو کسی دوسرے دنیاوی ٹیکس میں

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۳۰۲۹ [2] رسائل الارکان ص ۱۶۳

www.abulhasanalinadwi.org

(خواہ اس میں انصاف اور اعانت کو زیادہ سے زیادہ ملحوظ رکھا گیا ہو) نہیں ہے اور نہ ممکن ہے۔

تبشیر و انذار

ان خصوصیات میں سب سے نمایاں، بنیادی اور موثر چیز ایمان و احتساب[1] کی وہ روح ہے جو اس فریضہ میں جان ڈالتی ہے، اس روح یا اسپرٹ سے رسمی ٹیکس، سرکاری قوانین اور معاشی حد بندیاں قدرتی طور پر بالکل محروم ہیں، بلکہ اس کے برعکس ان میں ناراضگی، گرانی اور بددلی کا عنصر بہت نمایاں ہوتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ٹیکس دینے والا یہ عقیدہ نہیں رکھتا کہ یہ ٹیکس اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے، اور اس پر اجر و ثواب ملے گا، بلکہ وہ جانتا ہے کہ یہ ٹیکس لگانے والے خود اس جیسے انسان ہیں، اور شاید اس سے بھی پست تر ہیں اور اس ٹیکس سے ہونے والی آمدنی زیادہ تر عیشات، اپنے اقتدار کو محفوظ رکھنے یا چند اشخاص اور مخصوص پارٹیوں کے مفاد پر خرچ ہوتی ہے، اس کے علاوہ ان ٹیکسوں کے ساتھ دینی ترغیب و ترہیب کی کوئی قوت نہیں ہوتی، بلکہ اس کے بجائے جرمانے، دھمکیاں، سزائیں اور خشک و سخت قوانین ہوتے ہیں، جن سے عوامی ناراضگی اور بے اطمینانی و بے چینی میں برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

ان حکمتوں کی وجہ سے جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا، قرآن و حدیث اور نبوی تعلیمات میں زکوٰۃ کا ذکر ہمیشہ فضائل، دنیا و آخرت میں اس کے نتائج و ثمرات، اجر و ثواب، مال و دولت میں برکت یا زکوٰۃ نہ ادا کرنے والوں کو عذاب الیم کی وعید اور بے برکتی کے ساتھ کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ	جو لوگ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کے
اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ	مال کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک دانہ ہے کہ اس سے

---

[1] ایمان و احتساب کی مختصر تشریح نماز کے باب میں پاکی اور اس کا اہتمام کے عنوان سے گزر چکی ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

فِیْ کُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۝ اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًی ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝

(سورۂ بقرہ - ۲۶۱-۲۶۲)

سات بالیاں اگیں ہر سر بالی کے اندر سو دانے ہوں اور اللہ جسے چاہے افزونی دیتا رہتا ہے اللہ بڑا وسعت والا ہے بڑا علم والا ہے جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور جو کچھ خرچ کر چکے پھر اس کے عقب میں احسان و اذیت سے کام نہیں لیتے ان کے لئے اس کا اجر ان کے پروردگار کے پاس ہے اور ان پر نہ کوئی خوف (واقع) ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝

(سورۂ بقرہ - ۲۷۴)

جو لوگ اپنا مال رات اور دن (اور) پوشیدہ اور آشکارا خرچ کرتے رہتے ہیں سو ان لوگوں کے لئے ان کے پروردگار کے پاس اجر ہے نہ ان کے لئے کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ (سورۂ بقرہ - ۲۷۷)

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کئے اور نماز کی پابندی کی اور زکوٰۃ دی ان کے لئے ان کا اجر ان کے پروردگار کے پاس ہے نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

ایک جگہ اور ارشاد ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗ

کوئی شخص ہے جو اللہ کو اچھی طرح قرض کے طور پر دے پھر اللہ اسے اس شخص کے لئے بڑھاتا چلا جائے،

www.abulhasanalinadwi.org

لَهُ أَجْرٌ كَرِيمٌ ۝ (سورۂ حدید - ۱۱)	اور اس کے لئے اجر پسندیدہ ہے۔
إِنَّ الْمُصَّدِّقِينَ وَالْمُصَّدِّقَاتِ وَأَقْرَضُوا	بلاشبہ صدقہ دینے والے اور صدقہ دینے والیاں (یعنی)
اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَاعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ	اللہ کو خلوص کے ساتھ (قرض دیں) تو وہ صدقہ ان کے
أَجْرٌ كَرِيمٌ (سورۂ حدید - ۱۸)	لئے بڑھایا جائے گا اور ان کے لئے اجر پسندیدہ ہے۔
وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ	اور تم جو صدقہ دو گے جس سے اللہ کی رضا طلب کرتے
اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ ۝ (سورۂ روم ۳۹)	ہو گے تو ایسے ہی لوگ مقرب بڑھاتے رہیں گے۔

ان خوشخبریوں اور بشارتوں کے ساتھ (جو انسان کی ضرورت اور فطرت بشری کا تقاضا ہے) مال جمع کرنے فقراء و اہل حاجت کی حق تلفی کرنے، حقوق اللہ میں کوتاہی، محض لالچ اور حرص اور اپنا دل خوش کرنے کے لئے سرمایہ جمع کرنے کے شوق اور مال سے عشق پر بار بار تنبیہ اور وعیدوں سے کام لیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ	اور جو لوگ کہ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور
وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۙ فَبَشِّرْهُم	اس کو خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں آپ انھیں ایک
بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ	دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے، اس روز (واقع ہوگا)
فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ	جبکہ اس (سونے چاندی) کو دوزخ کی آگ میں تپایا
وَظُهُورُهُمْ ۖ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ	جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیوں کو اور ان کے
فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ ۝	پہلوؤں کو ان کی پشتوں کو داغا جائے گا یہی ہے وہ
(سورۂ توبہ - ۳۴-۳۵)	جسے تم اپنے واسطے جمع کرتے رہے تھے سو اب مزا چکھو
	اپنے جمع کرنے کا۔

اسی طرح لسان نبوت نے زکوٰۃ دینے والوں کو مختلف بشارتیں سنائی ہیں اور اس کو مال و اولاد

www.abulhasanalinadwi.org

اور دنیا و آخرت دونوں جگہ باعث برکت اور باعث نجات بتایا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ "جب کوئی اپنے پاک مال (اور اللہ تعالیٰ صرف پاک مال ہی پسند کرتا ہے) سے کچھ صدقہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے دائیں ہاتھ میں لے لیتا ہے اگر وہ کھجور ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں بڑھتا رہتا ہے اور اتنا بڑھ جاتا ہے کہ پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے، جس طرح تم میں سے کوئی اپنے بچھڑے یا بکری کے بچہ کی پرورش کرتا ہے"[1]

انھیں سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ایک آدمی کھلے میدان میں جا رہا تھا کہ اس نے بادل سے ایک آواز سنی کہ فلاں کے باغ کو سینچ دو، چنانچہ بادل اپنی جگہ سے ہٹا اور سب پانی ایک قطعہ آراضی میں انڈیل آیا، وہاں ایک تالاب یا گہرائی تھی، جہاں سارا پانی بھر گیا، اس نے اس پانی کی طرف چلنا شروع کیا تو دیکھا کہ ایک آدمی کھڑا ہوا اس پانی سے اپنے کھیت سینچ رہا ہے، اس نے پوچھا اللہ کے بندے تمہارا نام کیا ہے، اس نے وہی نام بتایا جو اس نے بادل سے سنا تھا، اس نے پوچھا کہ اللہ کے بندے تم نے ہمارا نام کیوں پوچھا، اس نے کہا کہ میں نے اس بادل سے جس کا یہ پانی ہے اس نام کے ساتھ ایک آواز سنی کہ فلاں کے باغ کو سینچ آؤ، اب مجھے بتاؤ کہ تم اس کھیت میں کیا کرتے ہو؟ اس نے کہا اب جبکہ تم پوچھ ہی رہے ہو تو سنو، میں اس کی پیداوار کا ایک تہائی حصہ صدقہ کر دیتا ہوں اور ایک تہائی سے اپنی اور اپنے اہل و عیال کی پرورش کرتا ہوں اور ایک تہائی دوبارہ اسی میں لگا دیتا ہوں"[2]

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "صدقہ کی وجہ سے آدمی کا مال کبھی کم نہیں ہوتا، اور معاف کرنے سے اللہ تعالیٰ بندہ کو عزت ہی عطا فرماتا ہے، اور جب کوئی اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع سے کام لیتا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ بلند کرتا ہے"[3]

ایک اور موقع پر ارشاد ہوا ہے کہ "کوئی صبح بندوں پر ایسی نہیں گزرتی کہ دو فرشتے نہ اترتے ہوں جن میں ایک یہ کہتا ہے کہ اے اللہ خرچ کرنے والے کو اس کا بدل عطا فرما اور دوسرا یہ کہتا ہے کہ اے اللہ بخیل کے مال کو تلف کر دے"[4]

---

[1] صحاح ستہ باستثنا ابوداؤد [2] صحیح مسلم [3] مسلم، ترمذی، موطا [4] شیخین۔

www.abulhasanalinadwi.org

ایک اور روایت میں ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ بعض لوگوں نے بکری ذبح کی، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اس میں سے کچھ بچا ہے؟ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ اس میں سے سوائے ایک دست کے کچھ نہیں بچا، آپؐ نے فرمایا کہ سوائے دست کے سب کچھ بچ گیا۔[1]

زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بڑی وعید سنائی ہے، اور دنیا میں برے انجام اور آخرت میں بُرے حشر سے خبردار کیا ہے، حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی اس کا مال قیامت کے دن ایک سانپ کی شکل میں لایا جائے گا جس کی دو زبانیں ہوں گی وہ اس کی گردن میں ڈال دیا جائے گا وہ اس کو اپنے دونوں جبڑوں میں جکڑ لے گا اور کہے گا میں تیرا مال ہوں، میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی "وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ" الخ۔

حضرت ابوہریرہؓ ہی سے ایک اور روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب مالِ غنیمت لوٹ کا مال بن جائے، امانت مالِ غنیمت ہو جائے، زکوٰۃ جرمانہ اور تاوان بن جائے اور علم کو غیر دین کے لئے سیکھا جانے لگے، شوہر اپنی بیوی کی فرماں برداری کرے اور ماں کی نافرمانی کرے، دوست کو قریب کرلے، باپ کو دور کرے، مسجدوں میں آوازیں بلند ہونے لگیں، قبیلہ کی سرداری اس کے سب سے زیادہ فاسق آدمی کے ہاتھ میں آجائے اور قوم کا سردار وہ ہو جو ان میں سب سے زیادہ رذیل ہو، آدمی کی عزت صرف اس کے شر سے بچنے کے لئے کی جانے لگے، گانے والیاں اور باجے عام ہو جائیں، شرابیں پی جانے لگیں اور اس امت کے آخری دور کے لوگ دور اول کے لوگوں کو مطعون کرنے لگیں، اس وقت انتظار کرو سرخ آندھی کا، زلزلہ کا، دھنسنے کا، مسخ ہونے کا اور آفات کی بارش کا اور خدا کی نشانیوں کے اس طرح پے در پے ظہور کا جس طرح کوئی لڑی ٹوٹ جائے اور یکے بعد دیگرے دانے گرنے لگیں۔"[2]

---

[1] جامع ترمذی۔ [2] ترمذی۔

www.abulhasanalinadwi.org

ان فضائل اور ترغیب وترہیب کی آیات واحادیث کا اثر یہ تھا کہ مسلمان خود اپنے نفوس کے نگراں بن گئے تھے، وہ ایک طرف بیت المال کے لئے رضا کارانہ طور پر رقم اکٹھا کرتے تھے، اور دوسری طرف اہلِ حاجت اور فقرا کے وکیل اور نمائندے بھی بن گئے تھے، وہ زکوٰۃ کے مستحقین اور اس کے صحیح مصارف کے لئے بہت فکر وتوجہ اور دیانت کے ساتھ جستجو کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا حق جلد سے جلد ان سے ادا ہو جائے جب تک وہ کام پورا نہ کر لیتے تھے ان کو کھانے پینے اور کسی چیز میں لطف نہ آتا تھا، صحابۂ کرامؓ اور تابعین کی زندگی کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا رویہ اور طرز زندگی کیا تھا اور ایمان نیز ترغیب وترہیب کی ان احادیث نے ان کے دلوں کو کس درجہ متاثر کیا تھا، زکوٰۃ درحقیقت ان کے لئے نماز کی طرح تھی جس کی ادائیگی کے لئے ایک سچا مسلمان دل سے بے قرار ہوتا ہے، اور جب تک نماز پڑھ نہ لے اس کے دل کو کسی طرح سکون نہیں ملتا۔

ان فضائل اور دینی شعور پیدا کرنے میں ان کے کردار کی اہمیت سے علماء اسلام خوب واقف تھے، اسی لئے انھوں نے اپنی کتابوں اور مواعظ میں ترغیب وترہیب سے بہت کام لیا ہے، اور اس بات پر بہت زور دیا ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ معاشرہ پر اس کا خاطر خواہ اثر پڑا، اگر ایسا نہ ہوتا تو شاید زکوٰۃ کا رکن معطل ہی ہو جاتا، اور چونکہ حکومتوں نے سرکاری اور باضابطہ طور پر اس کے حصول وتقسیم کا کام چھوڑ دیا تھا اس لئے مسلمان بھی اس کو چھوڑ کر گھر بیٹھ رہتے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اسلامی شریعت میں ان فضائل کے مقام واہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے خوب لکھا ہے:۔

"انفاق کی ترغیب وفضیلت پر جو احادیث آئی ہیں، ان کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ یہ عمل سخاوت کے ساتھ ہو جو زکوٰۃ کی روح ہے، اور تہذیب نفس کا کام بہت حد تک اس سے انجام پا سکتا ہے، بخل کی برائی بار بار اس لئے بیان کی گئی ہے کہ حرص ایسی چیز ہے جو مانع زکوٰۃ کو نقصان پہونچا سکتی ہے، اور جس کا اشارہ اس حدیث میں ہے کہ "اَللّٰھُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا، وَاللّٰھُمَّ اَعْطِ مُمْسِکًا تَلَفًا"

www.abulhasanalinadwi.org

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حرص سے بچو اس لئے کہ حرص ہی نے تم سے پہلے والوں کو ہلاک کیا ہے، دوسرے موقع پر ارشاد ہے "اِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ" بیشک صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب کی آگ کو ٹھنڈا کر دیتا ہے، ایک مرتبہ فرمایا "اِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ الْخَطِيْئَةَ" بیشک صدقہ گناہوں کو اس طرح بجھا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھاتا ہے، ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ صدقہ کو اپنے داہنے ہاتھ میں لے لیتا ہے، اور اس کو بڑھاتا رہتا ہے"[1]

مالداروں سے لیا جائے اور غرباء میں تقسیم کیا جائے

زکوٰۃ اور ان ٹیکسوں کے درمیان جو شخصی سلطنتوں میں یا نئے زمانہ کی "جمہوری اور عوامی" حکومتوں میں نظر آتے ہیں ایک نمایاں اور بنیادی فرق ہے جو اس کے اثرات و نتائج پر پورے طور پر اثر انداز ہے وہ اس کی شرعی ساخت اور حیثیت ہے، جس کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے بلیغ و معجزانہ الفاظ میں اس طرح بیان فرمایا "تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ" (ان کے دولت مندوں سے لیا جائے اور ان کے غربا میں تقسیم کیا جائے) یہ زکوٰۃ کی وہ شرعی حیثیت ہے، جو عہدِ اول میں نظر آتی ہے، اور جو قیامت تک برقرار رہنی چاہئے، وہ ان اغنیاء (جو اس کے شرائط فرضیت پر پورے اترتے ہیں، اور زکوٰۃ کا منصوص اور معین نصاب ان کے پاس موجود ہے) سے لے کر ان مصارف میں صرف کی جائے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمائے ہیں، اور کسی مقنن اور قانون ساز ادارہ یا شخصیت کو اس کا حق نہیں دیا ہے کہ وہ اس میں اپنی طرف سے کچھ ترمیم کر سکے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ۔ (سورۂ توبہ۔۶۰) صدقات (واجبہ) تو صرف غریبوں کا حق ہیں۔

شریعت اور احادیث نبوی کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد شہر کے فقراء اور اہل حاجت

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۳۲،۳۱

www.abulhasanalinadwi.org

ہیں، زکوٰۃ کا یہ نظام ان حکومتوں میں بھی قائم رہا جو اسلامی قوانین کی تطبیق پر سو فی صدی عامل نہ تھیں، چنانچہ فقراء و مستحقین ان حکومتوں کے سایہ میں کبھی اپنے حقوق سے کلیتاً محروم نہیں رہے، اور حدود اللہ کبھی پوری طرح معطل نہیں ہوئے[1]، یہ وہ حکومتیں ہیں جن کی مذمت میں غرض مند مورخ اور مستشرق پیش پیش نظر آتے ہیں، بلکہ ان کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرنے کے داعی ہیں۔

اس کے برعکس جو ٹیکس موجودہ حکومتوں میں لگائے جاتے ہیں، وہ زکوٰۃ کی عین ضد ہیں، یہ ٹیکس (خواہ ظالمانہ ہوں یا عادلانہ، کم ہوں یا زیادہ) زیادہ تر متوسط طبقہ اور غرباء سے وصول کئے جاتے ہیں، اور اغنیاء و امراء کی طرف لوٹا دیئے جاتے ہیں، یہ دولت جو کسانوں کے گاڑھے پسینہ کی کمائی اور مزدوروں، کاریگروں اور تاجروں پر لگائے ہوئے ٹیکس سے حاصل ہوتی ہے، بڑی سخاوت بلکہ بیدردی اور بے رحمی کے ساتھ صدورِ مملکت اور بیرونی مہمانوں کے استقبال اور ان کی شاہانہ اور پر تکلف ضیافتوں پر (جن کو دیکھ کر الف لیلہ کے خیالی قصے یاد آجاتے ہیں) بیرونی ملکوں کے سفارت خانوں کی شاندار کاکٹیل پارٹیوں پر جن میں شراب پانی کی طرح بہائی جاتی ہے، حکومتوں کی پروپگنڈہ مشنری پر جس کا کام عوام کی دولت کو لوٹنا اور ان کا خون چوسنا ہے، غیر ملکی صحافیوں، نیوز ایجنسیوں اور ریڈیو کے اناؤنسروں پر جن کا مقصد جھوٹی خبریں گڑھنا، بے گناہوں پر الزام رکھنا اور اپنے دشمنوں کو دن رات گالی دینا اور ہر وقت برا بھلا کہنا ہے، اور ان اخباروں پر جن کو آج کل فوجوں اور ہتھیاروں سے زیادہ مفید اور کارگر سمجھا جاتا ہے، خرچ کی جارہی ہے، اور اس دولت کا سب سے بڑا مصرف ان ہی چیزوں کو سمجھ لیا گیا ہے، آج ہر "عوامی جمہوری، اشتراکی اور سوشلسٹ" حکومت اسپنج کی طرح عوام کا خون چوستی ہے، اور پروپگنڈہ، سیاسی رشوت اور صحافتی تلبیس کے سمندر میں انڈیل دیتی ہے، اس لحاظ سے ان ٹیکسوں کی اصل تصویر اور موجودہ حکومتوں کا اصل مرقع پیش کرنے کے لئے اس سے

---

[1] اس کے ثبوت کے لئے امام ابو یوسفؒ کی "کتاب الخراج" کافی ہے، جو خلیفہ ہارون رشید کے ایماء اور تجویز پر لکھی گئی اور جس سے خراج، زکوٰۃ اور صدقات کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

بہتر تعبیر نہیں ہوسکتی کہ یہ ٹیکس غرباء سے لے کر امراء کو دے دیا جاتا ہے" اسلامی زکوٰۃ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مالدار و مالک نصاب پر فرض کی گئی ہے اور جو اس امت کے ساتھ درحقیقت لطف و رحمت کا معاملہ اور نعمت نبوت کا ثمرہ اور نتیجہ ہے ایک ایسا ٹیکس ہے (اگر اس کو ٹیکس کہنا ضروری ہو) جس کا بار سب سے کم اور برکت سب سے زیادہ ہے اس لئے کہ وہ اغنیاء سے وصول کیا جاتا ہے اور فقراء کو لوٹا دیا جاتا ہے۔

تقویٰ، تواضع اور اخلاص کی اسپرٹ

زکوٰۃ کا تیسرا امتیازی پہلو اخلاص، تواضع اور ممنونیت کی وہ روح ہے، جو ہر لمحہ اس میں جاری و ساری رہتی ہے اس سے مراد زکوٰۃ کے آداب، اعلیٰ اخلاق اور دینی جذبات ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں بہت اہتمام سے بار بار کیا گیا ہے اور زکوٰۃ دینے والوں کو ان صفات سے بہرہ ور ہونے کی ترغیب دی گئی ہے اس نے اہل خیر کو اس کی تلقین کی ہے کہ وہ احسان جتانے سے پرہیز کریں اور اپنے صدقہ و خیرات کو اس سے ملوث کر کے بے قیمت نہ بنائیں۔

قرآن اپنے معجزانہ پیرایہ بیان میں اس کو اس طرح بیان کرتا ہے:۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور جو کچھ
ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى	خرچ کر چکے ہیں اس کے عقب میں احسان و اذیت سے
لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ	کام نہیں لیتے، ان کے لئے اس کا اجر ان کے پروردگار کے
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ	پاس ہے اور ان پر نہ کوئی خوف (واقع) ہوگا اور
وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ	نہ وہ غمگین ہوں گے، مناسب بات اور درگزر ایسی خیرات
اَذًى ۗ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا	سے بہتر ہے جس کے عقب میں اذیت ہو اللہ بڑا غنی ہے
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ	بڑا بردبار ہے اے ایمان والو اپنے صدقوں کو احسان

www.abulhasanalinadwi.org

وَالْاَذٰی کَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَہٗ رِئَآءَ النَّاسِ
وَلَا یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُہٗ
کَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَیْہِ تُرَابٌ فَاَصَابَہٗ
وَابِلٌ فَتَرَکَہٗ صَلْدًا لَا یَقْدِرُوْنَ
عَلٰی شَیْءٍ مِّمَّا کَسَبُوْا وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی
الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ ○
(سورۂ بقرہ - ۲۶۲ تا ۲۶۴)

(رکھ کر) اور اذیت (پہنچا کر) باطل نہ کردو جس
طرح وہ شخص جو اپنا مال خرچ کرتا ہے لوگوں کے دکھاوے
کو اور اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتا سو اس کی
مثال تو ایسی ہے کہ جیسے ایک چکنا پتھر ہے جس پر کچھ مٹی ہے
پھر اس پر زور کی بارش ہو سو وہ اس کو بالکل صاف
کر دے (ایسے لوگ) کچھ بھی حاصل نہ کر سکیں گے اپنی کمائی
سے اور اللہ کافر لوگوں کو راہِ ہدایت نہ دکھائے گا۔

اس نے ان اہلِ خیر کی مدح کی ہے جن کے اندر تواضع و اخلاص کی یہ روح پائی جاتی ہے اور زکوٰۃ ادا کرتے وقت یہ سب کیفیات ان پر طاری ہوتی ہیں، ارشاد ہے:-

وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُھُمْ وَجِلَۃٌ
اَنَّھُمْ اِلٰی رَبِّھِمْ رٰجِعُوْنَ ○
(سورۂ مومنون - ۶۰)

اور جو لوگ دیتے رہتے ہیں جو کچھ دیتے رہتے ہیں اور
ان کے دل اس سے ڈرتے رہتے ہیں کہ انھیں
پروردگار کے پاس واپس جانا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:-

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ
اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ
الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رٰکِعُوْنَ ○[1] (سورۂ مائدہ - ۵۵)

تمہارے دوست تو بس اللہ اور اس کا رسول اور ایمان
والے ہیں جو نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے
رہتے ہیں اس حال میں کہ وہ خشوع بھی رکھتے ہیں۔

ان اہلِ خیر کی تعریف کرتے ہوئے وہ ان کو اخلاص کامل اور ہر قسم کی اغراض سے آزادی سے متصف قرار دیتا ہے

وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا

اور کھانا کھلاتے رہتے ہیں مسکینوں اور یتیموں اور

---

[1] علامہ ابوحیان اندلسیؒ بحر المحیط میں لکھتے ہیں کہ رکوع سے مراد یہاں خشوع و خضوع اور تعظیم و توقیر ہے نہ کہ وہ خاص ہیئت جو نماز میں ہوتی ہے۔ ج ۳ ص ۵۱۷

www.abulhasanalinadwi.org

وَيَتِيمًا وَّاَسِيْرًا ۝ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ
اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝
اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا
قَمْطَرِيْرًا ۝ (سورۂ دہر۔ ۸۔۱۰)

غریبوں کو اللہ کی محبت سے، ہم تو تم کو بس اللہ ہی کی
خوشنودی کے لئے کھانا کھلاتے ہیں اور نہ تم سے (اس کا)
عوض چاہیں اور نہ شکریہ، ہم تو اپنے پروردگار کی
طرف سے اندیشہ رکھتے ہیں ایک سخت اور تلخ دن کا۔

اس نے اس کی بھی ترغیب دی ہے کہ جو مال اللہ کے راستہ میں اور اللہ کے مستحق اور حاجت مند بندوں کے لئے نکالا جائے وہ پاک و اچھا مال ہو، وہ اس مال میں سے نہ ہو جس کی نظر میں کوئی وقعت نہیں ہوتی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ
مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ
وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ
وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝
(سورۂ بقرہ۔ ۲۶۷)

اے ایمان والو جو تم نے کمایا ہے اس میں سے عمدہ چیزیں
خرچ کرو اور اس میں سے (بھی) جو ہم نے تمہارے لئے
زمین سے نکالی ہیں... اور خراب چیز کا قصد بھی نہ کرو
کہ اس میں سے خرچ کرو گے، حالانکہ تم خود بھی اس کے لینے
والے نہیں ہو، بجز اس صورت کے چشم پوشی ہی کر جاؤ اور
جانے رہو کہ اللہ بے نیاز ہے، ستودہ صفات ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ "حضرت عائشہؓ نے ایک مرتبہ باسی گوشت صدقہ کرنا چاہا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو تم نہیں کھا سکتیں اس میں سے صدقہ کرتی ہو؟"[1]

اس کے برعکس موجودہ زمانہ کے ٹیکس (قطع نظر اس کے کہ وہ عادلانہ ہیں یا ظالمانہ) اس اخلاقی و روحانی اسپرٹ، تواضع نفس، نام و نمود سے پرہیز، اخلاص نیت اور اخلاص عمل، اپنے محبوب و پاکیزہ مال میں سے صدقہ کرنے کے جذبہ سے عاری ہوتے ہیں، بلکہ یہ ٹیکس زیادہ تر بے دلی، اکتاہٹ اور نفرت کے ساتھ ادا کئے جاتے ہیں اس کے لئے اکثر قانونی حیلہ سازیوں کا سہارا لیا جاتا ہے اور اگر مجبوراً دینا ہی پڑتا ہے،

---

[1] مسند احمد۔

www.abulhasanalinadwi.org

تو پھر اس ناگوار کام کے لئے غیر قانونی طریقہ سے کمائے ہوئے مال کو استعمال کیا جاتا ہے، یہ دراصل ان تمام لادینی، انسانی اور عصری قوانین کا مزاج ہے جن کو کسی عقیدہ، دینی فکر اور روحانی تقدس کا سہارا حاصل نہیں۔

زکوٰۃ اور سود کا فرق

زکوٰۃ اور سود بخط مستقیم ایک دوسرے سے جدا ہیں، ان دونوں میں ایسے معنوی اور اخلاقی تضاد موجود ہیں، جو ابتدا ہی سے قائم ہو جاتے ہیں، اور آخر تک ختم نہیں ہوتے، دونوں کے محرکات و عوامل ایک دوسرے کے ضد، مقاصد اور نتائج اور فرد و جماعت، معاشرہ اور انسانی سوسائٹی پر اثرات بالکل علیحدہ اور مختلف ہیں۔

زکوٰۃ کی روح خدا کا خوف اور اطاعت، اس کی رضا جوئی، فقراء کے حال پر غمخواری دل کی نرمی، اخلاص اور اغراض سے آزادی ہے، جبکہ سود کی روح خدا کی معصیت، اس کے ساتھ اعلانِ جنگ، دل کی سختی، حد سے بڑھی ہوئی حرص، مال سے عشق اور مال کے ذریعہ سے اس کی نسل بڑھانے[1] کی کوشش، غرباء کی ضرورتوں اور ان کے فقر و ضعف سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی خواہش ہے، زکوٰۃ کا نتیجہ اور اس کا نفسیاتی اثر یہ ہے کہ اس سے ایمان بڑھتا ہے، انشراح قلب، صفائی نفس، کرم و شرافت اور سخاوت و فیاضی کے جذبات کو قوت حاصل ہوتی ہے، سودی کاروبار کا نتیجہ یہ ہے کہ اس سے انقباض، دل کی سختی، روح کی کثافت، اخلاق کی پستی، انسانی گوشت اور انسانی آبرو کے ساتھ سفاکانہ طرزِ عمل، آبروریزی، دوسروں کی کمزوریوں سے لطف اندوزی اور سوسائٹی کے کمزور عناصر سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

زکوٰۃ کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس سے ہمدردی و غمخواری کی روح عام ہو جاتی ہے، معاشرہ کے افراد میں خوشحالی نظر آنے لگتی ہے، مالوں میں برکت ہوتی ہے، دلوں میں الفت پیدا ہوتی ہے، ایک دوسرے پر اعتماد

---

[1] اس لئے کہ سود خوار کا مال، مال کو پیدا کرتا ہے، اور بغیر کسی محنت و تجارت کے دولت آفرینی کا سلسلہ جاری رکھتا ہے، زیادہ صاف الفاظ میں ایک ہی جگہ پڑے پڑے انڈے بچے دیتا رہتا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

اور بھروسہ کی فضا قائم ہوتی ہے، سود کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ذخیرہ اندوزی اور معاشرہ کے افراد کی کوششوں سے جمع شدہ مال ایک فرد یا چند افراد یا ایک محدود ترین ادارہ اور جماعت کے ہاتھوں میں محصور ہو جاتا ہے، مہاجن کی مثال اس معاشرہ میں ایک ایسے چھوٹے حوض کی ہے، جہاں سارے شہر کی دولت کھنچ کھنچ کر جمع ہوتی رہتی ہے، یا مقناطیس کے اس پہاڑ کی طرح جس کا ذکر سندباد جہازی کے قصہ میں آتا ہے کہ جب اس کی کشتی طوفان میں گھر کر کسی اور جگہ نکل گئی تو ملاح نے اچانک رونا شروع کیا، جب اس سے سبب پوچھا گیا تو اس نے بتایا کہ یہاں سے قریب ایک مقناطیس کا پہاڑ ہے، وہاں پہونچ کر یہ ساری کیلیں کھنچ کر علیحدہ ہو جائیں گی اور کشتی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر غرق ہو جائے گی، اسی طرح یہ مہاجن اور سودی کاروبار کرنے والے بھی اپنے پاس ایک مقناطیس (سرمایہ) رکھتے ہیں، اور یہ مقناطیس زندگی کی کشتی کی ان ساری کیلوں کو کھینچتا رہتا ہے، جو اس کے تختوں کو جوڑتی ہیں، اور ایک کو دوسرے سے وابستہ رکھتی ہیں، چنانچہ یہ اجزاء بالآخر جدا ہو جاتے ہیں، زندگی کا گرم و سرخ اور صحتمند خون ضائع ہو جاتا ہے، معاشرہ ایک ایسے اخلاقی اور معاشی تپ دق میں مبتلا ہو جاتا ہے، جس سے شفایابی اس کو پھر کبھی حاصل نہیں ہوتی، وہ ہمیشہ مدقوق، مفلوج، معطل، محروم اور عمر زدہ نظر آتا ہے، یہاں تک کہ اس کا مکمل زوال ہو جاتا ہے۔

غور کیا جائے تو نظر آئے گا کہ سود کے نتائج صرف یہ ہیں، افراد کے درمیان کشاکش، معاشرہ میں باہمی اعتماد کا فقدان، بدگمانی اور تاریک پہلو دیکھنے کی عادت، سودی کاروبار کرنے والوں کے درمیان رسہ کشی فقراء و غرباء کا استحصال، اور دو بالکل علیحدہ اور نمایاں طبقوں کا وجود جن میں سے ایک بنی نوع انسان میں سے سمجھا جاتا ہے، اور دوسرا جانوروں، کتوں اور بلیوں کی قسم سے، پہلا طبقہ امراء و اغنیاء کا طبقہ کہلاتا ہے، اور دوسرا فقراء و غرباء کا، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں سود کی جس قدر مذمت کی گئی ہے، اور اس کی جتنی مکروہ تصویر پیش کی گئی ہے، اور اس کی مذمت میں جتنے سخت اور وعیدوں سے بھرے ہوئے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، اتنی تعریف زکوٰۃ کی نہیں کی گئی ہے..... منکرات و فواحش اور اخلاق ذمیمہ کی مذمت میں بھی

www.abulhasanalinadwi.org

میں بھی قرآن مجید کا اسلوب وہ نہیں ہے، جو اس نے سود کے سلسلہ میں اختیار کیا ہے، یہ وہ اسلوبِ بیان ہے، جس سے انسان کے رونگٹے کھڑے ہونے لگتے ہیں، اور معلوم ہوتا ہے کہ دل سینہ سے نکل آئے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ	اے ایمان والو اللہ سے ڈرو، اور جو کچھ سود کا بقایا ہے
مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ فَإِن لَّمْ	اسے چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو، لیکن تم نے ایسا نہ کیا تو
تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ	خبردار ہو جاؤ جنگ کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی طرف
وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ	سے، اور اگر تم توبہ کر لو گے تو تمہارے اصل اموال تمہارے
وَلَا تُظْلَمُونَ ۝ (سورۂ بقرہ - ۲۷۸-۲۷۹)	ہی ہیں، نہ تم (کسی پر) ظلم کرو گے نہ تم پر (کسی کا) ظلم ہوگا۔

اس نے سود خوار کی جو تصویر کھینچی ہے، اس سے ایک مومن کے دل میں نفرت و کراہت خود پیدا ہونے لگتی ہے۔

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا	جو لوگ سود کھاتے رہتے ہیں وہ لوگ نہ کھڑے
كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ	ہو سکیں گے سوا اس کے کہ جیسے وہ کھڑا ہوتا ہے جسے
الْمَسِّ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ	شیطان نے جنون سے خبطی بنا دیا ہو، یہ سزا اس لئے
مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ	ہوگی کہ وہ کہتے ہیں کہ بیع بھی تو سود ہی کی طرح ہے
الرِّبَا فَمَن جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِّن	حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے، اور سود کو حرام
رَّبِّهِ فَانتَهَىٰ فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ	کیا ہے، پھر جس کسی کو نصیحت اس کے پروردگار
إِلَى اللَّهِ وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ	کی طرف سے پہونچے گی، اور وہ باز آ گیا تو جو کچھ پہلے
النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝	ہو چکا وہ اس کا ہو چکا اور اس کا معاملہ اللہ کے
(سورۂ بقرہ - ۲۷۵)	حوالہ رہا، اور جو کوئی پھر عود کرے تو یہی لوگ
	دوزخ والے ہیں اس میں وہ ہمیشہ پڑے رہیں گے۔

قرآن مجید نے سود اور صدقات کا موازنہ کئی جگہ کیا ہے، اور ان دونوں کے آثار و نتائج ایسے

www.abulhasanalinadwi.org

معجزانہ جملوں میں بیان کئے ہیں جن کی تشریح و تفصیل کے لئے درحقیقت ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے، اور جن کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے علم الاقتصاد، اور سود خوار ملکوں اور اقوام کی معاشی و ذہنی حالت کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ	اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور
وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ۝ (سورۂ بقرہ ۲۷۶)	اللہ کسی کفر کرنے والے گنہگار کو دوست نہیں رکھتا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ	اور جو کچھ تم اس غرض سے دوگے کہ لوگوں کے مال میں
فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ	پہنچ کر زیادہ ہو جائے سو وہ اللہ کے آگے نہیں بڑھتا
زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ	اور تم جو صدقہ دوگے جس سے اللہ کی رضا طلب کرتے
هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝ (سورۂ روم۔ ۳۹)	ہو گے تو ایسے ہی لوگ عنقریب بڑھاتے رہیں گے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی زکوٰۃ اور صدقات کی تعریف فرمائی ہے، اور مسلمانوں کے مال میں اس کی وجہ سے جو خیر و برکت ہوتی ہے، اس کا ذکر کیا ہے (وہ احادیث جن میں مال میں برکت اور صدقہ کرنے والے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد کا بیان ہے اوپر گزر چکی ہیں) اور اسی کے ساتھ زکوٰۃ نہ ادا کرنے والوں کو دنیا میں فوری سزا اور ابتلا کی سخت وعید بھی سنائی ہے، بُریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جب کوئی قوم زکوٰۃ دینا چھوڑ دیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو خشک سالی اور قحط میں مبتلا کر دیتا ہے"[1]

اسی طرح سودی کاروبار کرنے والوں کو دنیا و آخرت دونوں جگہ سخت سزا اور عذاب کی وعید ہے، حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جب کسی قوم میں سود کا عام رواج ہو جاتا ہے تو وہ قحط میں مبتلا

---

[1] اوسط طبرانی۔

www.abulhasanalinadwi.org

کردی جاتی ہے اور جب کسی قوم میں رشوت عام ہو جاتی ہے تو وہ رعب میں گرفتار ہو جاتی ہے[۱]" یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ لعنت بھیجتا ہے سود لینے والے اور دینے والے اور اس کو لکھنے اور صدقہ نہ دینے والے پر[۲]"

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جس رات مجھے آسمان پر لے جایا گیا میرا گزر ایک ایسی جماعت پر ہوا جن کے پیٹ گھر کی طرح تھے اس میں سانپ تھے جو باہر سے نظر آتے تھے میں نے پوچھا کہ جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے کہا کہ یہ سود خوار ہیں[۳]"

یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "جب اللہ تعالیٰ کسی کو تباہ کرنا چاہتا ہے تو اس میں سود عام کر دیتا ہے[۴]"

اگر کوئی شخص اسلامی معاشرہ کی تاریخ، اس کے اخلاقی پہلو، احکام شرعیہ کا اجراء، اوامر الٰہیہ کی تنفیذ اور اس میں خیر و برکت، امن و اطمینان، خوش حالی اور فارغ البالی کا جائزہ لے گا، جو احکام شرعیہ کے نفاذ کی برکت سے پیدا ہوئی تھی، نیز اس تنگی و دشواری اور پریشان حالی پر بھی ایک نظر ڈالے گا جو شریعت کے ترک اور فرائض کے تعطل کے نتیجہ میں اسلامی معاشرہ پر چھا گئیں تو وہ ان احادیث نبویؐ کی تصدیق کرنے پر مجبور ہوگا، جو ابھی اوپر گزری ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ	نیک عمل جو کوئی بھی کرے گا مرد ہو یا عورت بشرطیکہ
مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ	صاحب ایمان ہو تو ہم اسے ضرور ایک پاکیزہ زندگی
وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا	عطا کریں گے اور ہم انھیں ان کے اچھے کاموں کے
يَعْمَلُوْنَ ۝ (سورۂ نحل۔ ۹۷)	عوض میں ضرور اجر دیں گے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً	جو کوئی میری نصیحت سے اعراض رکھے گا سو اس کے لئے تنگی
ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى	کا جینا ہوگا اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا اٹھائیں گے۔
(سورۂ طٰہٰ ۱۲۴)	

---

[۱] مستدرک و نسائی [۲] ایضاً [۳] روایت احمد ابن ماجہ [۴] کنز العمال ج ۲ ص ۲۱۳ روایت حضرت ابوہریرہؓ

www.abulhasanalinadwi.org

قانون زکوٰۃ میں اسلامی اصلاحات

اسلام نے جس طرح دوسرے ارکان مثلاً نماز، روزہ اور حج میں مختلف اصلاحات کی ہیں اسی طرح اس نے زکوٰۃ میں بھی اپنا اصلاحی کردار ادا کیا ہے، یہ اصلاحات زکوٰۃ کے قانون اور اس کے احکام کے تمام انفرادی اور اجتماعی مصالح پر حاوی ہیں اور تحریف و فساد کی ان تمام آلائشوں سے پاک ہیں جن میں گذشتہ قومیں اور تحریف شدہ مذاہب ملوث نظر آتے ہیں۔

قدیم مذاہب میں صدقہ و زکوٰۃ کا تصور

جو شخص علمی اور قانونی طریقۂ کار کا عادی اور حدود و قوانین فقہی احکام اور اسلامی شریعت کے قانونی تفصیلات سے باخبر ہے، وہ جب قدیم مذاہب میں زکوٰۃ کا متعین، واضح اور مفصل قانون تلاش کرنا چاہتا ہے تو اس کو بڑی ناکامی اور مایوسی ہوتی ہے، وہ دیکھتا ہے کہ ان مذاہب میں زکوٰۃ و صدقات کا قانون چند مختصر اور منتشر ضابطوں یا احکام پر مشتمل ہے جن کو اخلاقی و روحانی نصائح یا ہدایات کہنا زیادہ صحیح ہوگا، ان کی شکل فقہی احکام اور قانونی تفصیلات سے زیادہ عام دینی مشوروں کی سی ہے جن میں کوئی متعین اور واضح حکم مشکل ہی سے ملتا ہے، طویل جستجو کے بعد بھی اس کو اس فریضہ کے سلسلہ میں صرف چند بنیادی مباحث ہاتھ لگتے ہیں اور ایک ہندلی تصویر سے زیادہ کوئی چیز اس کی گرفت میں نہیں آتی۔

مثلاً اگر وہ جاننا چاہتا ہے کہ زکوٰۃ کس شخص پر اور کن چیزوں پر واجب تھی، اس کا نصاب کیا ہے، زکوٰۃ کن لوگوں کو دی جاتی تھی، اس کی کم سے کم مقدار کیا تھی، اس کا مستحق کون تھا؟ تو اس کو ان سوالوں کا بہت کم تشفی بخش جواب ملتا ہے، اس کے مقابلہ میں حدیث و فقہ کی کتابوں میں ان سوالوں کے ہر ہر جزو کا تشفی بخش جواب موجود ہے اور اس کی تفصیلات اور تحقیقات میں ایک پورا کتب خانہ تیار کیا جا چکا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

ہم کو اس نئی اور مختلف صورت حال سے سابقہ اسلام کے علاوہ ہر مذہب میں پیش آتا ہے اور اس کی وجہ سے عبادت و معاملات اور فقہ و احکام میں اسلام اور دوسرے مذاہب کے تقابلی مطالعہ میں خاصی دشواری پیش آتی ہے۔

پھر بھی ہم دنیا کے تین قدیم و عظیم مذاہب (ہندو مذہب، یہودیت و عیسائیت) میں صدقہ و خیرات کے تصور اور اُس کے اُس نظام کو پیش کرنے کی کوشش کریں گے جو ان مذاہب کے فضلاء یا غیر جانبدار مغربی محققین کی کتابوں میں پیش کیا گیا ہے۔

صدقہ و خیرات ہندو مذہب میں

ہم سب سے پہلے مذاہب و اخلاق کے انسائیکلوپیڈیا کے فاضل مقالہ نگار (A'SGE DEN) کے اس مضمون کا خلاصہ پیش کرتے ہیں جس میں ہندو مذہب میں صدقہ و خیرات کے تصور و عقیدہ، اس کے انواع و اقسام، اس کے طریقۂ عمل اور مختلف ادوار میں اس کی تاریخ کا جائزہ لیا گیا ہے، یہ بڑی حد تک ایک مستند اور محققانہ کوشش ہے، جس میں صرف اصل نظریات و ضوابط پیش کئے گئے ہیں اور کسی قسم کی تنقید و موازنہ اور اپنی طرف سے نتائج نکالنے سے احتراز کیا گیا ہے، مقالہ نگار لکھتا ہے:۔

"خیرات (دان) ہندوؤں کے نزدیک ایک مذہبی فرض ہے اور کئی اہم اعتبارات سے اصول و عمل دونوں ہی میں مغرب کے تصور خیرات سے مختلف ہے، از راہِ ہمدردی و ترحم غربا اور مساکین کو ہدیہ دینے کا تصور ہندو دھرم میں مفقود ہے، لیکن فیاضی کی رسم جتنی ہندوستان میں عام ہے، شاید اور کہیں نہیں ہے، علاوہ ازیں یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ فقیروں اور درویشوں کی بڑی بڑی جماعتیں ..... بلا روک ٹوک اِدھر اُدھر اسی وقت گھوم سکتی ہیں، جبکہ ان کو یقین ہو کہ ان کی ضروریات ہر جگہ پوری ہوں گی اور یہ وہیں ہو سکتا ہے، جہاں کہ ایسے فرض کو عمومی طور پر تسلیم کیا جاتا ہو اور اس پر عمل بھی ہوتا ہو، منو کا بھی کہنا ہے کہ اس دورِ کلجگ میں صفت فیاضی مخصوص ہے، اور

www.abulhasanalinadwi.org

سب کا فرض ہے لیکن اس خیرات کے پانے والے (مستحقین) صرف برہمن اور درویشوں کی مخصوص جماعتیں ہی سمجھی گئی ہیں، سماج کی دوسری تمام جماعتوں سے امداد اور ہدیہ دکشنا... حاصل کرنے کا انھیں کو حق ہے اور ان عطیوں کا ثواب دان دینے والے کو عطیوں کی مقدار کے مطابق ملتا ہے۔

اسی طور پر ہندوستان میں خیرات کا ایک مذہبی مقصد ہوتا ہے یعنی بعد کی زندگی میں[1] جزائے خیر اور ذاتی فائدوں کا حاصل کرنا، ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کی تعلیم اور ان کے اصول بے لوث فیاضی، داد و دہش کے لئے کوئی مقام نہیں دیتے لیکن اس معاملہ میں اکثر ہندو اپنے مذہب سے بالاتر ہیں خیرات کے مغربی تصور سے ملتا جلتا عمل صرف درویشوں کی چند جماعتوں میں ملتا ہے جو کہ اپنے وقت کا کچھ حصہ غربا کی امداد اور کار خیر میں صرف کرتے ہیں اس میں شک نہیں کہ درویشوں کے اس عمل میں بدھ مذہب کی نیک اور کریمانہ تعلیمات کا اثر موجود ہے تیوہاروں اور یاتراؤں (زیارتوں) کے خاص مواقع پر مٹھ (خانقاہ) کے بڑے پجاری (منتظم) تمام زائرین کی ضیافت کرتے ہیں اور خرچ کا مطلق خیال نہیں کرتے لیکن ان صورتوں کا بنیادی تصور ہندوستانی ہے نہ کہ مغربی یا عیسائی، فی الحقیقت درویشوں کو فیاضی کا عہد کرنا پڑتا ہے، جو کچھ اور نہ دے سکیں تو انھیں اپنی کتابیں ہی بطور خیرات دینی چاہئیں لیکن بالعموم فقیر اور درویش دیتے نہیں بلکہ لیتے ہیں لیکن عوام اور غیر برہمن آبادی میں خیرات کی ضرورتوں اور مواقع کو بڑی حد تک ذاتوں اور مشترکہ خاندانوں کے رواجوں سے پورا کیا جاتا ہے (یعنی مختلف مواقع پر خیرات لازمی ہوتی ہے) جہاں کہ فرد کا بار پوری جماعت پر ہوتا ہے۔

ویدوں کی مقدس دعاؤں کے زمانہ میں بھی دان اور دکشنا (خیرات) کا تصور شعراء کے ذہن میں ایک مقام رکھتا تھا، خیرات کرنے والے کا ثواب اور اس کے علو شان کا بار بار ذکر آتا ہے، ویدک لٹریچر میں بالعموم اور ازمنۂ اخیری کی سمرتیوں خصوصاً دھرم شاستروں اور پراڑوں میں گھر بار والوں پر

---

[1] یہاں پر یاد رکھنا چاہئے کہ اواگون (تناسخ) کا عقیدہ ہندو مذاہب کا مشترک اور بنیادی عقیدہ ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

جو فرائض عائد کئے گئے ہیں ان میں خیرات کا مقام بلند رکھا گیا ہے اور ان لوگوں کی تفصیلات بیان کرنے میں بہت احتیاط برتی گئی ہے (اگرچہ ان پر اتفاق نہیں) جن کو یہ خیرات ملنی چاہیئے، منو نے اس مسئلہ پر باقاعدہ اور واضح قوانین مرتب کئے ہیں جو کہ ہندو رسم و رواج (متعلق خیرات) پر آج بھی اثر انداز ہیں (علاوہ ان صورتوں کے جہاں کہ ہندو رسوم نے یوروپین یعنی مغربی اثرات کو قبول کیا ہے) اس خیرات کو دھرمستھان..... یعنی مذہبی ثواب حاصل کرنے کے لئے وسائل بتلایا گیا ہے اسکنڈ پونا ..... کا ایک مکمل باب اصول خیرات ہی پر ہے اور ہیماڈری (HEMADRI) نے اپنی بڑی تصنیف کا نصف آخر اسی مسئلہ کے لئے وقف کیا ہے۔

اس طرح تمام ہندو درویش خیرات ہی پر گذر کرتے ہیں مغرب میں اسی قسم کی جماعتیں بڑی مشقت اور قربانی کی زندگی بسر کرتی ہیں اس کے برخلاف ہندو درویش اپنی روزی محنت سے نہیں کماتے اور نہ کما سکتے ہیں بلکہ ان کو دوسروں کی خیرات کا محتاج رہنا پڑتا ہے یہ تنظیم اور وسیع پیمانے پر بھیک مانگنے کی رسم ہندوستان میں از منۂ قدیم سے چلی آتی ہے اور ادھر اُدھر گھومنے والے بھکاریوں کی فوج کا بار (جبکہ وہ خود کچھ نہیں کماتے) پوری آبادی کے غریب طبقات پر ہمیشہ ایک بڑا بار رہا ہوگا۔

برہمن دھرم ہی سے بدھ مذہب نے بھی فریضۂ خیرات کا تصور ورثہ میں پایا، انھوں نے مذہب کی خدمت کے لئے اپنی زندگی وقف کر دینے والوں کے لئے داد و دہش کے فریضہ کے قدیم اصول کو ترقی دے کر زیادہ منظم بنایا اور اس کی بنیادوں کو وسیع کیا۔

شاکیہ مُنی (یعنی خود بودھ جی) کسی پچھلی زندگی میں دان شور..... فیاضی کے ہیرو رہ چکے تھے، اس لئے ایسے رسم و رواج بدھ مت کے اخلاقی اور سماجی نظام میں کوئی نئی چیز نہ تھے جین دھرم نے بھی (جو کہ از منۂ قدیم کی برہمن دھرم سے اختلاف کرنے والی دوسری بڑی جماعت تھی) اگرچہ برہمنوں کے خیرات حاصل کرنے کے غیر معمولی استحقاق کو رد کیا، لیکن درویش اور ریاضت میں

www.abulhasanalinadwi.org

مصروف فرد کے بار کو عوام پر عائد کیا ہے، ان دونوں صورتوں میں (یعنی بودھ اور جین) میں سے کسی نے بھی کوئی نیا اصول وضع نہیں کیا بلکہ ایک قدیم رسم (خیرات) کو مذہب کے سکھانے والوں اور درویشوں کی جماعتوں کے لئے تسلیم کیا اور اس کو جاری رکھا۔

اس قسم کے عطیات بالعموم دو قسم کے ہوا کرتے تھے، پہلی صورت تھی جائدادوں (مکانات وعمارات) کا وقف کر دینا یا دیہاتوں کی آمدنی کو خیرات کے لئے وقف کرنا یا آمدنی کا عشر (دسواں حصہ) خیرات میں دینا، اس کے علاوہ دوسری صورت میں تیوہاروں، سالانہ تقاریب اور خاندانی رسوم کے موقعوں پر برہمنوں کو نقد اور خوراک کی شکل میں غیر معمولی آمدنی ہو جاتی تھی، اسی ضمن میں وہ ساز و سامان کا دان بھی آجاتا ہے، جو کر گھومنے والے بھکاری جاہل دیہاتیوں کے کو رانہ عقائد اور ڈر کی بنا پر حاصل کر لیتے تھے۔

مہادان (خیرات کبیر) دس سے سولہ تک تھیں، ان میں سب سے اہم سونا تھا، اس کے بعد عمارتیں، گاؤں کی آمدنی وغیرہ، سونے کی خیرات میں سب سے زیادہ قیمت والا اور اسی لئے سب سے زیادہ ثواب رکھنے والا تُلا پُرش تُلا دان تھا، معطی (دان دینے والا) اپنے آپ کو سونے میں تلواتا تھا، پھر یہ سونا مجتمع برہمنوں پر تقسیم کر دیا جاتا تھا، کہا جاتا ہے کہ بارہویں صدی میں قنوج کے ایک راجا نے یہ قیمتی دان سو بار کیا، دوسری مثال متھلا (MITHILA) (بہار کی ایک قدیم چھوٹی سلطنت) کے وزیر کی ہے جس نے چودھویں صدی کے آغاز میں یہی عمل کیا، چینی سیاح ہوئن سیانگ (HIUEN TSANG) نے شاہ قنوج شِلا دتیہ (یعنی ہرش اردھن) کی داد و دہش کا عجیب و غریب بیان دیا ہے، وہ ہر پانچویں سال اپنی جملہ ملکیت کو تمام و کمال خیرات میں دے ڈالتا تھا، اسی قسم کی مسرفانہ خیرات میں کبھی کبھی زیادہ قیمتی دھات (سونے) کے بجائے چاندی کا استعمال کیا جاتا تھا، جنیو (زنار) کی رسوم کے سلسلہ میں بھی سونے سے بنی ہوئی گائے یا کنول کا پھول ایک اہم حیثیت رکھتا تھا، رسم کے خاتمہ پر اس کو توڑ ڈالا جاتا تھا اور ٹکڑے برہمنوں پر تقسیم کر دیئے جاتے تھے یا مندر کو دے دیئے جاتے تھے، شاہی اور مالدار میزبان اسی طرح

www.abulhasanalinadwi.org

کبھی کبھی مہمانوں کو سونے چاندی کے وہ ظروف بھی دے ڈالتے تھے جو کہ دعوت میں استعمال ہوئے ہوں، درویشوں کے مٹھوں (خانقاہوں) کو اور برہمنوں کو دیہی علاقوں کے یا الگراری کے دان دیئے جانے کا رواج ہندوستان میں قدیم زمانہ سے چلا آتا ہے، اشوک کے قدیم کتبوں میں بھی اس کا ذکر موجود ہے، اور روایات کے بموجب اسی شہنشاہ کو اس کی آخری زندگی میں اپنے آپ کو اور اپنے خاندان کو مسرفانہ فیاضی سے برباد کر لینے سے قریب قریب بزور قوت روکا گیا، ایسے عطیات اور وقف آج بھی زیادہ غیر معمولی نہیں ہیں، برہمنوں کو کھانا کھلانا بڑے ثواب کا کام سمجھا جاتا ہے، اور برہمنوں کی تعداد جتنی زیادہ ہو اتنا ہی افضل کار ثواب گردانا جاتا ہے، کسی قدر کم پیمانے پر ہر خاندانی تقریب، برسی یا دعوت کے موقع پر بھی کیا جاتا ہے، اور بڑے بڑے تیوہاروں کے موقع پر اس خیرات کا وسیع انتظام کیا جاتا ہے، اور یاتریوں اور درویشوں کی بڑی بڑی جماعتوں کی کئی کئی دن تک ضیافت کی جاتی ہے، اس سلسلہ میں اُشوَدَاتُ..... کی مثال دی جاتی ہے، جس کے ایک غار کے کتبہ سے (جو کہ پہلی صدی کا سمجھا گیا ہے) معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اس امر پر بڑا فخر تھا کہ وہ سالانہ ایک لاکھ برہمنوں کی ضرورتوں کو پورا کرتا تھا، اور ایک لاکھ گایوں کا اور نیز سولہ گاؤں، سیر و تفریح گاہوں اور تالاب وغیرہ کا دان کرتا تھا، ازمنۂ قدیم میں اکثر ایسے بادشاہوں کا ذکر آتا ہے، جو متعدد برہمنوں کو عرصۂ دراز تک یا عمر بھر پالتے تھے، یورپ کے دور وسطی (MIDDLE AGES) کے مٹھوں (خانقاہوں) کی طرح ہندوستان میں بھی درویشوں کی جماعتیں دیہی ملکیت اور دیوتاؤں کی جائدادوں سے مالا مال رہتی تھیں، کبھی کبھی سلطنت کی آمدنی اور ملکیت کا بڑا حصہ ان کے ہاتھ میں آجاتا تھا۔

شمالی ہندوستان میں باقاعدہ خیرات دہی یعنی مقرر عطیات یا آمدنی کا دسواں حصہ درویشوں کی جماعتوں یا منفرد گرو (معلم) کے لئے جو کہ کسی مکتب خیال کا مسلّم پیشوا ہو، جنوبی ہندوستان کی بہ نسبت بہت کم ہے، واقعہ یہ ہے کہ شمالی ہندوستان میں مذہبی پیشواؤں کا زیادہ اثر نہیں ہے، جنوبی ہند میں

www.abulhasanalinadwi.org

مقررہ رقوم وصول کی جاتی ہیں اور قانونی کارروائی اور زبردستی کے علاوہ ایسے رقوم وصول کرنے کے لئے اور سب ممکن ذرائع استعمال کئے جاتے ہیں، یہ مذہبی پیشوا اپنے اپنے علاقہ کے خاص خاص شہروں میں دورہ کرتے ہیں اور ان دوروں کے وقت معین اور مسلّم عطیات طلب کرنے جاتے ہیں، مذہبی اداروں کے باقاعدہ عطیوں کی شکل جنوبی ہندوستان میں جائدادوں کی آمدنی کا وقف ہے، یہ صورت شمالی ہندوستان میں اس درجہ نہیں ہے اسی آمدنی سے ان اداروں میں مستقل طور پر رہنے والے درویشوں اور پجاریوں کا خرچ پورا ہوتا ہے، ان خیرات اور صدقات دینے والے لوگوں کے مقصد اور نیت کا جہاں تک تعلق ہے تو وہ بڑی حد تک وہی ہوتی ہے جو کہ تیوہاروں کے موقعوں پر دیہات کی عام خیرات کے مواقع پر (لوگوں کی) ہوتی ہے۔

انفرادی خیرات کے لئے ایک قاعدہ مقرر تھا کہ کسی کو خیرات کرتے وقت اتنا نہ دے ڈالنا چاہئے کہ اس کے بیوی بچے محتاج ہو جائیں، دوسرے قواعد کی بموجب یہ مقرر تھا کہ گئودان ہزار گائیوں سے زیادہ کا نہ ہو، دوسرے عطیات کا بھی تعین کر دیا گیا تھا، نیز یہ کہ جس عطیہ کو ایک (برہمن) نے لینے سے انکار کر دیا ہو اس کو دوسرا بھی نہ قبول کرے، نیز یہ کہ جس روز کوئی عطیہ دیا جائے اسی روز اس کو کسی کو نہ دے دیا جائے، مستحقین خیرات کی بھی باقاعدہ تفصیل بہ اعتبار استحقاق کر دی گئی تھی، ان میں سے کچھ کو خیرات دینا نہ صرف ممنوع بلکہ گناہ سمجھا جاتا تھا، اصولاً ہر اونچی ذات والے ہندو کا فرض ہے کہ جب وہ معینہ مدت تک گھر بار کی زندگی بسر کر چکے اور اس کے ایک لڑکا ہو جائے جو کہ اس کی نسل کو جاری رکھ سکے تو اس کو اپنی جملہ ملکیت برہمنوں کو دان کر دینا چاہئے، اور خود بے گھر اور بے سامان ہو کر جنگل میں وان پرستھ ..... کی زندگی بسر کرنی چاہئے اور اس کے بعد اس کو سنیاسی ہو جانا چاہئے، سنیاسی ہونے کی صورت میں اپنی خوراک کے لئے اس کو در در بھیک مانگنا چاہئے، ایسے درویش بالعموم کوئی شئے بطور ملکیت نہیں رکھتے، ان کے پاس صرف ناریل یا کسی

www.abulhasanalinadwi.org

دھات کا بنا ہوا ایک کاسۂ گدائی، ایک پانی کی چھاگل اور کبھی کبھی ایک ڈنڈا اور ایک مالا ہوتی ہے، دورِ حاضر میں بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ بااثر اور دولت مند لوگوں کی ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ انھوں نے سب کچھ ترک کر کے زندگی کے آخری حصہ کو غریبی اور مذہبی مراقبہ کے لئے وقف کر دیا، اور جماعت اور عام انسانوں کی خیرات پر زندگی گذاری۔

ہندوؤں میں خیرات کی ایک اور شکل بھی (از منۂ قدیم سے) چلی آتی ہے، وہ یہ کہ گئو سالوں..... کے لئے عطیے دیئے جائیں، اور یہ ادارے کہیں کہیں بہت قدیم ہیں، بنارس اور دوسری جگہوں پر بھی، بیمار، لولی لنگڑی گایوں کو کھانا اور پناہ مہیا کی جاتی ہے جس کے لئے نیک اور پرہیزگار لوگ فیاضی سے چندے دیتے ہیں اور ایمان والے روزانہ کچھ نہ کچھ پیش کرتے ہیں، ہندوستان میں اس قسم کی خیرات مجموعی طور پر بہت زیادہ ہوگی۔[1]

اس مقالہ سے قارئین کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ صدقہ و خیرات کے اس وسیع نظام میں جو ہندوستان کے وسیع سے وسیع تر رقبہ اور تاریخ کے طویل سے طویل تر دور میں رائج رہا ہے، برہمنوں کو مرکزی مقام اور دائرہ میں نقطہ کی حیثیت حاصل رہی ہے، اور یہ سارا نظام ان کے گرد گردش کرتا رہا ہے، برہمنوں کے بعد درویشوں اور تارک الدنیا سنّیاسیوں کا نمبر آتا ہے، اس طرح (بلا ارادہ و بلا قصد سہی) ہندو معاشرہ میں ایک ایسے طبقہ کا نشو و نما ہوتا ہے جس کی بسر اوقات اور جس کا تمام تر انحصار اس کے ہم مذہب لوگوں کے عطیات، مذہبی خیرات اور جذبۂ فیاضی پر رہ جاتا ہے، فطرت انسانی اس سے جو غلط فائدہ اٹھاتی ہے، اور اس سے جو اخلاقی کمزوری پیدا ہوتی ہے، دوسروں کی محنتوں پر تکیہ کرنا، مفت خوری اور بیکاری، کاہلی اور آرام طلبی، اور اس سے پیدا ہونے والی جو خرابیاں رونما ہوتی ہیں، ان کا تصور کرنا کچھ مشکل نہیں، یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس مذہبی نظام میں (خواہ اس کو دورِ انحطاط کی خصوصیت سمجھ لیا جائے) خیرات لینا..... نہ صرف محمود بلکہ

---

[1] ENCYCLOPAEDIA OF RELIGION AND ETHICS VOL. III- CHARITY (ALMSGIVING) (HINDU) ۵۱

www.abulhasanalinadwi.org

تزکیۂ نفس کے لئے ایک حد تک ضروری خیال کیا جاتا تھا، اس کے نتیجہ میں ہندوستان کے بعض مذاہب میں دریوزہ گری یعنی دروازہ دروازہ جاکر بھیک مانگنے اور اس سے اپنا پیٹ بھرنے کو مستقل عبادت اور اصلاحِ نفس کا ایک موثر ذریعہ قرار دیا گیا ہے اور خاص طبقوں کے لئے اس کو روزمرہ کے فرائض میں شامل کیا گیا ہے، بھکشوؤں (MONKS) کا یہ طبقہ ان ممالک میں جہاں بدھ مذہب والوں کی غالب اکثریت ہے، بہت نمایاں طریقہ پر دیکھا جاسکتا ہے، برما میں ہر غیر ملکی سیاح کو یہ چیز اپنی طرف خصوصیت کے ساتھ متوجہ کرتی ہے[1]، اس طبقہ کی روز افزوں تعداد، ملک کی آبادی کے ایک طبقہ کو یکسر معطل ہوجانے کے مسئلہ اور اس کے اخلاقی حالات نے وہاں کی سماجی زندگی میں بہت سی مشکلات اور پیچیدگیاں پیدا کردی ہیں۔

اسی طرح سے یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ اس نظام اور ان مذہبی تعلیمات وہدایات میں تنظیم اور تعین کا وہ اہتمام نہیں پایا جاتا جو سامی مذاہب میں تقریباً مشترک ہے، ان مذاہب میں عبادات سے لے کر رسوم تک کا انتخاب کی وہ آزادی اور مقامی حالات کی رعایت اور ایسی لچک رکھی گئی ہے کہ ہندوستان کے ایک حصہ کا ضابطۂ حیات اور مذہبی نظام دوسرے حصہ کے ضابطۂ حیات اور مذہبی نظام سے اتنا مختلف ہوکر رہ گیا ہے کہ اس پر ایک ہی مذہب کا اطلاق مشکل ہوجاتا ہے۔

صدقہ وخیرات یہودی مذہب میں

مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ سیرۃ النبی (جلد پنجم) میں "زکوٰۃ گذشتہ مذاہب میں" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

"زکوٰۃ بھی ان عبادات میں سے ہے، جو تمام آسمانی مذاہب کے صحیفوں میں فرض بتائی گئی ہے، لیکن ان کے پیروؤں نے اس فرض کو اس حد تک بھلا دیا تھا کہ بظاہر ان کے مذہبی احکام کی فہرست میں

---

[1] مصنف کتاب نے ۱۹۶۰ء میں جب برما کا سفر کیا اور اس کو رنگون، مانڈلے اور بعض دوسرے اہم مقامات پر قیام کا موقعہ ملا تو اس نے کثیر التعداد بھکشوؤں اور ان کے روزمرہ کے معمولات کا بہت قریب سے مشاہدہ کیا اور دریوزہ گری کے وہ مناظر دیکھے جن کو وہ فراموش نہیں کرسکتا۔

www.abulhasanalinadwi.org

اس کا نام بھی نظر نہیں آتا، حالانکہ قرآن پاک کا دعویٰ ہے اور اس کی تائید مختلف آسمانی صحیفوں سے ہوتی ہے کہ جس طرح نماز ہر مذہب کا جزء لاینفک تھی اسی طرح زکوٰۃ بھی تمام مذاہب کا ہمیشہ ضروری جزء رہی ہے بنی اسرائیل سے خدا کا جو عہد تھا اس میں نماز اور زکوٰۃ دونوں تھیں۔

اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ۔	ہم نے بنی اسرائیل سے اقرار لیا تھا کہ کھڑی رکھیو نماز
(سورۂ بقرہ۔۸۳)	اور دیتے رہیو زکوٰۃ۔
لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ۔	اے بنی اسرائیل اگر تم کھڑی رکھتے نماز اور دیتے
(سورۂ مائدہ۔۱۲)	رہتے زکوٰۃ۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذکر میں ہے:۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۚ اِنَّهٗ كَانَ	اور قرآن میں اسماعیل کا ذکر کر بیشک وہ وعدہ کا
صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝ وَكَانَ	سچا تھا اور وہ خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر تھا اور وہ
يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۚ وَكَانَ	اپنے لوگوں کو نماز اور زکوٰۃ کی تاکید کرتا تھا اور وہ
عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ۝ (سورۂ مریم ۵۴، ۵۵)	اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھا۔

حضرت عیسیٰؑ کہتے ہیں:۔

وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ	اور خدا نے مجھ کو زندگی بھر نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے
حَيًّا ۝ (سورۂ مریم۔۳۱)	کی تاکید کی۔

توراۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل پر زمین کی پیداوار اور جانوروں میں ایک عشر یعنی دسواں حصہ (احبار۔۲۷۔۳۰۔۳۲) نیز ہر بیس برس یا اس سے زیادہ عمر والے پر خواہ امیر ہو یا غریب آدھا مثقال دینا واجب تھا (خروج۔۳۰۔۱۳۔۱۵) ساتھ ہی غلہ کاٹتے وقت گرا پڑا اناج کھلیان کی منتشر بالیں اور پھل والے درختوں میں کچھ پھل چھوڑ دیتے تھے جو مال کی زکوٰۃ تھی، اور عموماً ہر تیسرے سال

www.abulhasanalinadwi.org

واجب الادا ہوتی تھی، یہ رقم بیت المقدس کے خزانہ میں جمع کی جاتی تھی، اس کا ساٹھواں حصہ مذہبی عہدہ دار پاتے تھے، دسواں حصہ حضرت ہارون کی اولاد (اللاویین) قومی خاندانی کاہن ہونے کی حیثیت سے لیتی تھی، اور ہر تیسرے سال میں دسواں حصہ بیت المقدس کے حاجیوں کی مہمانی کے لئے رکھا جاتا تھا[1]، اسی مد سے عام مسافروں، غریبوں، بیواؤں اور یتیموں کو روزانہ کھانا پکا کر تقسیم کیا جاتا تھا، اور نقد آدھے مثقال والی زکوٰۃ کی رقم جماعت کے خیمہ (یا مسجد بیت المقدس) اور قربانی کے ظروف و آلات کی خریداری کے خرچ کے لئے رہتی تھی (تورات: خروج ۳۰: ۱۱-۱۶، ۳۸-۳۶)[2]"

ہندوستانی مذاہب کے مقابلہ میں یہودی مذہب میں جو انبیاء کی تعلیمات پر ہر دور میں کسی نہ کسی درجہ میں مبنی رہا ہے، اور جس پر آرین نسل کے مذاہب کے مقابلہ میں نبوت کا زیادہ عرصہ تک سایہ رہا ہے، خیرات و صدقات کے بارے میں اسلامی تعلیمات اور اقدار سے زیادہ مماثلت پائی جاتی ہے، ہندو مذہب کے مقابلہ میں (جس کی ہدایات و تعلیمات کا خلاصہ اوپر گذر چکا ہے) یہودیوں کی مقدس کتابوں میں مفت خوری اور خیرات پر گذارا کرنے کو بہ نظر استحسان نہیں دیکھا گیا ہے اور نہ اس کی ہمت افزائی کی گئی ہے، بلکہ اس کے برخلاف غرباء کے طبقہ میں خود اعتمادی و خودداری پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے، بنسرا (BENSIRA) کا کہنا ہے "ایک غریب انسان کا اپنی لٹھوں کی جھونپڑی میں رہنا دوسرے شخص کے مکان کے آرام و آسائش سے کہیں بہتر ہے، دربدر پھرنا ایک بڑی خرابی ہے" (SIRA 22-24-29) زکوٰۃ و خیرات کے فضائل اور اس کے دنیوی و اخروی منافع کے متعلق بھی جو کچھ کہا گیا ہے، وہ اسلامی تعلیمات سے زیادہ قریب ہے، خیرات کی انواع و اقسام کی کثرت، اس کے تصور میں وسعت، اور ہر اس چیز پر اس کے حاوی ہونے کا عقیدہ جو کسی دوسرے آدمی کے لئے راحت رساں اور مسرت بخش ہو اسلامی تعلیمات، اور قرآن و حدیث کی ہدایات سے مشابہ نظر آتا ہے، ان تعلیمات میں انسانی جذبات کی رعایت اور نازک احساسات کی جھلک بھی نظر آتی ہے، جن کا اعلیٰ و ارفع

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا طبع یازدہم مضمون "خیرات" (CHARITY) باب "یہودیوں میں خیرات" [2] سیرۃ النبی ج ۵ ص ۱۴۸-۱۴۹

نمونہ اسلامی تعلیمات میں نظر آتا ہے' ابوتھ (ABOTH 1-5) کے بیان کے مطابق زکوٰۃ وخیرات کا فرض انسانی معاشرہ کے ارکان میں سے ایک ہے' نیز اس کی بھی تعلیم دی گئی ہے کہ غریب کو بھی خیرات دینی چاہیئے۔

یہودی تعلیمات کے مطابق خیرات دہندہ کو اپنی آمدنی کا دسواں حصہ (عشر) خیرات میں دینا لازمی ہے' لیکن پانچویں حصہ سے خیرات نہ دینا چاہیئے' مبادا خیرات دینے والا خود خیرات کا طالب ہونے پر مجبور ہو جائے' (KETHUBOTH 50 A) خیرات کے حصول میں بوقت ضرورت حکومت کی مداخلت کی بھی اجازت دی گئی ہے' (KETHUBOTH 19B) میں ہے "بخیل لوگ جو کہ خیرات دینے سے انکار کریں یا جو اپنی حیثیت کے مطابق خیرات نہ دیتے ہوں ان کو حکام کی طرف سے مجبور کیا جائے' اور اگر ضرورت ہو تو مجرم کو مارا جائے یہاں تک کہ وہ حکم کی تعمیل کرے" اس طرح سے اسلام کی تعلیم کی طرح خیرات دینے والے کے خاندان کو اس سے مستفید ہونے کا حق دیا گیا ہے' ان کو اس کا زیادہ حقدار بنایا گیا ہے' حدیث نبوی ہے "ابدأ بمن تعول[1]" (خرچ میں اس سے آغاز کرو جو تمہاری پرورش میں ہیں) (BABAMEZIA) میں ہے "خیرات سے سب سے پہلے خاندان کو مستفید ہونا چاہیئے' اول والدین پھر بھائی بہن' اس کے بعد اپنی بستی کے غریبوں کی باری آتی ہے' اس کے بعد دوسری بستیوں کے رہنے والے"۔

"خیرات یہودیوں اور غیر یہودیوں کو یکساں طور پر دی جا سکتی ہے" (GILTIN 61A) "قیدیوں کو فدیہ دے کر رہا کرانے کا فرض بخشش وخیرات کے دیگر اعمال سے افضل ہے" (BABABATHRA 8B) "خیرات دیتے وقت خیرات پانے والے کی خودداری کا بھی لحاظ رکھا جائے" (SHABBATH 63A) "ترش روئی سے غریبوں کو فیاضی سے دینا ثواب عمل کو ضائع کر دیتا ہے[2]" (BABABATHRA 9B)

"انسائیکلوپیڈیا آف ریلجن اینڈ ایتھکس[3]" میں ہے کہ "تلمودی دور میں غرباء کی امداد کا اعلیٰ نظم

---

[1] صحیح بخاری [2] قرآن شریف میں ہے "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ" (اے ایمان والو اپنے صدقوں کو احسان (رکھ کر) اور اذیت (پہنچا کر) باطل نہ کر دو) (سورۂ بقرہ-۲۶۴)

[3] ملاحظہ ہو (ENCYCLOPAEDIA OF RELIGION AND ETHICS VOL.III BY MORRIS JOSEPH)

www.abulhasanalinadwi.org

موجود تھا، اس کی خصوصیات روزانہ کھانے کی تقسیم اور ہفتہ وار نقدی تقسیم تھی، دونوں کاموں کے لئے ایسے ہی دو تین ایماندار آدمی جن پر کسی کو شک نہ ہو جماعت سے لازمی چندہ لیا کرتے تھے، اور اس کا اہتمام تین اور افراد کے ہاتھ میں ہوتا تھا جو کہ سائلین کے استحقاق کی جانچ کرتے تھے" (BABABATHRA 8A) "ان کا فرض تھا کہ غریبوں اور مسکینوں کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے اپنے فرائض انجام دیں" (KETHUBOTH 68) یہ دونوں تقسیمیں بہت بعد تک قائم رہیں۔ (MAIMLOCLIT 9:3)

——— دور وسطیٰ میں دیندار یہودی اپنی شریعت کے مقرر کئے ہوئے عشر پر احتیاط کے ساتھ پابند رہتے تھے، دور وسطیٰ کے یہودی معاشرہ میں بھیک مانگنے کی رسم بہت ہی شاذ تھی لیکن سترہویں صدی میں یہ رسم بے حد بڑھی اور ناقابل برداشت برائی بن گئی، پیشہ ور بھکاری (SEHNORRER) ہر یہودی جماعت میں عام ہو گئے اور نہایت نفرت انگیز اور تکلیف دہ معلوم ہونے لگے، ایسے پیشہ ور بھکاریوں کی گستاخانہ خیرات طلبی کی ایک لازوال تصویر (ZANGWILL) کی کتاب (KING OF SINOWET) "سائلوں کا بادشاہ" میں ملتی ہے، لیکن دور حاضر کے مہذب ممالک کے یہودیوں کی خیراتی تنظیم نے پیشہ ور بھکاریوں کے پیشہ کو قریب قریب فنا کر دیا۔

اسلامی تعلیمات سے اس جزئی مماثلت کے باوجود جس کے کچھ نمونے ہم نے اوپر پیش کئے ہیں، اسلام کے نظام زکوٰۃ و صدقات سے ایک بڑا فرق یہ ملتا ہے کہ یہودیوں میں بھی صدقات قبول کرنے اور اس کا انتظام کرنے والا ایک مذہبی گروہ پایا جاتا ہے جس کی بنیاد خاص نسل و نسب اور اکابر سے انتساب پر ہے، اور یہ منصب موروثی اور نسلی ہے، یہودی مصنف (G. F. MOORE) اپنی کتاب (JUDAISM) میں لکھتا ہے:۔

"اس تنظیم (مذہبی امور کے لئے ٹیکس کی وصولیابی) کا بنیادی اصول، یہود کے بنیادی قانون میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ زرعی پیداوار کا عشر قوم لاوی (لاویین) کو دیا جائے، اور اس کا عشر دینی پیشواؤں کو دے"

www.abulhasanalinadwi.org

اس کا قدرتی نتیجہ یہ نکلا جو ایسے مستقل اور موروثی طبقوں اور گروہوں کے پیدا ہو جانے پر نکلا کرتا ہے یعنی حد سے بڑھی ہوئی حرص، استحصال بالجبر اور دوسروں کی حق تلفی (G. F. MOORE) جی ایف مور لکھتا ہے:۔

"۶۶ء (یہودی) کی بغاوت سے پہلے بڑے بڑے اونچے یہودی علماء طاقتور آدمیوں کی جماعت بھیج کر عشر کو خرمن ہی سے زبردستی وصول کر لیتے تھے، اور ان چھوٹے مذہبی پیشواؤں کو جو خاص طور پر اس کو اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے، زدوکوب کرتے تھے"[1]

اس مذہبی فرض کی ادائیگی میں یہودیوں کی مستعدی اور سرگرمی اور احساس ذمہ داری کا کیا حال تھا، اور کہاں تک اس مذہبی فریضہ پر یہودیوں کے مختلف ادوار حیات میں عمل درآمد ہوتا رہا، اس کا اندازہ مذکورہ بالا مصنف کی اسی کتاب کے ایک اقتباس سے ہوگا:۔

"غالباً عشر کی ادائیگی اس مذہبی ٹیکس کے ادا کرنے والے کے ضمیر پر چھوڑ دی گئی ہے، تجربہ بتلاتا ہے کہ ٹیکس دہندہ پر ادائیگی کے فرض کا اعتماد بہت ہی ناقابلِ اطمینان رہا ہے، جوڈیا (JUDEA) کے اس چھوٹے سے علاقہ میں بھی جو کہ ایران کی حکومت میں تھا، ٹیکس کی ادائیگی کا یہ خود ارادی طریقہ ناکام رہا، اس لئے (NEH 10-33 FF) کے ضابطہ سے یہ انتظام کیا گیا کہ زراعت پیشہ جماعتوں سے عشر وصول کرنے کے لئے لاوی قوم کے لوگ کسی مذہبی پیشوا کو لے کر جائیں (NEH 7-38) یہ تدبیر بھی کامیاب نہ ہوئی، کیونکہ (NEH 13-10) میں لکھا ہے کہ عشر ادا نہیں کیا جاتا تھا، اس لئے قوم لاوی کو معبد چھوڑ کر علیحدہ جانا پڑا تاکہ وہ اپنی زمین جوت کر روزی حاصل کر سکیں (MAL 3-8 F)"

آگے چل کر وہ لکھتا ہے:۔

"یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ کسان کو مذہبی واجبات کے ادا کرنے کے سلسلہ میں بہت ہی ناقابلِ اعتماد سمجھا گیا ہے، اس سلسلہ میں بہت ہی دیندار کسان بھی قوانین مذہب کے مقابلہ میں اپنے

---

[1] JOS. ANT. XX 88-181, 9, 2-206 F.

www.abulhasanalinadwi.org

آباء واجداد کے عمل کو زیادہ قابل قبول گردانتے تھے، ان کے نزدیک پرانی روایت مدارس کے فتوے اور قانون کی تشریحات سے کہیں زیادہ وزنی سمجھی جاتی تھی"

آگے چل کر لکھتا ہے :-

"مذہبی رہنماؤں کو اس عام غفلت سے سخت فکر و پریشانی رونما ہوئی لیکن مذہبی قوانین پر عمل کرانے کی جملہ مساعی کم و بیش ناکام ہی رہیں، اس سلسلہ میں معمولاً افراد کی غفلت و لاپرواہی انفرادی ہی نہ تھی جس کا وہ خود خدا کے سامنے جواب دہ ہوتا، خدا کے حصہ کی یہ لوٹ ایک قومی جرم بن چکی تھی، جس کی سزا کل قوم کو بھگتنا پڑی، اللہ کی مہربانی اور برکت دوبارہ حاصل کرنے کے لئے قوم کو مکمل طور پر اپنے عمل میں اصلاح کرنا تھی (MAL. 3, 8-12. MIDRASH TEBELHORON ISLAM S 1-3)

اسی عشر (مذہبی ٹیکس) سے غفلت یہود کی جلاوطنی کا ایک سبب بنی"

مزید یہ کہ :-

"اس میں شک نہیں کہ مذہبی پیشواؤں نے پرزور نصیحت اور ہدایات کے ذریعہ اپنی قوم کو بتلایا کہ خدا کو دھوکا دینا، اور عشر ادا نہ کرنا کس قدر بڑا گناہ ہے، لیکن ان کو اس اصلاح میں کامیابی نہ ہوسکی"[1]

یہودی علماء اور مورخین کی ان شہادتوں کو سامنے رکھ کر نیز اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ یہودی اپنی تاریخ کے تقریباً ہر دور میں ایک دولتمند، اور سرمایہ دار قوم رہی ہے جس نے عام طور پر ساہوکاری، سودی لین دین، اور دولت آفرینی کے دوسرے ذرائع سے بڑی فراخ دلی سے کام لیا ہے، اور عام طور پر وہ اپنی ہنرمندی، صناعی، اور کاروباری صلاحیت میں ممتاز رہی ہے، قرآن مجید کی ان آیات پر غور کرنا چاہیئے، جن میں ان کے بخل، خست، مالی حقوق کی ادائیگی میں ان کے لیت ولعل سخن پروری و حیلہ سازی اور ایسے مطالبوں کے موقعوں پر ان کے گستاخانہ کلمات کا ذکر کیا گیا ہے۔

---

[1] JUDAISM VOL. II. G. F. MOORE (PROF. HISTORY OF RELIGION) HARVARD UNIVERSITY U. S. A.

www.abulhasanalinadwi.org

ایک موقعہ پر فرمایا گیا ہے :۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ	بیشک اللہ نے ان لوگوں کا قول سُن لیا ہے جنھوں نے
اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ	کہا ہے کہ اللہ مفلس ہے اور ہم مالدار ہیں، ہم ضرور
مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ	ان کے کہے ہوئے کو لکھ کر رہیں گے اور اس کے ناحق
ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝	قتل انبیاء کو بھی اور کہیں گے کہ (اب) آگ کے عذاب کا مزہ چکھو۔

ایسی ہی اجتماعی ضرورتوں اور ایثار و فیاضی کے مطالبہ کے موقعہ پر انھوں نے جھنجھلا کر یہ گستاخانہ کلمات بھی کہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا کو اپنے بندوں کی کاربرآری کرنے میں کوئی مجبوری پیش آرہی ہے (اور معاذ اللہ کسی نے اس کے ہاتھ باندھ دیئے ہیں) اس لئے مخلوق سے مدد لینے کی ضرورت پیش آگئی :۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ۭ غُلَّتْ	اور یہود کہتے ہیں کہ خدا کا ہاتھ بند ہو گیا ہاتھ ان ہی
اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ	کے بندھوں اپنے اس کہنے سے ملعون ہو گئے اللہ
مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاۗءُ ۭ	کے تو دونوں ہاتھ خوب کھلے ہوئے ہیں وہ جس طرح
(سورۂ مائدہ ۔ ۶۴)	چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔

قرآن مجید سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حجاز کے یہود نے جو ملک کی دولت کے سب سے بڑے حصہ پر قابض اور تجارت پر حاوی تھے زکوٰۃ کی ادائیگی اور صدقہ و خیرات کے کاموں میں ہمیشہ کوتاہی سے کام لیا، قرآن مجید کہتا ہے :۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ	اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے بنی اسرائیل سے
اِلَّا اللّٰهَ ۭ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى	عہد لیا کہ عبادت نہ کرنا (کسی کی) بجز اللہ کے اور

لے سورۂ آل عمران ۔ ۱۸۱ ۔ کتب تفسیر میں ہے کہ جب آیت "مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا" نازل ہوئی تو یہودیوں نے اس کے جواب میں یہ کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا رب اب محتاج ہو گیا ہے اس لئے صدقہ، خیرات اور قرض مانگتا ہے (ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر وغیرہ)

www.abulhasanalinadwi.org

وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ	حسن سلوک سے پیش آنا (اپنے) ماں باپ سے اور قرابت
حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ثُمَّ	داروں اور یتیموں اور محتاجوں (سے بھی) اور لوگوں
تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ	سے (بالعموم) بھلی بات کہنا، اور نماز قائم رکھنا، اور
مُّعْرِضُوْنَ ۝ (سورۂ بقرہ - ۸۳)	زکوٰۃ دیتے رہنا پھر تم (سب ان احکام سے) پھر گئے
	بجز تم میں سے (معدودے) چند کے اور تم ہی ہو گردن کش۔

صدقہ و خیرات عیسائی مذہب میں

چونکہ حضرت مسیحؑ اپنے پیروؤں کے لئے کوئی مستقل اور مفصل قانون اور شریعت موسویہ کے متوازی کوئی شریعت لے کر نہیں آئے ان کا کام چند ترمیمات اور اصلاحات تک محدود تھا[1]، اور ان کی اصل تبلیغ و دعوت یہودیوں کی حد سے بڑھی ہوئی ظاہرداری اور رسم پرستی کے مقابلہ میں عبودیت و اخلاص کی سچی روح، محبت الٰہی اور انسان دوستی کا زندہ جذبہ اور ظواہر و اشکال میں حقیقت کا جلوہ پیدا کرنا تھا، اس لئے دوسرے ارکان مذہب اور زندگی کے شعبوں کی طرح خیرات و صدقات کے لئے بھی انھوں نے کوئی مستقل قانون و نظام پیش نہیں کیا، جو یہودی شریعت اور تورات کے احکام کے بالمقابل مستقل ضوابط اور قوانین پر مشتمل ہو، انھوں نے اسی سابقہ نظام میں صرف حقیقت و روح، خلوص و صداقت، محبت الٰہی

---

[1] قرآن شریف میں حضرت عیسیٰؑ کے بیان میں آتا ہے:-

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ	اور میں تصدیق کرنے والا ہوں اپنے سے پیشتر آئی ہوئی توریت
لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ	کی اور (اس لئے آیا ہوں) کہ تم پر جو کچھ حرام کر دیا گیا تھا اس میں سے
مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝	تم پر کچھ حلال کر دوں، اور میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کے
(سورۂ عمران - ۵۰)	ہاں سے نشان لے کر آیا ہوں تو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

www.abulhasanalinadwi.org

واخوت انسانی کا احساس زندہ کرنے کی کوشش کی، یہی وجہ ہے کہ ہمیں عیسائیت کے مذہبی لٹریچر اور "کلیسا" کی رہنمائی اور ہدایات میں خیرات وصدقات کا کوئی مفصل اور واضح ضابطہ اور کوئی منضبط اور مرتب قانون نہیں ملتا، جو کچھ بھی ملتا ہے اس کی حیثیت محض اخلاقی ہدایات اور پند و نصائح کی ہے۔

انجیل (عہد جدید) میں خیرات کا کیا درجہ ہے اس کے متعلق حضرت عیسیٰؑ کی بنیادی تعلیمات، ہدایات اور ذاتی جذبات کیا تھے، یہ تصور بعد کے کلیسائی عہد میں کس درجہ قائم رہا، اور اس پر مسیحی دنیا میں کہاں تک عمل درآمد کیا گیا؟ مذاہب و اخلاق کے انسائیکلوپیڈیا کے مسیحی مقالہ نگار نے اس کا اجمالی جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے:

"حضرت عیسیٰؑ نے اپنے پہاڑی کے وعظ میں اور دوسرے موقعوں پر خیرات دہی کے فریضہ کو اتنے ہی عزم و خلوص سے بیان کیا ہے، جیسا کہ علمائے یہود کیا کرتے تھے، ان کے پیروؤں کے لئے بھی خیرات دینا ضروری ہے لیکن ان کی خیرات خلوص قلب سے محض کار خیر کے ارادہ سے ہونا چاہئے (ہر عیسائی اپنی ذات کو اتنا ہی کامل کرنا چاہتا ہے جتنا کہ "ان کا باپ" جو کہ آسمان پر ہے کامل تھا) اس کی نیت میں خود نمائی ستائش طلبی یا ذاتی فروغ کا شائبہ مطلق نہیں ہونا چاہئے (MT. 6.4 FF) ایسے ہی اس وعظ میں جو لوقا کی انجیل میں درج ہے، خیرات کے احکام زیادہ واضح ہیں:-

"دو اور تم کو دیا جائے گا، جو تم سے سوال کرے اس کو دو، اور جو تمہارا اسباب لے جائے اس سے واپس نہ مانگو، اپنے دشمنوں سے بھی محبت کرو، ان کو قرض دو، اور ناامید نہ کرو، تمہارا انعام بہت بڑا ہوگا، اور تم اس ارفع و اعلیٰ ذات کے فرزند بن جاؤ گے، کیونکہ وہ ناشکر گزار اور بدآئین کے ساتھ بھی مہربانی کرتا ہے (LUKE 6. 30-35)

حضرت عیسیٰؑ نے جس کی تعلیم دی اس پر عامل بھی ہوئے (بلکہ اس سے زائد کر دکھایا) انھوں نے اپنی نبوت کا بہت سا وقت لوگوں کی تکالیف کے دور کرنے میں صرف کیا، عوام کی خدمت کی اور جن کو شیطان نے ستا رکھا تھا ان کو اچھا کیا، کیونکہ اللہ ان کے ساتھ تھا۔ (AC 10-38)

www.abulhasanalinadwi.org

تاہم ہم کو یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ حضرت مسیحؑ ایک کمزور بہی خواہ انسانیت تھے جیسا کہ انھوں نے کہا ہے کہ انسان کو پہلے خدا کی سلطنت اور راست روی کا خواہاں ہونا چاہئے اور دوسری چیزیں (یعنی دوسری صفات حمیدہ) اپنے آپ شامل ہوتی جائیں گی، دوسروں کی امداد کرتے وقت (حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا کہ) ان کی روحوں کی حفاظت کا خیال ان کے جسم کی حفاظت سے بالاتر ہونا چاہئے، وہ خود بھی لوگوں کا علاج کرتے ہوئے یا ان کو مدد دیتے ہوئے ان کی فوری امداد کے مقابلہ میں ان کی دائمی ترقی (روح) کا زیادہ خیال رکھتے تھے ایک دوسری بات بھی ہے جس کو ذہن نشین رکھنے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے آقا (حضرت عیسیٰؑ) نے امداد باہمی کی بنیاد اس تعلق کو گردانا ہے جو کہ تمام انسان اپنے پروردگار کے ساتھ رکھتے ہیں، یہی تعلق ان کو بھائی بھائی بنا دیتا ہے اور اس طرح چونکہ سب انسان اصلاً ایک ہی گروہ کے افراد ہیں اس لئے سب کا فرض ہے کہ (ایک ہی اللہ کے بندے کی بنیاد پر) ایک دوسرے کی مدد کریں۔

سینٹ پال نے فرمایا ہے کہ تم آقائے (نامدار) کی طرح ایک دوسرے کے بوجھ اٹھاؤ، اور اس طرح حضرت عیسیٰؑ کے قانون پر عامل رہو (GAL. 62) لیکن یہ امر بالکل بیّن ہے کہ جہاں تک فیاضی اور خیرات دہی کا تعلق ان اعلیٰ مقاصد اور علوئے نیت سے ہے، وہاں خود نمائی اور فخر کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

اب ہم یہ دیکھیں کہ حضرت عیسیٰؑ کی تعلیم اور ان کی ذاتی مثال نے ان کے سب سے پہلے پیروؤں اور شاگردوں کو کہاں تک متاثر کیا، یوم (PENTA COST) کو روح کے باہر نکال لانے کے فوری نتیجہ کے طور پر ایک ایسا اشتراکی نظام رونما ہوا جو کہ لوگوں نے اپنی مرضی سے قائم کر لیا، اور جس میں کہ جماعت کے مال دار افراد نے اپنا کل (یا قریب قریب کل) مال اپنے غریب پڑوسیوں کی ضرورت کی فراہمی میں صرف کر دیا، (AC 2, 44-45) ہر ایک نے تو اپنا کل مال فروخت نہیں کیا جن کے پاس اپنی ضرورت سے زیادہ نہ تھا وہ تو اپنی ہی ضرورتوں کو پورا کرتے رہے لیکن جن کے پاس ضرورت سے زائد تھا انھوں نے اس کو فروخت کر کے یا اسی طرح جماعت کی بہبودی کے لئے صرف کر دیا، (4, 34-35) ایسی عالی شان

www.abulhasanalinadwi.org

خیرات ظاہر ہے کہ زیادہ دنوں قائم نہیں رہ سکتی تھی (ANANIA) اور (SAPHIRA) کی مثالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جذبۂ (خدمت) جو کہ ہونا چاہئے تھا، اکثر مصنوعی ہوتا تھا، اور شاید وہ تمام خرابیاں جو کہ سست اور ناکارہ لوگوں کی امداد کا نتیجہ ہوا کرتی ہیں، کلیسائے یروشلم میں بھی نمودار ہو گئیں، اور سینٹ پال کی تہدید سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خرابیاں دوسرے کلیساؤں میں بھی پیدا ہو گئی تھیں،

(2 TH. 3. 10FF.)

اگرچہ ابتدائی دور کی خیرات اس شاندار طور پر اس وقت قائم نہ رہ سکی، جبکہ پہلا جوش و خروش ختم ہو گیا، تاہم خیرات دہی قائم رہی، اور وہ تمام عیسائی گرجاؤں کی ایک مابہ الامتیاز خصوصیت بنی رہی، بلکہ کلیسا کی خصوصیت رہی، جبکہ نئے عیسائی بھائیوں نے سینٹ پال کو اپنا دست راست برائے بیگانگت پیش کیا، تو یہ بات خاص طور پر طے ہوئی کہ غریبوں کا لحاظ رکھا جائے گا (خواہ وہ غیر عیسائی ہی کیوں نہ ہوں) یہ اصول وہ تھا جو کہ سینٹ پال خود بھی قائم رکھنا چاہتے تھے (GAL. 2:10) اسی مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے، اور اس طور سے یہودیوں اور دوسرے غیر عیسائیوں کے الگ الگ گرجاؤں کو ایک ساتھ لے آنے کے لئے سینٹ پال نے مقدونیہ اور (ACHAI) کے گرجاؤں کو بڑی احتیاط سے منظم کیا، اور خیرات کے چندوں کو جمع کیا گیا، اور اس یکجائی فنڈ کو یروشلم کے مذہبی خدام کے پاس پہونچانے کی خدمت خود سینٹ پال نے سنبھالی، اگرچہ اس کام میں دوسرے گرجاؤں کے نمائندے بھی شامل رہے۔ (2CO. 8-9)

ہفتہ وار چندہ کا حکم جو کہ انھوں نے اس موقعہ پر نافذ فرمایا تھا، غالباً ہفتہ وار چندے کی اس رسم کی بنیاد بن گیا جو کہ مختلف گرجاؤں میں عموماً قائم رہی اور ہمارے زمانہ میں بھی اکثر گرجاؤں میں قائم ہے۔

خیرات دہی اور غریبوں پر رحم کرنے پر دوسرے عیسائی برگزیدہ رہبروں نے سینٹ پال

www.abulhasanalinadwi.org

سے کچھ کم زور نہیں دیا ہے، سینٹ جیمس نے پر زور الفاظ میں اس ظلم و تعدی کو برا کہا ہے جو کہ زردار لوگ غریبوں پر کرتے رہتے ہیں (JA 51-6-26) لیکن مذہبی خدمات کے قانون کو انھوں نے اس طرح اجمالی شکل دی ہے۔

اصلی مذہب جس پر خدا اور باپ کی نظر میں کوئی دھبہ نہیں، وہ یہ ہے۔

یتیموں اور بیواؤں کے پاس جانا (ہمدردی کرنا) اور ان کے رنج و غم میں شریک ہونا اور اپنی ذات کو (فخر و مباہات) سے پاک رکھنا۔ (۲۷-۱)

مکتوب بنام یہود کے مصنف نے اپنے مخاطبین کو مکتوب کے ختم کرتے ہوئے ایک عملی نصیحت ان الفاظ میں کی ہے:۔

"نیکی کرنا اور تقسیم (خیرات) کو فراموش نہ کرو، کیونکہ انھیں قربانیوں سے خدا بہت خوش ہوتا ہے"۔

سینٹ جان نے اس فرض (خیرات دہی) کو انتہائی روشن اور نمایاں طریقہ پر پیش کیا ہے، انھوں نے انسانی خدمت کو جذبۂ حب اللہ سے پیدا ہوتا ہوا بتلایا ہے، وہ فرماتے ہیں:۔

"جس کے پاس دنیا بھر کا سامان موجود ہے لیکن وہ اپنے بھائی کو ضرورت مند دیکھتے ہوئے اس کے ساتھ رحم کرنے سے گریز کرتا ہے تو اللہ کی محبت اس میں کیسے قائم رہ سکتی ہے"۔

اس طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ خود حضرت عیسیٰؑ کی تعلیم میں، اور ان کے اولین پیروؤں کی تعلیم میں خیرات دہی اور غرباء کی امداد کو عیسائی زندگی کا بنیادی فرض سمجھا گیا ہے، اور اس فرض کا فوری تعلق اس رشتہ سے ہے، جو کہ لوگ حضرت عیسیٰؑ کے واسطہ سے خدا کے ساتھ رکھتے ہیں، اور اس رشتہ کے تسلیم کر لینے کا فوری نتیجہ ہی (خیرات دہی اور نیکی) ہے[۵۱]"۔

---

۵۱ ENCYCLOPAEDIA OF RELIGION AND ETHICS, W. A. SPOONER.

www.abulhasanalinadwi.org

اسلام کی اصلاحات

اسلام نے زکوٰۃ وصدقات کے نظام میں بہت سی ایسی بنیادی تبدیلیاں کیں جن کا معاشرہ کے اخلاقی نظام پر بہت گہرا دیرپا، اور انقلاب آفریں اثر پڑا، ہم ان میں سے خاص خاص اصلاحات اور تبدیلیوں کا ذکر کرتے ہیں۔

مذہبی اور طبقاتی اجارہ داری کا خاتمہ

اس نے سب سے پہلے اس مذہبی اور خاندانی اجارہ داری کو ختم کیا جس سے ایک طرف خود اس اجارہ دار طبقہ کو نقصان پہونچ رہا تھا، اس کے اخلاق خراب ہو رہے تھے اور وہ ایسا آرام پسند اور عافیت کوش طبقہ بن گیا تھا جس کی صرف صدقات پر بسر اوقات تھی اور جو مفت کے مال کا (جو اس کو بلا محنت کے ہاتھ لگ جاتا ہے) عادی ہو گیا تھا، اور اس کے لئے شریفانہ اور قدرتی ذرائع معاش اختیار کرنے اور اپنے دست و بازو کو استعمال کرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہی تھی، اس کے رزق کی ضمانت و کفالت کی بنیاد صرف یہ ہوتی ہے کہ وہ فلاں نبی کی اولاد میں ہے، فلاں گھرانہ اور فلاں خاندان سے تعلق رکھتا ہے، یا موروثی طور پر فلاں مذہبی عہدہ پر فائز ہے، خواہ وہ اس سلسلہ میں اپنی کوئی ذمہ داری پوری نہ کرتا ہو، اس کی وجہ سے ایک ایسا پیشہ ور طبقہ وجود میں آگیا جو دین کا اجارہ دار بن کر اس کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرتا تھا اور ہر قسم کی اخلاقی بلندی، مردانگی، عزتِ نفس اور خودداری سے محروم تھا۔

دوسری طرف اس سے ان فقراء و مساکین اور مستحقین زکوٰۃ کو بھی سخت نقصان پہونچ رہا تھا جن کے حقوق پامال ہو رہے تھے اس لئے کہ ہر صدقہ کرنے والا قدرتی طور پر یہ چاہتا تھا کہ اس کا صدقہ اس شخص کو پہونچے جو کسی دینی منصب پر فائز ہو، اپنی رگوں میں انبیاء کا خون رکھتا ہو اور کسی شریف و اعلیٰ خاندان سے متعلق ہو، ہندوستان میں یہ بات سب سے زیادہ نمایاں تھی، یہاں برہمن مندروں کے پروہت اور پنڈت ان صدقات پر پوری طرح قابض تھے اور ان محتاج اور مستحق لوگوں کا اس میں کوئی حصہ نہ تھا جو مقدس برہمنی خون نہ رکھتے تھے اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کو

www.abulhasanalinadwi.org

اتنا بھی میسر نہ تھا، جس سے ان کی زندگی قائم رہتی، وہ دولت مندوں کی بے پرواہی، برہمنوں اور پنڈتوں کی تعیش پسندی اور اس مخصوص مذہبی قانون کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھ گئے تھے جس کی ذمہ داری آرین نسل پر سب سے زیادہ ہے۔

اس کے برعکس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس مذہبی اور خاندانی اجارہ داری، اور اجتماعی ناانصافی کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا، آپ نے بنی ہاشم پر جو خود آپ ہی کا خاندان ہے، اور اسلامی تاریخ اور دینی جد وجہد کے میدان میں بھی بڑی فضیلت رکھتا ہے، زکوٰۃ حرام کر دی اور بڑی قوت اور صراحت کے ساتھ اعلان کیا کہ "ان الصدقۃ لاتحل لنا"[1] (صدقہ ہمارے لئے حلال نہیں ہے) آپؐ صدقات سے پورا پرہیز اور احتیاط فرماتے تھے، حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کھانا لایا جاتا تو آپؐ اس کے متعلق دریافت فرماتے، اگر یہ کہا جاتا کہ یہ ہدیہ ہے تو کھاتے اور اگر یہ کہا جاتا کہ صدقہ ہے تو اس کو نہ کھاتے اور اپنے اصحاب سے فرماتے کہ تم کھاؤ[2] آپ اپنے گھر والوں کو صدقہ وزکوٰۃ کا مال کھانے سے بہت سختی سے منع فرماتے تھے، تاکہ ان کو اس کی عادت نہ پڑ جائے اور مسلمان صدقہ کے لئے اسی خاندان کو مخصوص کر لیں اور دوسرے اس سے محروم ہو جائیں، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حسنؓ بن علیؓ نے صدقہ کا ایک کھجور اٹھا کر اپنے منہ میں رکھ لیا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو تھوکو، اس کو پھینک دو، کیا تم کو معلوم نہیں کہ ہم لوگ صدقہ نہیں کھاتے"[3]

یہ حکم آپ کی زندگی میں بھی اور آپؐ کی زندگی کے بعد بھی اسی طرح نافذ رہا، آپ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ "صدقہ لوگوں کا میل کچیل ہے، اور یہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اور آل محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے لئے جائز نہیں"[4]

فقہ اسلامی میں یہ حکم برابر قائم رہا، اسلامی معاشرہ میں اس پر برابر عمل درآمد کیا جاتا رہا اور زکوٰۃ اور صدقہ کا دروازہ عامۃ المسلمین اور فقراء ومستحقین کے لئے ہمیشہ کھلا رہا اور ان کے حقوق پوری طرح محفوظ رہے[5]

اپنے خاندان اور اقرباء کے ساتھ آپ کا ہمیشہ یہی معاملہ اور طرز عمل تھا، وہ نقصان اور تاوان میں پیش پیش

---

[1] اصحاب سنن عن ابی رافع عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم [2] شیخین [3] ایضاً [4] مسلم، روایت حضرت ابوہریرہؓ

[5] اس مبحث کی تفصیل کے لئے جصاص نیز قاضی ابن العربی مالکی کی کتاب "احکام القرآن" کا مطالعہ کیا جائے۔

www.abulhasanalinadwi.org

رکھے جاتے اور انعامات اور مالی فوائد میں ان کو کم سے کم حصہ دیا جاتا جب سود حرام کیا گیا تو آپ نے سب سے پہلے اس قانون کو اپنے رشتہ داروں پر نافذ کیا جب جاہلیت کا خون حرام کیا گیا تو آپ نے سب سے پہلے اپنے خاندان کے ایک نوجوان کا خون معاف کیا، حجۃ الوداع کے خطبہ میں صاف طور پر ارشاد فرمایا:۔

ألا کل شئ من امر الجاهلية تحت قدمی	یاد رکھو کہ جاہلیت کی ہر چیز میرے پیروں کے نیچے ہے
موضوع ودماء الجاهلية موضوعة وان	میں جاہلیت کا خون ختم کرتا ہوں اور پہلا خون جو میں
اول دم اضع من دمائنا دم ابن ربيعة بن	معاف کرتا ہوں وہ ابن ربیعہ بن الحارث کا خون ہے
الحارث وكان مسترضعا فی بنی سعد	جن کو قبیلۂ بنی سعد میں دودھ پینے کے لئے بھیجا گیا تھا[1]
فقتله هذيل وربا الجاهلية موضوع	اور ہذیل نے ان کو قتل کر دیا تھا جاہلیت کا سود بھی
وان اول ربا اضع من ربانا ربا عباس بن	میں ختم کرتا ہوں اور پہلا سود جو میں معاف کرتا ہوں
عبد المطلب فانه موضوع كله۔ الخ[2]	وہ عباس بن عبد المطلب کا سود ہے اب وہ سب ختم ہے۔

اسی طرح جب زکوٰۃ فرض کی گئی تو اس کے باوجود کہ وہ رزق و آسائش کا ایک بڑا ذریعہ اور دروازہ تھا آپ نے اس کو بنی ہاشم اپنے اہل بیت اور اپنے پورے خاندان پر ہمیشہ کے لئے بند کر دیا، یہ درحقیقت تمام انبیاءؑ و مرسلین کا طرز اور نبوت و رسالت کا خاصہ ہے اور اس میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو مقام محمود حاصل ہے۔

زکوٰۃ کی ادائیگی میں واسطوں کی ضرورت نہیں

آپ نے زکوٰۃ دینے والوں اور لینے والوں کے بیچ سے وہ سارے واسطے ختم کر دیئے جو شریعت موسوی میں پائے جاتے تھے یعنی موروثی عالم یا بیت المقدس کے کارکن جن کا ذریعہ اختیار کئے بغیر اس فریضہ سے سبکدوش ہونا ممکن نہ تھا، اس چیز نے اس طبقہ میں مال کی حد سے بڑھی ہوئی محبت اور حرص و طمع پیدا کر دی اس نے

---

[1] عرب میں دستور تھا کہ باہر رہنے والے قبائل کی عورتیں شرفاء کے بچوں کو دودھ پلانے کے لئے لے جاتی تھیں [2] روایت جابر بن عبد اللہ (صحیح مسلم)

www.abulhasanalinadwi.org

اکثر و بیشتر اس سے ناجائز فائدہ اٹھانا شروع کر دیا اور بالآخر اس پر قابض ہو گیا، قرآن مجید کہتا ہے :۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ	اے ایمان والو! اہل کتاب کے اکثر علماء و مشائخ لوگوں
وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ	کے مال باطل طریقوں پر کھاتے (اڑاتے) رہتے ہیں
وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۗ وَالَّذِينَ	اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے رہتے ہیں اور جو
يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا	لوگ کہ سونا اور چاندی جمع کر کر کے رکھتے ہیں اور
فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۙ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝	اس کو خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں آپ انھیں
(سورۂ توبہ - ۳۴)	ایک دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے۔

اللہ تعالیٰ نے جس طرح دوسری عبادات اور دینی فرائض سے ان واسطوں کو ختم فرما دیا تھا اسی طرح زکوٰۃ و صدقہ کے لئے بھی اس نے کسی وساطت اور ذریعہ کو باقی نہیں رکھا، مسلمان خود اپنے طور پر نماز پڑھ سکتا ہے، زکوٰۃ نکال سکتا ہے، روزے رکھ سکتا ہے اور حج کر سکتا ہے، اس کے لئے اس کو صرف ان احکام سے واقفیت حاصل کرنا ضروری ہے، جن کے بغیر یہ ارکان ادا نہیں ہو سکتے، اگر نیت کی تصحیح ہو گئی ہو اور شرائط پورے کر لئے گئے ہوں تو پھر ایک مسلمان کو ان فرائض کی بجا آوری کے لئے کسی سہارے اور واسطہ اور کسی رسمی مذہبی طبقہ کی منظوری کی ضرورت نہیں ہے۔

مستحقین زکوٰۃ کے حقوق میں اضافہ

ان چیزوں کے ساتھ ایک خصوصیت زکوٰۃ کو اور حاصل ہے اور وہ یہ کہ زکوٰۃ پر پہلے (جیسا کہ ہم ایک جگہ بیان کر چکے ہیں) مختلف قسم کی پابندیاں تھیں، زکوٰۃ لینے والوں کو اس کا اختیار نہ تھا کہ اس کو جس طرح چاہیں استعمال کریں، اس کا ایک حصہ بیت المقدس کے حجاج کے لئے مخصوص تھا، جو زیادہ تر ان کی ضیافت اور کھانے کے مصارف پر خرچ ہو جاتا تھا، شریعت اسلامی نے فقراء و مساکین اور زکوٰۃ کے مستحقین کو اس مال کا مالک

www.abulhasanalinadwi.org

بنادیا اور ان کو اس کا حق دیا کہ وہ اس مال میں جس طرح چاہیں تصرف کریں "للفقراء والمساکین والعاملین علیہا[۱]" میں "لام" اس پر دال ہے کہ وہ اس کو اپنی ضرورت و مصلحت کے لئے پوری آزادی کے ساتھ استعمال کر سکتے ہیں۔

ان خوشگوار اور مفید اصلاحات نے زکوٰۃ کے اسلامی نظام کو ایک نہایت لطیف، ترقی یافتہ، جامع اور مکمل عبادتی اور اجتماعی نظام بنادیا ہے، جو تمام انفرادی و اجتماعی مصالح پر حاوی ہے[۲]۔

اسلام میں زکوٰۃ کی اہمیت اور شرعی حیثیت

قرآن مجید میں نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر ۸۲ مقامات پر آیا ہے[۳] چنانچہ "اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ" سے پورا قرآن بھرا ہوا ہے، اس کے علاوہ مسلمانوں کے اوصاف جہاں جہاں بیان کئے گئے ہیں، وہاں بھی ہمیشہ "یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ[۴]" آیا ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو اسلام کے بنیادی ارکان میں شمار فرمایا ہے، آپؐ کا ارشاد ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔

آپؐ سے پوچھا گیا کہ "اسلام کیا ہے؟" آپؐ نے جواب دیا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، فرض نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو[۵]، ضمام بن ثعلبہ کی حدیث میں ہے کہ "انھوں نے ایک مرتبہ حضورؐ سے دریافت کیا کہ میں اللہ کی قسم دلا کر آپؐ سے پوچھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اس کا حکم دیا ہے کہ آپؐ ہمارے اغنیاء سے زکوٰۃ حاصل کریں اور فقراء میں تقسیم کردیں، آپؐ نے

---

[۱] اس "لام" کی بحث کے لئے احکام القرآن مذاہب اربعہ کی اصول فقہ کی کتابیں دیکھی جاسکتی ہیں۔ [۲] اس بحث میں سیرۃ النبیؐ (از مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ) جلد پنجم سے استفادہ کیا گیا ہے۔ [۳] مظاہر حق ترجمۂ مشکوٰۃ از نواب قطب الدین خاں دہلوی (۱۲۸۹ھ) [۴] سورۂ مائدہ - ۵۵ [۵] شیخین روایت ابوہریرہؓ۔

www.abulhasanalinadwi.org

فرمایا" ہاں بالکل"۔

اس موضوع پر احادیث اس کثرت سے ہیں کہ ان کا شمار کرنا مشکل ہے وہ حد تواتر تک کو پہونچ چکی ہیں، اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ زکوٰۃ نماز کے ساتھ لازم و ملزوم ہے اور صدیوں اور نسلوں سے برابر اس پر عمل ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نماز کے قیام اور زکوٰۃ کی ادائیگی کو اسلام کی صحت و قبولیت، اس کے احکام کی بجاآوری اللہ تعالیٰ کے ساتھ صلح اور مسلمانوں کے ساتھ اخوت کی علامت قرار دیا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:۔

فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ	پھر اگر یہ توبہ کرلیں اور نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ
فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝	دینے لگیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو، بیشک اللہ بڑا
(سورۂ توبہ - ۵)	مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ	لیکن اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز کے پابند ہو جائیں اور
فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَنُفَصِّلُ الْآيٰتِ	زکوٰۃ دینے لگیں تو وہ تمہارے بھائی ہو جائیں گے دین میں،
لِقَوْمٍ يَّعْلَمُونَ ۝ (سورۂ توبہ - ۱۱)	اور ہم آیتوں کو علم والوں کے لئے تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

بخاری و مسلم میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ گواہی دیں اس بات کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اس کے رسول ہیں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں، اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو اپنے خون اور اپنے مالوں کو مجھ سے محفوظ کر لیتے ہیں، سوائے اسلام کے حق کے اور ان کا حساب اللہ پر ہے"۔

بخاری و مسلم اور نسائی میں حضرت ابوہریرہؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

www.abulhasanalinadwi.org

"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میرے اوپر ایمان لائیں اور جو میں لایا ہوں اس کو قبول کریں، اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو وہ مجھ سے اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کر لیتے ہیں، مگر اس کے حق کے ساتھ، اور اس کا حساب اللہ پر ہے۔"

زکوٰۃ نظام کے ساتھ ضروری ہے

جس طرح نماز کا مزاج اور شرعی حیثیت یہ ہے کہ اس کو جماعت کے ساتھ ادا کیا جائے اسی طرح زکوٰۃ کا مزاج اور شرعی حیثیت یہ ہے کہ وہ پہلے بیت المال میں جمع کی جائے اور ان خلفاء و امراء[1] کے سپرد کی جائے جو اس کے منتظم و ذمہ دار ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کا موقف

زکوٰۃ کی یہ وہ حیثیت تھی جس کو چھوڑ کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے آپؐ کے بعد آپؐ کے جانشین اور امین اور اس دین کے اسرار و مقاصد کو سب سے زیادہ سمجھنے والے اور اس کے لئے سب سے

---

[1] مسلمان خلافت و امارت کا نظام قائم کرنے کے شرعی طور پر مکلف ہیں، اور اس میں کوتاہی اور سہل انگاری ان کو گنہگار کر سکتی ہے، حدیث و فقہ کی کتابوں اور اسلام کی روح اور اس کے مقاصد کے صحیح فہم کا بھی یہی تقاضا ہے، اس موضوع پر حضرت شاہ ولی اللہؒ کی کتاب "ازالۃ الخفا" اور مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی کتاب "منصب امامت" کا مطالعہ بہت مفید ہوگا، پہلے کے مسلمان اس بات کے روادار نہیں تھے اور اس کو بہت بڑی بات سمجھتے تھے، کہ ان کا کوئی مختصر وقفہ بغیر خلافت و امارت کے گزر جائے، چنانچہ مسلمان مورخین جب کسی نئے سال کے آغاز کا ذکر کرتے ہیں تو اس طرح لکھتے ہیں کہ "نیا سال شروع ہو گیا اور مسلمان اب تک بلا خلیفہ کے ہیں"، اگر وہ اس زمانہ میں ہوتے اور اس طویل مدت کو دیکھتے جو بغیر خلافت و امارت ہی کے نہیں بغیر کسی احساس و شعور اور فکر کے گزر رہی ہے تو ہمارے متعلق کیا رائے قائم کرتے؟

www.abulhasanalinadwi.org

زیادہ غیرت وحمیت رکھنے والے حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے انھوں نے اس پر سنجیدگی اور قوت کے ساتھ اصرار کیا کہ "جو بیت المال کو زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کرے اس سے قتال کیا جائے"۔

حضرت ابوہریرہؓ نے اس واقعہ کو بہت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس سلسلہ میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے درمیان جو اختلاف تھا اور جو بعد میں اتفاق سے تبدیل ہوگیا، اس کا بھی تذکرہ کیا ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنی رائے تبدیل کی اور حضرت ابوبکرؓ کی بالغ نظری، دقت فہم اور اس معاملہ میں ان کی غیرت وحمیت کا اقرار کیا ——— ہم وہ روایت یہاں نقل کر رہے ہیں[1]۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ "جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے اور اس وقت عرب میں بہت سے لوگ مرتد ہونے لگے، اس وقت حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے پوچھا کہ آپ کس بنیاد پر لوگوں سے قتال کریں گے جب کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یہ فرما چکے ہیں کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک قتال کروں جب تک کہ وہ "لا الٰہ الا اللہ" نہ کہہ دیں، اگر وہ کہہ دیں گے تو اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کرلیں گے مگر اس کے حق کے ساتھ اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا میں اس سے ضرور جنگ کروں گا اس لئے کہ زکوٰۃ مال کا حق ہے، خدا کی قسم اگر وہ ایک بکری کا بچہ[2] جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دیتے تھے اب دینے سے انکار کریں گے تو میں ان سے اس بات پر ضرور قتال کروں گا، حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کو اللہ تعالیٰ نے قتال پر پورا شرح صدر عطا فرمایا، اس سے میں سمجھا کہ یہی بات حق ہے"۔

حضرت ابوبکرؓ نے یہ موقف کیوں اختیار کیا؟

علامہ خطابی نے اہلِ ارتداد اور اہلِ بغاوت کی تمام قسموں، ان کے زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی حقیقت،

---

[1] ابن ماجہ کے سوا یہ حدیث تمام کتب صحاح میں موجود ہے [2] مسلم ترمذی اور ابوداؤد میں "عناقا" کے بجائے "عقالا" آیا ہے یعنی ایک رسی۔

www.abulhasanalinadwi.org

نیز حضرت ابوبکرؓ نے ان کے ساتھ جو رویہ اختیار کیا اس پر سیر حاصل بحث کی ہے اس سے اس وقت کے خاص حالات اور فہم صحابہ میں اختلاف کے اسباب روشنی میں آجاتے ہیں، اختصار و تلخیص کے ساتھ اس بحث کو یہاں نقل کیا جارہا ہے :۔

"اہل ارتداد کی دو قسمیں تھیں، ایک قسم وہ تھی، جو دین سے مرتد ہوگئی تھی، اور ملت سے کنارہ کش ہوکر کفر کی طرف مائل ہوگئی تھی، یہ وہ لوگ ہیں جن کی طرف حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اشارہ کیا ہے، یہ قسم دو طبقوں پر مشتمل تھی، ایک طبقہ وہ تھا جس نے مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی وغیرہ مدعیان نبوت کی تصدیق اور پیروی کی تھی، یہ پورا فرقہ نبوت محمدی کا منکر تھا، ان سب سے حضرت ابوبکرؓ نے جہاد کیا، چنانچہ مسیلمہ یمامہ میں مارا گیا اور عنسی صنعاء میں قتل کیا گیا، ان کی اکثریت مقتول ہوگئی اور باقی منتشر ہوگئے، دوسری جماعت جو دین سے مرتد ہوگئی ان کی نوعیت یہ تھی کہ انھوں نے احکام شریعت کا انکار کیا، نماز اور زکوٰۃ چھوڑ دی، اور جاہلیت کی زندگی پھر سے اختیار کرلی، اس وقت تین مسجدیں ایسی باقی رہ گئیں جہاں صرف اللہ کے لئے سجدہ ہو رہا تھا، مسجد مکہ، مسجد مدینہ، مسجد عبدالقیس۔

(مندرجہ بالا طبقوں کے مقابلہ میں) ایک دوسری قسم وہ تھی، جنھوں نے نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کی انھوں نے زکوٰۃ کے وجوب سے نیز امام کے پاس ادائیگی کے وجوب سے انکار کیا، یہ لوگ درحقیقت باغی تھے لیکن اس زمانہ میں ان کے لئے یہ لفظ استعمال نہیں کیا گیا، اس لئے کہ وہ بھی اہل ارتداد کے ساتھ اس معاملہ میں شریک تھے، اور ارتداد کا مسئلہ سب سے اہم اور مقدم تھا، چنانچہ سب کے لئے "اھل الردۃ" کا لفظ استعمال ہونے لگا، باغیوں سے قتال کا مفہوم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ سے رائج ہوا، اس لئے کہ اس وقت وہ منفرد اور مستقل بالذات تھے، اور اہل شرک کے ساتھ ان کا اختلاط نہیں تھا۔

ان مانعین زکوٰۃ کے ساتھ کچھ لوگ وہ بھی تھے، جو زکوٰۃ کے قائل تھے لیکن ان کے سرداروں اور چودھریوں نے ان کو ادائیگی زکوٰۃ سے باز رکھا، مثلاً بنی یربوع کے قبیلہ والے انھوں نے زکوٰۃ جمع بھی

www.abulhasanalinadwi.org

کرلی اور اس کو حضرت ابوبکرؓ کے پاس بھیجنے کا ارادہ بھی کرلیا لیکن مالک بن نویرہ نے ان کو اس سے روک دیا اور یہ زکوٰۃ انہی کے قبیلہ میں تقسیم کروائی، یہی وہ لوگ تھے جن کے معاملہ میں اختلاف پیدا ہوا اور حضرت عمرؓ کو شبہہ ہوا کہ آیا ان سے قتال جائز ہے یا نہیں؟ انھوں نے حضرت ابوبکرؓ سے مراجعت کی اور اس مسئلہ پر بحث کی اور اس حدیث کو دلیل کے طور پر پیش کیا (امرت ان اقاتل الناس الخ) لیکن حضرت عمرؓ کی یہ رائے ظاہر قول پر مبنی تھی، انھوں نے اس کے شرائط پر غور نہیں کیا تھا، حضرت ابوبکرؓ نے ان سے کہا کہ زکوٰۃ مال کا حق ہے، ان کی مراد یہ تھی کہ مسئلہ خون اور مال دونوں کی ضمانت اور حفاظت کا تھا، جو اپنی شرائط کے ساتھ وابستہ ہے، یہ حکم دو شرطوں کے ساتھ مقید ہے، دونوں شرطوں کا پورا ہونا ضروری ہے، یہاں (مانعین زکوٰۃ کے مسئلہ میں) ایک شرط (ادائے زکوٰۃ) مفقود ہے، اس لئے وہ حکم جاری نہیں ہوگا، اس کے علاوہ انھوں نے اس کو نماز پر قیاس کیا اور چونکہ تارک صلوٰۃ پر بالاجماع قتال واجب ہے، اس حیثیت سے منکر زکوٰۃ پر بھی واجب ہونی چاہئے، اس طرح یہ مختلف فیہ مسئلہ متفق علیہ بن گیا، جب حضرت عمرؓ پر حضرت ابوبکرؓ کی صحت رائے بالکل عیاں ہوگئی تو انھوں نے اس قتال میں ان کی پوری پیروی کی، ان کے اس قول "فعرفت انہ الحق" (پھر میں نے سمجھ لیا کہ یہی حق ہے) کے معنی یہی ہیں، یعنی حضرت ابوبکرؓ کی اس دلیل پر جو انھوں نے نص و دلالت کے ساتھ[1] پیش کی ان کو شرح صدر حاصل ہوگیا۔

---

[1] راقم سطور کا خیال ہے کہ جو لوگ ملت چھوڑ بیٹھے، کفر کی طرف جھک گئے، شرائع کے منکر ہوگئے، نماز وغیرہ چھوڑ دی اور جاہلیت کے قدیم حال پر واپس آگئے (اور یہ وہ لوگ ہیں جن کو خطابی نے قسم اول میں شمار کیا ہے) اسی طرح وہ لوگ جو نماز و زکوٰۃ میں فرق کرنے لگے تھے، اور وجوب زکوٰۃ کے منکر ہوگئے تھے (اور یہ لوگ جیسا کہ خطابی نے اوپر لکھا ہے صنف دوم سے تعلق رکھتے تھے) ان سب سے حضرت ابوبکرؓ کا قتال اس بنیاد پر تھا کہ وہ مرتد ہیں اس لئے کہ وہ لوگ ضروریات دین کے کھلے طور پر منکر تھے، اسی لئے انھوں نے فرمایا (واللہ لاقاتلن من فرق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ فان الزکوٰۃ حق المال) لیکن وہ لوگ جو امام کو زکوٰۃ دینے سے (باقی ص ۱۹۸ پر)

www.abulhasanalinadwi.org

حضرت ابوبکرؓ کا موقف اور اس کے اہم نتائج

امام کو زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی تحریک اسلام پر ایک کاری ضرب تھی اور اس سے بغاوت و انتشار کا ایک بڑا دروازہ کھل رہا تھا، اگر حضرت ابوبکرؓ خدانخواستہ اس میں رواداری برتتے اور اس کے سدباب میں غفلت اور سستی سے کام لیتے تو پھر یہ دروازہ کبھی بند نہ ہوتا اور اس کے بعد دوسرے دروازے بھی یکے بعد دیگرے کھلنے لگتے، زکوٰۃ کے بعد نماز کی باری آتی اور ایک جماعت یہ کہنے لگتی کہ جمعہ اور جماعت کی کیا ضرورت ہے، ہم تنہا اپنے گھروں میں نماز پڑھ سکتے ہیں، روزہ کی باری آتی تو یہ کہا جاتا کہ رمضان میں اوقات مقرر کرنے کی کیا ضرورت ہے، اصل یہ ہے کہ ایک مہینہ کے روزے پورے ہو جائیں خواہ جس ترتیب سے ہوں، حج میں بھی کتر بیونت کی جاتی اور اس کے متعین مناسک و اعمال اور اوقات معینہ میں ردوبدل ہونے لگتا، غرض کہ اس کے نتیجہ میں خلافتِ نبوت اور نظام امارت (جس کے ساتھ تمام حدود و احکام اور عزت اسلام وابستہ ہے) اشعار کے اس بحر کی طرح ہو جاتا جس کا نام تو "بحر" ہوتا ہے لیکن پانی کا کہیں وجود نہیں ہوتا، اسلام اور مسلمانوں کا شیرازہ اسی زمانہ میں اس طرح منتشر ہو جاتا جس طرح اس کے صدیوں بعد ہوا، اس لحاظ سے حضرت ابوبکرؓ کا موقف جس میں نرمی، سہل انگاری، مداہنت یا مفاہمت کا کوئی شائبہ بھی نہیں تھا، دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے دل میں القا ہوا تھا، اور اس کے دین کی بقا اور اس کی پاکیزگی و بالیدگی اور اس کی حقیقت کی حفاظت میں اس کا سب سے بڑا اہم حصہ ہے، پوری امت اس پر متفق ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ اس طوفان ارتداد کے

(باقی صـ۱۹۷ کا) منکر تھے یا اس پر قابض ہو کر خود اپنے قبیلہ میں اور اپنی مرضی سے اس کو تقسیم کر رہے تھے نیز وہ لوگ جو خود زکوٰۃ دینا چاہتے تھے لیکن اپنے سرداروں سے مجبور تھے ان سے حضرت ابوبکرؓ کا قتال اس بنیاد پر تھا کہ وہ باغی ہیں اور "اہل بغی" سے قتال قرآن مجید سے ثابت ہے اور مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ" (سورۂ حجرات۔۹) واللہ اعلم بالصواب۔

www.abulhasanalinadwi.org

مقابلہ کے لئے جو اسلام کی ایک ایک کڑی کو ختم کر دینے کے درپے تھا حضرت ابوبکرؓ نے وہ موقف اختیار کیا جو اپنے اپنے زمانوں میں انبیاء کرام نے اختیار کیا تھا، یہ خلافت نبوت تھی جس کا حق حضرت ابوبکرؓ نے پوری طرح ادا کیا اور اس کی وجہ سے وہ قیامت تک آنے والے مسلمان نسلوں کے شکریہ کے مستحق ہیں۔

نقد مال کی زکوٰۃ میں حضرت عثمانؓ کا موقف

حضرت ابوبکرؓ کے جہاد اور ان کی صلابت و استقامت کے نتیجہ میں یہ صورتِ حال ایک عرصہ تک باقی رہی اور ہر قسم کے مالوں کی زکوٰۃ بیت المال میں جمع کی جاتی رہی، جب حضرت عثمانؓ کی خلافت کا زمانہ آیا تو انھوں نے اموال باطنہ (نقد وغیرہ) کی زکوٰۃ مستحقین اور دوسرے مصارف زکوٰۃ پر بطور خود خرچ کرنے کی اجازت دی، صرف اموالِ ظاہرہ مثلاً مویشی، کاشت اور باغات کی زکوٰۃ بیت المال میں جمع کرنے کا حکم برقرار رہا۔

امام ابوبکر جصاص اپنی تفسیر میں اس کی تفصیل و تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"زکوٰۃ پہلے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس، اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے پاس جمع ہوتی تھی، پھر حضرت عثمانؓ نے ایک موقع پر تقریر کی اور کہا کہ یہ تمہارے زکوٰۃ کا مہینہ ہے جس پر زکوٰۃ فرض ہو وہ اس کو ادا کرے پھر اپنے بقیہ مال کی زکوٰۃ نکالے انھوں نے مالکین نصاب کو خود اپنے طور پر دینے کی آزادی دے دی اور امام کا حق اس سے ساقط ہو گیا، اس کا فیصلہ بھی ائمہ عدل میں سے ایک امام نے کیا تھا اس لئے پوری امت پر اسی وقت نافذ ہو گیا، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی وجہ سے "ویعقد علیہ اموالہم"[1]

---

[1] علامہ علاء الدین ابوبکر الکاسانی الحنفی (م ۵۸۷ھ) لکھتے ہیں کہ پوشیدہ مال (اموال باطنہ) جو شہر میں ہوتا ہے اس کے متعلق عام علماء کی رائے یہی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی زکوٰۃ لی، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے بھی اس کی زکوٰۃ لی، حضرت عثمان نے بھی ایک مدت تک زکوٰۃ لی لیکن جب دولت کی فراوانی ہوئی اور انھوں نے محسوس کیا کہ اب ان اموال کی زکوٰۃ حاصل کرنے کی وجہ سے امت کو پریشانی اٹھانی پڑے گی اور اس کی تفتیش و تحقیق کی وجہ سے اہل ثروت کو زحمت پیش آئے گی تو انھوں نے (باقی صفحہ پر)

www.abulhasanalinadwi.org

نظام زکوٰۃ میں مسلم حکومتوں کی کوتاہی اور اس کا انجام

اسلامی خلافت (اپنے درجات کے تفاوت کے باوجود) اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ برابر تحصیل وصول کرتی رہی اور جیسا کہ امام ابو یوسفؒ کی کتاب "الخراج" نیز حکومت کے ذرائع آمدنی اور مالیات پر جو کتابیں مختلف زمانوں میں لکھی گئیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت عباسیہ کے آخری دور تک یہ صورت برقرار رہی، بالآخر یہ شرعی حکم ان مسلم حکومتوں میں بالکل ختم ہو گیا جو شرعی نظام کی پوری طرح پابند نہ تھیں اور جن کو اخلاقی ضابطوں، اجتماعی خصائص اور مالی سیاست میں خلافت نبوت کا وارث کہنا مشکل ہے، اس کے نتیجہ میں تمام اسلامی ملکوں میں سخت انتشار برپا ہوا، مسلمان شریعت اسلامی کی برکتوں سے محروم ہو گئے، اور اسی کی سزا ہے کہ آج ان کو ظالمانہ سرمایہ داری، پُر فریب سوشلزم اور انتہا پسندانہ اور غیر متوازن کمیونزم کا مزہ چکھنا پڑ رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ (سورۃ الم السجدۃ ۲۱)

اور ہم انھیں قریب کا عذاب بھی علاوہ اس بڑے عذاب کے چکھا کر رہیں گے شاید کہ یہ لوگ باز آجائیں۔

زکوٰۃ ہمدردی وغمخواری کی ادنیٰ حد ہے

اسلام نے جو زکوٰۃ مسلمانوں پر فرض کی ہے وہ ہمدردی وغمخواری اور حسن سلوک کی کم سے کم حد ہے، یہ ایسا

(باقی صفحہ ۱۹۹ کا) یہ حق خود ان کے سپرد کر دیا (البدائع والصنائع ج ۲ صفحہ ۳۵) علامہ ابن الہمام (م ۸۶۱ھ) لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں خلیفہ اس پر قائم رہے جب حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا اور لوگوں کا تغیر ظاہر ہونے لگا تو انھوں نے خیال کیا کہ لوگوں کے پوشیدہ مالوں کا خفیہ طریقوں سے پتہ لگانا مناسب نہیں اس لئے انھوں نے اس مال کی ادائیگی ان کے مالکین کے سپرد کر دی اور صحابہ نے بھی اس مسئلہ میں ان سے کوئی اختلاف نہیں کیا، اس کی حیثیت امام کے حق وصول کو باقاعدہ ساقط کر دینے اور گذشتہ حکم کو منسوخ کر دینے کی نہیں تھی (فتح القدیر ج ۱ صفحہ ۳۱۱)

www.abulhasanalinadwi.org

فریضہ ہے جس سے روگردانی اور فرار اللہ تعالیٰ کو کسی صورت میں منظور نہیں، اسلامی شریعت نے نہایت جزم اور سختی کے ساتھ اس کا مطالبہ کیا ہے، اور اس کو اسلامی شریعت، مسلمانوں کا شعار اور دین کے بنیادی ارکان میں سے ایک رکن قرار دیا ہے۔

فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ط (سورۂ توبہ۔۱۱)

لیکن اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز کے پابند ہوجائیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو وہ تمہارے بھائی ہوجائیں گے دین میں۔

جو اس کا منکر ہوگا یا اس کی ادائیگی سے جان بوجھ کر روگردانی کرے گا وہ اسلام کے دائرہ سے خارج اور جمہور امت سے علیحدہ سمجھا جائے گا، چنانچہ یہی وہ منکرین زکوٰۃ تھے جن سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں سب سے افضل ترین شخص حضرت ابوبکرؓ نے کھلے طریقہ پر قتال کیا تھا، اور اس قتال میں تمام صحابہ ان کے ساتھ تھے، اور اس اقدام پر ان سب کا اجماع تھا۔

مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل اور طرز زندگی، اپنے ذوق ورجحان، اپنی ترغیب و دعوت اور اپنے مخصوص اصحاب، اہلِ تعلق، اہل ہمت واصحاب عزیمت کے سامنے اپنے نصائح وارشادات اور ہدایات وتعلیمات میں صرف اسی حد پر اکتفا نہیں کی اور اس کو ہمدردی وخیر خواہی اور ادائیگی حقوق کی سب سے اعلیٰ مثال یا آخری شکل قرار نہیں دیا، آپؐ نے اپنے معجزانہ نبوی اسلوب اور ایک مختصر جملہ میں جس کے سامنے بڑے بڑے ادیبوں اور عالموں کی بلاغت وفصاحت ہیچ ہے، اس بات کو اس طرح ادا کیا کہ: "ان فی المال حقا سوی الزکوٰۃ" (بیشک مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے) ترمذی میں فاطمہ بنت قیس سے مروی ہے کہ "حضورؐ سے زکوٰۃ کے بارہ میں سوال کیا گیا یا فاطمہ بنت قیس نے خود پوچھا تو آپؐ نے فرمایا "ان فی المال حقا سوی الزکوٰۃ" اس کے بعد آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

www.abulhasanalinadwi.org

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ (سورۂ بقرہ - ۱۷۷)

طاعت یہ نہیں ہے کہ تم اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف پھیر لیا کرو بلکہ طاعت یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ اور قیامت کے دن اور فرشتوں اور کتاب اور پیغمبروں پر ایمان لائے اور اس کی محبت میں مال صرف کرے قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور راہ گیروں اور مانگنے والوں پر اور گردنوں کے آزاد کرنے میں اور نماز کی پابندی کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے اور اپنے وعدوں کو پورا کرنے والے جبکہ وعدہ کر چکے ہوں اور تنگی میں اور بیماری میں اور لڑائی کے وقت صبر کرنے والے یہی لوگ ہیں جو سچے اترے اور یہی لوگ تو متقی ہیں۔

زندگی اور مال کے بارے میں نبوی نقطۂ نظر

مال کے ساتھ آپؐ کا رویہ اور اپنے اہل بیت کے ساتھ آپؐ کا معاملہ (خاص طور پر یہ بات ملحوظ رکھتے ہوئے کہ آپؐ اس امت پر سب سے زیادہ شفیق اور اس کے سب سے زیادہ خیر خواہ تھے اور آپؐ ہی نے فرمایا تھا کہ خیرکم خیرکم لاھلہ وانا خیرکم لاھلی[1]) اس نبوی نقطۂ نظر کا پورا ترجمان تھا جس کی صحیح تصویر کے لئے لغت اور ادب کا بڑے سے بڑا ذخیرہ ناکافی ہے، بلکہ سخن پروری اور عبارت آرائی اس کے تقدس و پاکیزگی کے لئے ایک دھبہ یا داغ ہے وہ ایک ایسی ہستی کی بات ہے جس کے سامنے خدا کی عظمت و جلال ہر وقت عیاں تھا، اس کے اخلاق، اخلاق الٰہی کا نمونہ تھے اور یوم آخرت پر ہر وقت اس کی نظر رہتی تھی "یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ"[2]

[1] ترمذی اور دارمی میں یہ حدیث حضرت عائشہؓ سے مروی ہے اور ابن ماجہ نے حضرت عباسؓ سے روایت کی ہے [2] سورۂ شعراء ۸۸-۸۹

(جس دن نہ مال کام آئے گا نہ اولاد، مگر ہاں جو اللہ کے پاس پاک دل لے کر آئے) جس طرح مچھلی پانی کے لئے بے قرار رہتی ہے یا دن بھر کی تھکی ماندی چڑیا اپنے آشیانے کے لئے بیتاب ہوتی ہے اس سے زیادہ بیتابی و بے قراری اور شوق و انتظار اس کو آخرت کا رہتا تھا، اور اس کی زبان یوں گویا تھی "اللھم لاعیش الاعیش الآخرۃ"[1] وہ اس مال کو سمندر کے جھاگ، ہاتھ کے میل، یا خزف ریزوں اور کنکریوں سے زیادہ وقعت نہیں دیتا تھا، ساری مخلوق اس کی نظر میں خدا کا کنبہ تھی، اور خود وہ اپنے کو یتیموں اور غریبوں کا والی سمجھتا تھا، دوسروں کے لئے عیش و آرام کا خواہشمند اور اپنے گھر والوں کے لئے فقر و فاقہ کا آرزومند، اس کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے

"اشبع یوما واجوع یوما"[2] ویقول "اللھم ارزق آل محمد قوتا"[3]

اس نے خدا کا پیغام جو اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سکون تھا، اپنی ازواج مطہرات کو صاف سنا دیا۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ	اے نبی آپ اپنی بیویوں سے فرما دیجئے کہ اگر تم دنیوی
الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ	زندگی اور اس کی بہار کو مقصود رکھتی ہو تو آؤ میں تمہیں
وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۝ وَإِنْ كُنْتُنَّ	کچھ متاع (دنیوی) دے دلا کر خوبی کے ساتھ رخصت
تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ	کر دوں اور اگر تم مقصود رکھتی ہو اللہ کو اور اس کے
فَإِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا	رسول کو اور عالم آخرت کو تو اللہ نے تم میں سے نیک
عَظِيمًا ۝ (سورۂ احزاب۔ ۲۸-۲۹)	کرداروں کے لئے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

آپ کی ازواج مطہرات نے پیغام خداوندی سنتے ہی ایک لمحہ توقف کے بغیر آپ کے ساتھ زندگی گزارنا پسند کیا اور اپنے باپ بھائی کے ہاں رہنے کو گوارا نہ کیا جہاں راحت و آسانی دامن پھیلائے ہوئے ان کی منتظر تھی۔

---

[1] بخاری ج ۲ ص ۹۴۹ [2] ترمذی نے ابوامامہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھ سے پوچھا کہ مکہ کی وادیوں کو سونا بنا دیا جائے؟ میں نے کہا نہیں میرے رب مجھے یہ اچھا لگتا ہے کہ ایک دن پیٹ بھر کے کھاؤں اور ایک دن بھوکا رہوں جب بھوکا ہوں تو آپ کو یاد کروں اور آپ کے سامنے گڑگڑاؤں جب پیٹ بھرا ہو تو آپ کا شکر ادا کروں اور حمد کروں۔" [3] بخاری ج ۲ ص ۹۵۷

www.abulhasanalinadwi.org

حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت کی زندگی

وہ زندگی کیا تھی جس کو آپ کی ازواج مطہرات نے اپنے لئے پسند کیا اور قابلِ ترجیح سمجھا حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنی موروثی صداقت اور وسیع تجربہ اور واقفیت کے ساتھ بیان کرتی ہیں:۔

ما شبع آل محمدؐ من خبز البُرّ ولقد کنا	رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت باجرہ کی
نمکث الشھر والشھرین، لا یوقد فی	روٹی سے بھی سیر نہیں ہوئے ہم ایک مہینہ دو دو مہینے
بیتنا نار، وما کان طعامنا الا التمر والماء	اس حالت میں گزارتے تھے کہ ہمارے گھر میں چولہا بھی
ولقد توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ	نہیں جلتا تھا اور ہماری غذا صرف کھجور اور پانی ہوتی تھی
وسلم وما فی بیتنا شئ یاکلہ ذوکبد	جس وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا
الا کسرۃ خبز من شعیر علی رف لی۔[1]	اس وقت ہمارے گھر میں ایک چیز بھی ایسی نہ تھی جس کو
	کوئی ذی حیات کھا سکتا، سوائے ایک روٹی کے
	ٹکڑے کے جو میرے سر دل پر رکھا ہوا تھا۔

"ایک مرتبہ حضرت عمرؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے دیکھا کہ آپ چٹائی پر تشریف رکھتے ہیں جس کے نشانات آپ کے جسم مبارک پر پڑ گئے ہیں، گھر کے چاروں طرف نگاہ دوڑائی تو دیوار سے لٹکا ہوا مشکیزہ، مٹھی بھر جو، اور ایک پرانی چٹائی کے سوا کچھ نظر نہ آیا، یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ رو دیئے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پوچھا عمر کیوں رو رہے ہو! حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ اے نبی اللہ میں کیوں نہ روؤں یہ چٹائی ہے جس کے نشانات آپ کے پہلو میں پڑ گئے ہیں ان خزانوں میں مجھے صرف یہی نظر آرہا ہے جو میں دیکھ رہا ہوں، جب کہ کسریٰ و قیصر پھلوں اور نہروں میں ہیں، حالانکہ آپ اللہ کے نبی ہیں، حضور نے یہ سن کر ارشاد فرمایا کہ ابن الخطاب! کیا تم شک میں مبتلا ہو،

---

[1] بخاری و مسلم و دیگر کتب صحاح۔ رف۔ اس لکڑی کو کہتے ہیں جو دیوار میں لگا دی جاتی ہے اور اس پر سامان رکھتے ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

یہ وہ لوگ ہیں، جن کے لئے عیش و آرام کی ساری چیزیں یہیں دے دی گئی ہیں۔"[1]

فاضل مال سے انقباض اور کبیدگی

اپنی ضرورت سے زائد مال کو آپ تھوڑی دیر کے لئے بھی گھر میں رکھنا پسند نہ فرماتے تھے، اسی طرح صدقات کے مال جو عام مسلمانوں کی ملکیت ہے، ایک لمحہ کے لئے گھر میں رکھنے کے روادار نہ تھے، اور جب تک اس کو تقسیم نہ فرما دیتے تھے، آپ کو سکون حاصل نہ ہوتا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات کے زمانہ میں میرے پاس چھ یا سات دینار تھے، آپؐ نے مجھے حکم دیا کہ اس کو بانٹ دوں، حضورؐ کی تکلیف کی وجہ سے مجھے اس کا موقع نہ ملا، پھر آپؐ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ تم نے ان چھ سات دیناروں کے ساتھ کیا کیا؟ میں نے کہا میں آپؐ کی تکلیف کی وجہ سے ایسی مشغول ہوئی کہ خیال نہ رہا، آپؐ نے اس کو منگوایا، اور اپنے ہاتھ میں رکھا اور فرمایا کہ اللہ کے نبی کا کیا گمان ہوگا اگر وہ خدا سے اس حال میں ملے کہ..... اس کے پاس یہ ہو۔"[2]

آپ ان اموال کو ان کی مناسب جگہوں پر پہونچانے اور تقسیم کرنے میں بالکل تاخیر نہ کرتے اور نہ اس کو دوسرے وقت کے لئے ملتوی کرتے تھے، عقبہ بن الحارث کہتے ہیں کہ "میں نے مدینہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے عصر کی نماز پڑھی، آپؐ نے سلام پھیرا اور بہت پھرتی کے ساتھ لوگوں کو پھلانگتے ہوئے ازواج مطہرات میں سے کسی کے حجرہ میں تشریف لے گئے، لوگ آپؐ کی عجلت کی وجہ سے بہت گھبرائے پھر وہاں سے باہر آئے اور آپؐ نے محسوس کیا کہ لوگوں کو اس سرعت کی وجہ سے بڑی حیرت ہے، آپؐ نے فرمایا کہ مجھے یاد آیا کہ میرے گھر میں کچھ سونا رکھا ہوا ہے، مجھے اچھا نہ معلوم ہوا کہ رات اس حالت میں گزاروں کہ وہ میرے پاس رہے۔"

---

[1] بخاری، مسند ابن حنبل، سنن ابن ماجہ سب میں یہ حدیث موجود ہے اور سب کے الفاظ ملتے جلتے ہیں۔ [2] مسند احمد۔

www.abulhasanalinadwi.org

ضرورت سے زائد مال کو صدقہ و خیرات کرنے کی ترغیب

آپؐ نے اپنے اصحاب کرام اور اپنی پوری امت کی اسی اخلاق اور اسی سیرت پر تربیت فرمائی، اور مال خرچ کرنے کی ترغیب میں ایسی مؤثر نصیحتیں اور وصیتیں فرمائیں جن کو پڑھ کر ایسا خیال ہونے لگتا ہے کہ فاضل مال میں شائد آدمی کا کوئی حق ہی نہیں، ان احادیث کو پڑھنے کے بعد ایک انسان جب اپنی زندگی کا جائزہ لیتا ہے اور اس آرام و آسائش اور کشادگی و سہولت کو دیکھتا ہے تو اس کو بڑی دشواری محسوس ہوتی ہے، اس کو ہر چیز ضرورت سے زائد اور فاضل محسوس ہونے لگتی ہے، اور یہ خوبصورت پوشاکیں انواع و اقسام کے کھانے آرام دہ سواریاں اور وسائل زندگی کی فراوانی اس کو غلط اور ناجائز نظر آتی ہے حالانکہ یہ صرف ترغیب کے دائرہ کی بات ہے، حکم شرعی اور قانون کی نہیں، لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا اسوہ یہی تھا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ	رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود ہے تمہارے لئے
لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ	یعنی اس کے لئے جو ڈرتا ہو اللہ اور روز آخرت سے
اللّٰهَ كَثِيرًا ۝ (سورۂ احزاب۔۲۱)	اور ذکر الٰہی کثرت سے کرتا ہو۔

صحیح حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ "جس کے پاس ایک سواری زائد ہو تو جس کے پاس ایک بھی سواری نہ ہو اس کو دے دے، جس کے پاس ایک ناشتہ زائد ہو اس کو دے دے جس کے پاس ناشتہ نہ ہو"[۱]

آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ "جس کے پاس دو کا کھانا ہو تو وہ تیسرے کو بھی کھانا کھلائے اور جس کے پاس تین کا کھانا ہو وہ چوتھے کو شریک کرے"[۲]

آپؐ نے فرمایا "مجھ پر ایمان نہیں لایا وہ شخص جو رات بھر پیٹ بھر کر سوتا رہا اور اس کا پڑوسی بھوکا رہا حالانکہ اس کو اس بات کی خبر تھی"[۳]

---

[۱] ابوداؤد روایت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ [۲] ترمذی [۳] طبرانی فی الاوسط۔

www.abulhasanalinadwi.org

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ "ایک آدمی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ یا رسول اللہ مجھے کپڑا پہنایئے، آپؐ نے اس سے کہا کہ کیا تمہارا کوئی ایسا پڑوسی نہیں ہے جس کے پاس دو جوڑے زائد ہوں، اس نے عرض کیا ایک سے زیادہ ہیں، آپؐ نے فرمایا پھر اللہ تعالیٰ جنت میں اس کو اور تم کو جمع نہ کرے[1]"

اسلام کی نظر میں انسان کی قیمت اور غمخواری کی اہمیت

آپؐ نے انسان کا مرتبہ اور اس کی حاجت برآری و غمخواری کی قیمت اور اہمیت اتنی زیادہ بلند کی کہ اس سے بلند کسی اور معیار کا تصور ہی ناممکن ہے، اس میں کوتاہی کرنے والا ایسا ہے جس طرح خاص خدا کی نافرمانی اور کوتاہی کرنے والا، مشہور حدیث قدسی ہے کہ "اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اپنے بندہ سے فرمائیں گے کہ میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہیں کی، وہ کہے گا کہ اے رب میں کیسے آپ کی عیادت کرتا آپ تو رب العالمین ہیں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تجھ کو معلوم نہیں تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہے لیکن تو نے اس کی عیادت نہیں کی، اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا، اے ابن آدم میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو تو نے مجھے کھانا نہیں دیا، وہ کہے گا اے رب میں کیسے آپ کو کھانا دیتا آپ تو رب العالمین ہیں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تجھ کو خبر نہیں کہ میرے فلاں بندہ نے تجھ سے کھانا مانگا اور تو نے اس کو کھانا نہیں دیا، اگر تو اس کو کھانا کھلاتا تو وہ کھانا میرے پاس پہونچتا، اے ابن آدم میں نے تجھ سے پانی مانگا تو نے مجھے پانی نہیں پلایا، وہ کہے گا کہ اے رب میں آپ کو کیسے پانی پلاتا، آپ تو رب العالمین ہیں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے فلاں بندہ نے تجھ سے پانی مانگا لیکن تو نے اس کو پانی نہیں پلایا اگر تو اس کو پانی پلا دیتا تو اس کو میرے پاس پاتا[2]"

اس کی انتہا یہ تھی، اور غمخواری و احسان، اور عدل و انصاف کی اس سے بڑھ کر کوئی بات نہیں ہو سکتی کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ "لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ[3]" (تم میں سے کوئی

---

[1] طبرانی فی الاوسط۔ [2] مسلم۔ [3] بخاری۔

www.abulhasanalinadwi.org

اس وقت تک "کامل" مسلمان نہیں ہوگا جب تک کہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہی نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہے۔)

صحابۂ کرام کی زندگی پر اسوۂ رسولؐ کا پرتو

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت نے صحابہ کرام کی زندگی، ان کے ازواج و رجحانات اور اپنے گھر والوں اور اپنے مال کے ساتھ ان کے رویہ پر بھرپور اور گہرا اثر ڈالا اور یہ روح ان کے رگ و ریشہ، ان کے اخلاق اور ان کی عقلیت میں اس طرح جاری و ساری ہوگئی کہ ان کی زندگی بڑی حد تک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی تصویر یا عکس بن گئی، جو آپؐ سے زیادہ قریب تھا، وہ قدرتی طور پر آپؐ سے زیادہ مشابہ تھا، تاریخ نے ان کے زہد و تورع، غمخواری و حاجت برآری، قناعت پسندی، سادگی و جفاکشی اور ایثار و قربانی کے جو واقعات اور کارنامے محفوظ کر دیئے ہیں، وہ اخلاق و مذاہب کی تاریخ میں سب سے اوپر اور سب سے زیادہ روشن نظر آتے ہیں، اور دنیا کی کوئی قوم اس کے قریب تک نہیں پہونچ سکی ہے۔

خلفاء راشدینؓ، صحابہؓ اور اہل بیت رسولؐ کا طرز زندگی

تاریخ کی مشہور روایت ہے کہ خلیفۃ المسلمین حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اہلیہ کو ایک مرتبہ حلوہ کی خواہش ہوئی، انھوں نے اپنے روزینہ میں سے تھوڑا تھوڑا بچا کر ایک رقم اس کے لئے جمع کر لی، جب حضرت ابوبکرؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے یہ چند درہم بھی بیت المال میں داخل کر دیئے اور جتنی رقم وہ حلوہ کے لئے بچا لیتی تھیں اس کو یہ کہہ کر روزینہ میں سے کم کر دیا کہ تجربہ سے معلوم ہوا کہ اس کے بغیر بھی کام چل سکتا ہے۔

حضرت عمرؓ کا زہد و مجاہدہ اور سادہ زندگی تاریخ میں ضرب المثل بن چکی ہے، اس سلسلہ میں "جابیہ" کی طرف ان کے ایک سفر کا ذکر کافی ہے، جو انھوں نے خلیفہ اور امیر المومنین کی حیثیت سے کیا تھا، مورخ کے قلم نے اس کی اس طرح تصویر کھینچی ہے "وہ ایک اونٹ پر سوار تھے، ان کا سر دھوپ میں چمک رہا تھا، نہ سر پر ٹوپی تھی،

www.abulhasanalinadwi.org

نہ عمامہ، ان کے دونوں پاؤں کجاوے کے دونوں کونوں کے درمیان ٹکرا رہے تھے، نیچے صرف ایک ادنیٰ انجانی گدا تھا، جب اونٹ سے اترتے تھے تو وہی ان کا بستر ہوتا تھا، جب سوار ہوتے تھے تو وہی کجاوہ کا کام دیتا تھا، ایک تھیلا تھا جس میں روئی بھری ہوئی تھی، سفر کرتے تو اس سے تھیلے کا کام لیتے، اترتے تو تکیہ کے طور پر استعمال کرتے ان کی قمیص گزی گاڑھے کی تھی جو پرانی بھی تھی، اور ایک طرف سے پھٹ بھی گئی تھی"[1]

حضرت عثمانؓ جو اپنے ساتھیوں میں سب سے زیادہ مالدار اور آسودہ حال تھے، ان کے متعلق شرحبیل بن مسلم کہتے ہیں کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ دوسروں کی ضیافت تو امیرانہ انداز میں کرتے تھے لیکن خود اپنے گھر جا کر صرف روٹی اور تیل تناول فرماتے تھے، حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ (جن کا شمار مخصوص زہاد صحابہ میں ہے) کی زاہدانہ زندگی کی تصویر ضرار بن ضمرہ اس طرح کھینچتے ہیں:۔

"دنیا اور اس کی زینت و آرائش سے متوحش و بیزار، اور رات کی تاریکی سے مانوس تھے، بہت رونے والے، اور بہت سوچنے والے، اپنا ہاتھ پلٹتے تھے، اور اپنے نفس سے مخاطب ہوتے تھے، لباس معمولی اور کھانا موٹا جھوٹا ہوتا تھا، خدا کی قسم وہ ہم ہی میں سے ایک معلوم ہوتے تھے، ہم کچھ پوچھتے تھے تو فوراً جواب دیتے تھے، ہم ملنے آتے تو بات کی ابتدا خود ہی کرتے، ہم بلاتے تو دعوت قبول کرتے"[2]

اسوۂ رسولؐ کا یہ عکس اور جمال نبوی کا یہ پرتو آپؐ کی صحبت و تربیت کے اعتبار سے تھا، چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہؓ کا مرتبہ (جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی سب سے محبوب بیوی تھیں) زہد و ایثار اور جود و عطا میں بہت بلند ہے، مورخین بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے ایک مرتبہ ایک لاکھ درہم صدقہ کئے، حالانکہ ان کے پاس صرف ایک پھٹی پرانی پوشاک تھی، اور وہ روزہ سے تھیں، ان کی خادمہ نے عرض کیا کہ اگر آپ افطار کرنے کے لئے کچھ بچا لیتیں تو اچھا تھا، جواب دیا کہ اگر اس وقت یاد دلاتیں تو میں ایسا ہی کرتی، انھوں نے بھوک کی حالت میں ایک لاکھ صدقہ کر دیئے اپنے کو بھول گئیں اور دوسروں کو یاد رکھا"[3]

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۶۰/۵۹ [2] صفوۃ الصفوہ (ابن جوزی) [3] المستدرک للحاکم۔

www.abulhasanalinadwi.org

اولین اسلامی معاشرہ میں غمخواری وایثار کی مثالیں

یہ اخلاق اور روح اولین اسلامی معاشرہ میں اس طرح سرایت کر گئی تھی کہ سب صحابہ ایک سانچہ میں ڈھلے ہوئے معلوم ہوتے تھے، اور قربانی ان کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی، ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم پر ایک ایسا زمانہ گزرا ہے کہ کوئی شخص اپنے کو مسلمان بھائی سے زیادہ اپنے دینار و درہم کا مستحق نہیں سمجھتا تھا[1]، اس کے نتیجہ میں ایسے عجیب و غریب واقعات پیش آئے جنھوں نے غمخواری کی حدوں کو مساوات و برابری سے ملا دیا اور حسن جوار کو ایثار کے بلند سے بلند مقام تک پہونچا دیا، یہی ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی کو ایک مرتبہ ایک بکری کی سری ہدیۃً ملی، انھوں نے یہ سوچ کر کہ فلاں شخص مجھ سے زیادہ حاجتمند ہے اس کو وہاں بھیج دیا، اس نے یہی بات سوچ کر اس کو تیسرے کے پاس بھیج دیا، اسی طرح یہ سری ایک سے دوسرے کے پاس جاتی رہی اور سات گھروں کا چکر کرنے کے بعد انہی صحابی کے پاس واپس پہونچ گئی"[2]

زہد و قربانی کے سلسلہ میں یہ لطافت حس اور باریک بینی، ہمدردی و دلجوئی کا عشق اور مدد کرنے کا جذبہ اور شوق جو بعد کی نسلوں میں منتقل ہوا اس میں تابعین کا حصہ قدرتی طور پر سب سے زیادہ تھا۔

سید التابعین حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ "مسلمانوں کا حال یہ تھا کہ جب صبح ہوتی تھی تو ایک آدمی یہ آواز لگاتا تھا "گھر والو اپنے یتیم کی خبر لو، اپنے مسکین کی خبر لو"[3]

خاص طور پر بنی ہاشم اور اہل بیت کے بزرگ اس میدان میں بہت آگے تھے، اور صدق و اخلاص کے ساتھ اس راستہ پر گامزن تھے، امام حسنؓ اور عبداللہ بن جعفرؓ کے جود و سخا اور دلداری و کرم گستری کے سلسلہ کے بکثرت واقعات مورخین نے قلمبند کئے ہیں، علی بن حسینؒ بن علی رضی اللہ عنہ (زین العابدین) کو

---

[1] بخاری (الادب المفرد) [2] احیاء العلوم ج ۲ ص ۱۷۴ [3] الادب المفرد للبخاری

www.abulhasanalinadwi.org

آباء واجداد سے ان فضائل و مناقب میں مرتبۂ سبقت و فضیلت حاصل تھا، محمد بن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ "مدینہ میں بکثرت ایسے آدمی تھے، جن کو یہ نہ معلوم تھا کہ وہ کیسے زندگی گزار رہے ہیں اور ان کا رزق کہاں سے آتا ہے، جب علی بن حسینؒ کی وفات ہوئی تو یہ سلسلہ بند ہو گیا، اس وقت ان کو معلوم ہوا کہ وہی تھے، جو راتوں کو چھپ چھپ کر ان کے پاس سامان پہونچاتے تھے، ان کی وفات کے بعد دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ ان کی پیٹھ اور شانہ پر بیواؤں اور مسکینوں کے ہاں بورے پہونچانے کی وجہ سے نشان پڑ گئے ہیں"[1]۔

ایثار و ہمدردی کے جستہ جستہ واقعات

اسلامی نسلوں نے ذوقِ رفیع، احساس لطیف، اور نفس کے احتساب کے اس قیمتی ورثہ کی برابر حفاظت کی، راسخین فی العلم علماءِ حق اور اہلِ تربیت و اصلاح ہر ملک اور ہر زمانہ میں اس طرزِ زندگی اور اس ذوق کی مکمل نمائندگی کرتے رہے، ان کے حیرت انگیز واقعات کارناموں اور قربانیوں کے تذکرہ سے تاریخ و تراجم کی کتابیں بھری ہوئی ہیں، ان مایۂ ناز مورخین کے جمع کردہ واقعات سے زیادہ محیر العقول اور عجیب واقعات وہ ہیں، جو بہت سی کتابوں میں ملتے ہیں، جو اس موضوع سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں اور جن کے متعلق یہ خیال بھی نہیں ہوتا کہ اس میں یہ چیزیں مل سکیں گی۔

ان حق پرست اور اہلِ دل علماء و شیوخ کا اصول و شعار ہمیشہ یہ رہا کہ رات تک ان کے ہاں روپیہ باقی نہ بچے، اپنی ضرورت کو ملتوی کر کے وہ دوسروں کی ضرورت پوری کریں، ان کے پاس جو تحفے اور ہدایا امراء اور اغنیاء کی طرف سے آئیں وہ شہر کے ان غرباء اور اہلِ حاجت کے لئے وقت کر دیں جو اس سے محروم ہیں، اور ناقابلِ اعتناء سمجھ لئے گئے ہیں، ان کا مسلک اور اصول یہ تھا "تؤخذ من اغنیائھم وترد علی فقرائھم" (ان کے امراء سے لیا جائے اور غربا کو دیا جائے) ان کا دسترخوان ان کے

---

[1] یہ واقعات زیادہ تر ہمارے دوست ڈاکٹر مصطفےٰ سباعیؒ کی کتاب "اشتراکیۃ الاسلام" سے ماخوذ ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

دل کی طرح امراء و اغنیاء کے دستر خوان سے زیادہ کشادہ، وسیع اور عمومی تھا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے (جو اس پورے طبقۂ اصفیاء کے سرگروہ و سرخیل ہیں) منقول ہے کہ ایک مرتبہ انھوں نے اپنے متعلق فرمایا کہ "میری ہتھیلی میں سوراخ ہے، اس میں کوئی چیز نہیں ٹھہرتی، اگر ایک ہزار دینار بھی میرے پاس آئیں تو رات آنے سے پہلے ختم ہو جائیں"[1] ایک مرتبہ فرمایا کہ "میری خواہش ہے کہ پوری دنیا میرے ہاتھ میں دے دی جائے اور میں بھوکوں کو کھلاتا رہوں"[2]

عالم اسلام کے وسیع رقبہ اور اس کے دور دراز گوشوں اور کناروں میں سے کوئی کنارہ اور گوشہ ایسا باقی نہ تھا، جہاں اس قسم کے لوگ نہ پائے جاتے ہوں، ان سب علاقوں میں سے کسی کا حصہ بھی کم نہ تھا، ان مخلص و ربانی علماء و مشائخ اور اہلِ دل کے حالاتِ زندگی، زہد و ایثار، ہمدردی و دلداری، اخوت، بذل و عطا، سخاوت و فیاضی سے عشق، اور حاجت براری کے شوق اور خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کو آرام پہونچانے کے ذوق کے واقعات سے بھرے ہوئے ہیں، ہم ان نمونوں میں سے یہاں صرف دو نمونے پیش کر رہے ہیں، جو اس طبقہ کی زندگی میں اس طرح یکسانیت اور تسلسل کے ساتھ پائے جاتے ہیں جس طرح کسی درخت کے پتوں میں یکسانیت ہوتی ہے، یہ سب شجر نبوت کے برگ و بار ہیں، اور اس "اصل" سے نکلے ہیں، جس کے متعلق قرآن مجید کا ارشاد ہے:-

اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۝ تُؤْتِيْٓ	جس کی جڑ (خوب) مضبوط ہے اور اس کی شاخیں
اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۝	(خوب) اونچائی میں جا رہی ہیں، وہ اپنا پھل
(سورۂ ابراہیم ۲۴-۲۵)	ہر فصل میں اپنے پروردگار کے حکم سے دیتا رہتا ہے۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے متعلق ان کے خادم شہادت دیتے ہیں کہ سحری جس میں ہر قسم کی چیزیں ہوتیں سامنے رکھتا، آپ اس میں سے بہت کم تناول فرماتے، باقی کے لئے ارشاد ہوتا کہ

---

[1] قلائد الجواہر ص۱ [2] ایضاً

www.abulhasanalinadwi.org

بچوں کے لئے حفاظت سے رکھ لو خواجہ عبدالرحیم جن کے ذمہ سحر کا لے جانا تھا بیان کرتے ہیں کہ اکثر ہوتا کہ حضرت خواجہ سحری میں سے کچھ نہ کھاتے، میں عرض کرتا کہ حضرت والا افطار کے وقت بھی بہت کم کھاتے ہیں اگر سحری بھی کچھ نہ کریں گے تو ضعف بہت بڑھ جائے گا اس پر گریہ فرماتے اور کہتے کہ کتنے غریب اور بیکس مسجدوں کے کونوں اور چبوتروں پر بھوکے پڑے ہوتے ہیں اور فاقہ سے رات گزار دیتے ہیں، یہ کھانا میرے حلق سے کیسے اتر سکتا ہے، چنانچہ اکثر ایسا ہوتا کہ سحری میں جیسی لاتا ویسی ہی اٹھا کر لے جاتا۔

جب وفات کا وقت قریب ہوا تو تمام خدام و مریدین کو جو حاضر تھے طلب فرمایا اور ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم گواہ رہنا کہ اگر اقبال (خادم) نے کوئی چیز بھی گھر میں جنس سے بچالی ہے تو کل روزِ قیامت اس کو خدا کے سامنے جواب دینا ہوگا، اقبال (خادم) نے عرض کیا کہ میں نے کچھ نہیں چھوڑا ہے، سب آپ پر صدقہ کر دیا ہے، اور واقعی اس جوانمرد نے ایسا ہی کیا تھا سوائے اس غلہ کے جو چند دن کے لئے فقرائے خانقاہ کو کفایت کرتا سب کو تقسیم کر دیا تھا، سید حسین کرمانی نے اطلاع دی کہ غلہ کے سوا ہر چیز محتاجوں کو پہونچ گئی، سلطان المشائخ اقبال سے ناراض ہوئے ان کو طلب کیا اور فرمایا کہ اس مرداریت کو کیوں رکھ چھوڑا ہے؟ اقبال نے عرض کیا کہ غلہ کے سوا جو کچھ موجود تھا سب کچھ تقسیم ہو گیا ہے، آپ نے فرمایا کہ خلقت کو بلاؤ، جب لوگ حاضر ہوئے تو فرمایا کہ غلہ کے انبار خانے توڑ ڈالو، اور تمام غلہ بے تکلف اٹھالے جاؤ اور وہاں جھاڑو دے دو، ذرا سی دیر میں خلقت جمع ہو گئی اور اس نے غلہ کو لوٹ لیا۔[1]

اس طرز زندگی کا دوسرا نمونہ بارہویں صدی کے ایک بزرگ سید محمد سعید ابنا لوی[2] کی سیرت سے پیش کرتے ہیں، سیرت نگار لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ نواب روشن الدولہ ان کی زیارت کو

---

[1] سیر الاولیاء [2] معروف بہ سید میراں بھیک، آپ حضرت شاہ ابو المعالی انبیٹھوی کے خلیفہ تھے (م ۱۱۳۱ھ)

سوانح کے لئے ملاحظہ ہو "نزہۃ الخواطر" ج ۶

www.abulhasanalinadwi.org

حاضر ہوئے اور خانقاہ کی تعمیر کے لئے ۶۰ ہزار روپیہ (جس کی قیمت آج کل لاکھوں سے کم نہ ہوگی) ان کی خدمت میں پیش کیا، شیخ نے ان سے کہا کہ روپیہ کسی جگہ چھوڑ دیں اور آرام کریں، جب روشن الدولہ واپس ہوئے تو آپ نے شہر اور قریب کے گاؤں اور قصبات کے تمام فقراء اہلِ حاجت اور یتیموں و بیواؤں کو دعوت عام دے دی اور ایک پیسہ بھی اپنے لئے نہ رکھا، جب روشن الدولہ سے دوبارہ ملاقات ہوئی تو آپ نے ان سے کہا کہ عمارت کی تعمیر میں وہ ثواب نہیں جو اہلِ حاجت و فقراء کی خدمت میں ہے۔

ایک مرتبہ شاہ فرخ سیر نواب روشن الدولہ اور نواب عبداللہ خاں کے خطوط اور اس کے ساتھ تین لاکھ روپیہ کی رقم پہونچی، آپ نے سب قصبات و دیہات کے شرفاء و اہلِ حاجت میں تقسیم کر دی[1]۔

کہا جاسکتا ہے کہ یہ تو اس طبقۂ زہاد کا حال ہے جو دنیا اور اسباب دنیا سے پہلے ہی کنارہ کش ہو چکا ہے اور اس کو مخلوق سے کوئی واسطہ اور زندگی کے دھارے سے کوئی تعلق نہیں ہے، دیکھنے کی بات یہ ہے کہ زہد و ایثار اور استغنا و بے نیازی کی یہ مثالیں امت کے دوسرے طبقوں میں بھی ملتی ہیں یا نہیں، تاریخ پورے اعتماد کے ساتھ اس کا جواب اثبات میں دیتی ہے، اس لئے کہ ہر اسلامی نسل، ہر اسلامی معاشرہ اور اسلامی ماحول و ہر اسلامی دور میں ایسے لوگ ہمیں ملتے ہیں، جو ان چیزوں میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عامل اور اپنی زندگی، اپنے مال، اہل و عیال یہاں تک کہ اپنے پڑوسیوں اور ہم وطنوں کے ساتھ معاملہ میں اسی اخلاق نبوی کے حامل ہیں، تاریخ نے ان کے چیستہ چستہ واقعات ہمارے لئے محفوظ کر دیئے ہیں، اور ان میں سلاطین و امراء، علماء و صلحاء سب شامل ہیں، ہم اس موقع پر صرف دو طبقوں کا ذکر کرتے ہیں، ایک اہل علم کا طبقہ اور دوسرا سلاطین و فاتحین کا۔

علماء اسلام کی شرف نمائندگی کے لئے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا نام سب سے زیادہ موزوں ہے، اس لئے کہ عام طور پر وہ لوگ جو ان سے ناواقف ہیں ان پر خشکی و بے روحی کا الزام لگاتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا علم اور ان کی عقل ان کے دل اور جذبات پر حاوی ہے، ان کے معاصر حافظ ابن فضل اللہ العمری لکھتے ہیں کہ

---

[1] نظام تعلیم و تربیت ج ۔ ۲ مناظر احسن گیلانی۔

"ان کے پاس سونے چاندی اور مال واسباب کے ڈھیر آتے اور وہ سب کو تقسیم کر دیتے اور دامن جھاڑ کر اٹھ جاتے، اگر کسی چیز کو رکھتے بھی تو اس نیت سے کہ کسی کو دینا ہے"۔

ان کی داد و دہش اور جود و سخا کا یہ حال تھا کہ بعض وقت اپنے کپڑے تک اتار کر سائل کو دیدیتے تھے، حافظ ابن فضل اللہ لکھتے ہیں" وہ بکثرت صدقہ وخیرات کرتے اور جب کوئی چیز دینے کو نہ بچتی تو بعض وقت اپنے کپڑے تک اتار کر اہل حاجت اور فقراء کو دے دیتے"۔

سلاطین وفاتحین کی نمائندگی کا حق سلطان صلاح الدین ایوبی سے زیادہ اور کس کو پہونچتا ہے، وہ اپنے عہد کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کے فرماں روا تھے، اور اپنے زمانہ کی سب سے بڑی فوجی طاقت کو انھوں نے شکست دی، ان کے رفیق ابن شداد شہادت دیتے ہیں کہ "سلطان نے اپنے ترکہ میں صرف ۴۷ درہم اور ایک سونے کا سکہ چھوڑا، باقی کوئی جائداد ملکیت نہیں چھوڑی"۔

یہ عظیم فاتح اور فرماں روا جو ایشیا میں شام کے شمالی حدود سے لے کر افریقہ کے صحراء نوبہ کے جنوب تک سارے علاقہ کا حکمراں تھا، دنیا سے اس حال میں رخصت ہوا کہ اس کے پاس اتنی رقم بھی نہ تھی جس سے اس کی تجہیز وتکفین کا سامان کیا جاسکے، ابن شداد لکھتے ہیں:۔

"ان کی تجہیز وتکفین میں ایک پیسے بھی ان کی میراث سے صرف نہیں ہوا سارا سامان قرض سے کیا گیا، یہاں تک کہ قبر کے لئے گھانس کے پولے بھی قرض سے آئے، کفن کا انتظام ان کے وزیر و کاتب قاضی فاضل نے کسی جائز وحلال ذریعہ سے کیا"۔

یہ کسی ایک نسل یا فکری وروحانی مکاتب خیال میں سے کسی ایک مکتب خیال کا ذکر نہیں ہے بلکہ تمام علماء ربانیین اور شیوخ کاملین کا ہر زمانہ میں یہی حال رہا، ان کا اصول یہ تھا کہ "نیا دن، نیا رزق" وہ نہ کچھ جمع کرتے تھے، نہ خرچ ہونے اور ختم ہوجانے کے ڈر سے بخل سے کام لیتے تھے، یہ کسی عہد رفتہ کی کہانی نہیں بلکہ اس زمانہ میں بھی ایسے علماء ومشائخ موجود ہیں، جو یہ پسند نہیں کرتے کہ ضرورت سے زائد کوئی چیز جس کے اللہ کے دوسرے بندے حاجتمند

www.abulhasanalinadwi.org

ہوں ان کے پاس باقی رہے یا رات اس حال میں گزرے کہ ان کے پاس فاضل روپیہ ہو یہ بات رہبانیت اور دنیا سے کنارہ کشی کی وجہ سے نہیں ہے، نہ اس کی پشت پر خدا کے قانون میں دخل اندازی یا خدا کی آسان کردہ چیزوں میں تشدد پسندی یا اس کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام قرار دینے کا جذبہ ہے، نہ انھوں نے مجبوری کی وجہ سے اس طرزِ زندگی کو اختیار کیا ہے، بلکہ ان کے پیش نظر صرف محاسبہ کا خوف، خلق خدا پر شفقت، سنتِ رسول کی پیروی، جود و عطا، ایثار و قربانی اور تمام اعمال صالحہ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اقتداء اور عملی مثالوں اور زندہ نمونوں کے ذریعہ ان کاموں کی خاموش ترغیب ہے، ان کے اس طرز عمل کا ان کے مریدین واہلِ تعلق پر بہت گہرا اثر پڑتا تھا، اور ان میں ان کے نقش قدم پر چلنے کا داعیہ اور جذبہ پیدا ہو جاتا تھا۔

عہد آخر میں اسلامی معاشرہ کی مابہ الامتیاز خصوصیت

اسلامی سوسائٹی اپنے نقائص اور کمزوریوں اور متعدد بیماریوں کے باوجود جس کا مقابلہ مصلحین امت برابر کرتے رہے ہیں، اب بھی ہمدردی و غمخواری اور صدقہ و خیرات کے کاموں میں دوسری کسی سوسائٹی سے ممتاز اور فائق ہے، باہمی ہمدردی اور اعانت و غمخواری کا جذبہ اسلامی تعلیمات کی بدولت اس کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گیا ہے، وہ مادہ اور معدہ کی پرستش سے بہ نسبت دوسرے معاشروں کے سب سے زیادہ آزاد ہے، اس کے علاوہ اس میں ایسے افراد کی کمی نہیں جو مادہ پرستی کے خلاف علم بغاوت بلند کرتے رہتے ہیں، اور اس کو دین اسلام کی اخلاقی قدروں کے دائرۂ اثر میں لانا چاہتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس میں تجارتی رقابت، انفرادی اور شخصی انانیت، اور دولت پرستی کا تناسب ان سوسائٹیوں کے بہ نسبت جو اس زندگی کے بعد کسی اور زندگی کی قائل نہیں اور عیش و آرام کے سوا اپنی زندگی کا کوئی مقصد نہیں رکھتیں اور خیالی معاشی معیاروں کے پیچھے دیوانہ وار سرپٹ دوڑ رہی ہیں، بہت کم ہے[1]۔

---

[1] مصنف سے حجاز کے بعض معمر اور معتبر بزرگوں نے جو اشراف کے عہد کو دیکھ چکے تھے خود بیان کیا کہ مکہ کے (باقی صفحہ ۲۱۷ پر)

www.abulhasanalinadwi.org

یہ اسلامی معاشرہ کی موجودہ خامیوں اور کمزوریوں کے باوجود اس کا ایک خاص امتیاز ہے، اس کے سامنے اجتماعی انصاف اور اعلیٰ انسانی قدروں کے اختیار کے مواقع دنیا کی ہر سوسائٹی سے زیادہ ہیں، اور اس کا اصل سبب کسی نہ کسی درجہ میں اسلامی زندگی کا احترام اور اس ایمانی رشتہ کا وجود ہے، جس نے اس کے تمام اجزا کو ایک لڑی میں پرو دیا ہے۔

رضا کارانہ اور فطری جذبۂ ہمدردی یا جبری اور محدود نظریۂ مساوات؟

موجودہ زمانہ میں جو معاشی اور ترقی پسندانہ تحریکیں پیدا ہوئی ہیں ان کی قدر مشترک یہ ہے کہ وہ

(باقی صفحہ ۲۱۶ کا) تاجر اس زمانہ میں اپنے ہم پیشہ تاجروں کے ساتھ بڑی خیر خواہی اور تعاون کا معاملہ کرتے تھے، انھوں نے یہ قاعدہ بنایا کہ بعض تاجر ایسے تھے کہ شام کے وقت اگر کوئی خریدار ان کے پاس آتا اور وہ سمجھتے کہ جتنا حساب ایک دن کے لئے انھوں نے مقرر کیا تھا وہ پورا ہو چکا ہے اور اتنی بکری ہو گئی ہے جو ایک دن کے لئے کافی ہو جائے گی جبکہ ان کا پڑوسی تاجر اس دن زیادہ خوش قسمت ثابت نہیں ہوا ہے تو وہ بڑی نرمی سے اس خریدار سے کہتے کہ میرے بغل میں جو دکان ہے، یہ سامان آپ وہاں سے لے لیجئے کہ آج ان کے یہاں خریدار زیادہ نہیں آئے ہیں۔

محمد اسد صاحب نے ایک اور مشہور اسلامی شہر دمشق کی زندگی پر اسی سے ملتے جلتے تاثرات قلمبند کئے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ "یہاں پہونچ کر مجھے ان غریبوں کے اندرونی سکون و اطمینان یا قلبی طمانیت کا سراغ مل گیا، یہ دراصل اس معاشرت اور برتاؤ کا نتیجہ تھا جو وہ ایک دوسرے کے ساتھ کرتے تھے، اس کے بعد وہ اس معاشرت اور برتاؤ کی نشاندہی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "یہ اندرونی سکون و اطمینان اس طریقہ میں نظر آیا جس طریقہ سے دکاندار اپنے گاہکوں سے برتاؤ کرتے ہیں، یہ لوگ جن میں خوف اور حسد کا کوئی شائبہ ہی نہیں معلوم ہوتا تھا، اگر کسی دکاندار کو اپنی کسی ضرورت سے غیر حاضر رہنا پڑتا تو وہ اپنے پڑوسی یا اپنے ہم پیشہ قریبی دکاندار کی نگرانی میں بے تکلف اپنی دکان چھوڑ کر چلا جاتا، اکثر ایسا ہوتا کہ کوئی گاہک آتا اور دکان کو خالی پاکر سوچنے لگتا کہ لاؤ دوسری جگہ سے سودا خرید لیں اس وقت وہ دکاندار اپنی دکان چھوڑ کر آجاتا اور سودا بیچتا، اپنا سودا نہیں اپنے ساتھی کی دکان کا سودا اور قیمت اس کے کاؤنٹر پر رکھ دیتا، کیا یورپ میں بھی کبھی ایسی تجارت دیکھی گئی ہے!؟" (الطریق الی مکۃ ص ۱۶۷)

www.abulhasanalinadwi.org

انسان اور انسانیت پر کوئی بھروسہ نہیں رکھتیں، ان تحریکوں کے داعیوں اور حامیوں نے جبری اور محدود طرز کی مساوات کو انسان کے فطری، اندرونی اور رضا کارانہ جذبۂ ہمدردی و خیر خواہی پر ترجیح دی ہے، اور اس اہم حقیقت کو فراموش کر دیا ہے کہ صرف مال ہی انسان کی ضرورت نہیں، اور تنہا مال میں شرکت یا مساوات اس کے دل اور احساسات و جذبات کے خلا کو پر نہیں کر سکتی، اور نہ اس کے ہر زخم پر مرہم رکھ سکتی ہے، زندگی میں عام جذبۂ ہمدردی کی اس کو ذرائع آمدنی اور ذرائع پیداوار میں شرکت سے کہیں زیادہ ضرورت ہے، بعض اوقات ایک قطرۂ اشک جو کسی دُکھے ہوئے دل کا غماز ہوتا ہے، وہ کام کر جاتا ہے جو زر و جواہر اور لعل و گہر سے بھی نہیں ہوتا، ہر انسان کو اپنے بھائی کے تعاون کی ضرورت پڑتی ہے، اور وہ بھی اس کے تعاون کے محتاج ہوتے ہیں، دونوں ایک دوسرے کی تکلیفوں اور دکھوں میں ہاتھ بٹاتے ہیں، اس کو لطافتِ حس کی بھی ضرورت ہے اور نزاکتِ خیال کی بھی، دل کی گرمی، گرمجوشی، اور خندہ پیشانی کی بھی، خوش خلقی و خوش دلی اور بشاشت و انبساط کی بھی، اس کو پیش نظر رکھا جائے تو نظر آئے گا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ہدایت و تعلیم ہمدردی و غمخواری کی تمام قسموں اور اس کے باریک سے باریک اور نازک سے نازک گوشوں پر حاوی ہے، اور اس میں انسانی احساسات کی سب سے سچی اور اچھی تصویر پیش کی گئی ہے، خیر خواہی اور نیکی کے کاموں اور صدقہ کی قسموں کا ذکر کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا:۔

تعدل بین الاثنین صدقة وتعین	دو آدمیوں کے درمیان انصاف کرو تو یہ صدقہ ہے
الرجل فی دابته فتحمله علیها او ترفع	کسی کو سہارا دے کر سواری پر بٹھاؤ تو یہ بھی صدقہ ہے
له علیها متاعه صدقة والکلمة	اس کا سامان اٹھا کر اوپر رکھ دو یہ بھی صدقہ ہے
الطیبة صدقة وبکل خطوة تمشیها	اچھی بات کہنا بھی صدقہ ہے، نماز کی طرف ایک قدم
الی الصلوٰة صدقة وتمیط الاذی عن	اٹھانا بھی صدقہ ہے اور راستہ سے کوئی خراب اور
الطریق صدقة۔	تکلیف دینے والی چیز (اینٹ پتھر کانٹے وغیرہ)
(صحیحین)	ہٹا دینا بھی صدقہ ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ "مصیبت زدہ حاجت مند کی مدد کرے، دریافت کیا گیا کہ اگر ایسا نہ کرسکے فرمایا کہ اچھائی اور نیکی کا حکم دے، صحابہ کرام نے پوچھا کہ اگر یہ بھی نہ کرسکے آپ نے ارشاد فرمایا برائی سے باز رہے یہ بھی صدقہ ہے[۱]"

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ "اگر تم کسی کام کرنے والے کی مدد کردو یا کسی پھوہڑ[۲] کا کام بنادو تو یہ بھی صدقہ ہے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر اتنا کمزور ہو کہ اس طرح کے بعض کام نہ کرسکے، ارشاد ہوا، اپنے شر سے لوگوں کو بچاؤ تو یہ تمہارے نفس پر تمہارا صدقہ ہوگا[۳]"

ایک اور دوسری حدیث میں ہے کہ "اپنے بھائی سے مسکراتے ہوئے ملنا بھی صدقہ ہے، اچھائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا بھی صدقہ ہے، بھٹکے ہوئے آدمی کی رہنمائی کرنا اور راستہ بتانا بھی صدقہ ہے، جسے کم نظر آتا ہو اس کو اپنی نظر سے فائدہ پہونچانا بھی صدقہ ہے، راستہ سے پتھر، کانٹا، ہڈی ہٹادینا بھی صدقہ ہے، اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے ڈول میں پانی بھر دینا بھی صدقہ ہے[۴]"

انسان کی فطری ہمدردی پر جس کا سوتا دل کی گہرائیوں سے ابلتا ہے، اور زندگی کی رگوں اور معاشرہ کے تمام گوشوں میں خون کی طرح جوش مارتا ہے، برآمد کی ہوئی مساوات کو (جو طاقت کے بل پر نافذ کی جاتی ہے) ترجیح دینے کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کمیونسٹ اور سوشلسٹ ملکوں میں ایسا معاشرہ پیدا ہوگیا جو انسانی ہمدردی سے ناآشنا اور جذبۂ خیر خواہی سے محروم ہے، اس کے افراد اس طرح کے تاجر بن گئے ہیں، جو باہم دست و گریباں ہیں، نہ کوئی کسی پر بھروسہ کرتا ہے، نہ دوسرے کی خاطر اپنے حق سے کبھی دست بردار ہوسکتا ہے، ہر شخص ایک دوسرے کے خلاف جاسوسی میں مصروف ہے، اس کے خلاف جھوٹی خبریں اور جعلی دستاویزات تیار کرتا ہے، اس کی مصیبت و ابتلا پر خوش ہوتا اور اس کی ترقی و کامیابی پر غمگین ہوتا ہے، غرض کہ پورا ملک ایک ایسا میدان کارزار بن جاتا ہے، جہاں کسی کی جان محفوظ نہیں، یا کچہری و عدالت میں جہاں کسی کی آبرو کی ضمانت نہیں۔

اس صورتِ حال کا نتیجہ یہ ہے کہ لوگوں میں احساس ذمہ داری اور اپنے فرض کے صحیح طور پر بجا آوری

---

[۱] صحیحین [۲] جس کو اس کام کا سلیقہ نہ ہو [۳] صحیحین [۴] ایضاً

www.abulhasanalinadwi.org

کا جذبہ جس میں انسانی شرافت وعظمت کا راز پوشیدہ ہے بالکل مفقود ہو گیا ہے، وہ ہر پابندی وذمہ داری اور احساس فرض سے آزاد ہو کر بالکل چھٹے ہوئے آوارہ جانوروں کے مشابہ ہو گئے ہیں جن کو سوائے چرنے، جگہ جگہ منہ مارنے اور مسلسل کھاتے رہنے کے اور کوئی کام نہیں، ہر قسم کی ذمہ داری حکومتوں اور ان کی انتظامی مشنری اور ملک کے تعزیری قوانین پر ڈال دی گئی ہے، معاشرہ کے ساتھ ایک ایسے نابالغ بچہ کی طرح معاملہ کیا جاتا ہے جو عقل وتمیز سے بالکل محروم ہے، حکومت ہی سب کچھ لیتی دیتی ہے اور ہر شخص کی ضرورت پوری کرتی ہے اس لئے ہمدردی اور رحم دلی، سخاوت وایثار اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون قدرتی طور پر بے معنی الفاظ بن گئے ہیں، ہر شخص کے حقوق کی ضمانت اور ضروریات زندگی کی کفالت حکومت اپنے ذمہ رکھتی ہے اور لوگ گونگے بہرے مشینی پرزوں کی طرح اس کے اشارہ پر چلتے ہیں، اس لئے قدرتی طور پر ان میں سے کسی چیز کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

اس کے برخلاف قدرتی، فطری اور قلب انسانی کے اندر سے ابھرنے والی ہمدردی اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والا سکون واطمینان، باطنی سعادت، باہمی اعتماد اور محبت ومودت، امن واطمینان، روح کی لذت، ضمیر کی آسودگی، انسانیت پر ناز اور زندگی کے تابناک پہلو کو دیکھنے کا ولولہ، اپنے فرض وذمہ داری کا مکمل احساس اسلام کے اولین معاشرہ میں اپنی تمام گہرائیوں، بلندیوں اور رعنائیوں کے ساتھ موجود تھا، اور زندگی کے ہر شعبہ پر اس کی چھاپ تھی، لیکن انقلاب حال صرف اسی زمانہ تک محدود نہیں، جو انسانی معاشرہ جبری اور محدود مساوات کے مقابلہ میں اس جامع وفطری اور رضاکارانہ جذبۂ ہمدردی کو اپنا اصول اور نظام زندگی بنالے گا اس کے سب افراد باہم شیر وشکر اور ایک دوسرے کے خیر خواہ اور ہمدرد بن جائیں گے، سب ایک دوسرے کا کھلے دل سے اعتراف کریں گے اور فراخ دلی سے اس کے حق میں شہادت دیں گے، ہر نسل اپنی گذشتہ نسل کے لئے سبقت وفضیلت کی شہادت دے گی اور اس کے لئے قبولیت ومغفرت کی طلب گار اور دعا جو ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے متعلق ارشاد فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ	اور ان لوگوں کا (بھی حق ہے) جو ان کے بعد آئے
رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا	(اور وہ) یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار

www.abulhasanalinadwi.org

بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ — ہم کو بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان
اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝ — لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ
(سورۂ حشر۔۱۰) — نہ ہونے دے اے ہمارے پروردگار تو تو بڑا شفیق ہے بڑا مہربان ہے۔

یہ وہ اسلامی معاشرہ ہے جس کا ہر فرد اپنے بھائی کا آئینہ ہے جو ہر تہمت اور ہر الزام اور ہر نقص اور عیب سے اس کو بری دیکھنا چاہتا ہے، اور اس کے لئے وہی پسند کرتا ہے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے:۔

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ — جب تم لوگوں نے یہ (افواہ) سنی تھی تو کیوں نہ سب مسلمان
بِاَنْفُسِهِمْ خَیْرًا وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِیْنٌ ۝ — مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنوں کے حق میں نیک گمان
(سورۂ نور۔۱۲) — کیا اور (یہ کیوں نہ) کہہ دیا کہ یہ تو صریح طوفان بندی ہے

معاشرہ کی اس کیفیت کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بڑی بلیغ مثال سے بیان فرمایا ہے، آپ نے فرمایا کہ "مسلمانوں کی مثال اپنی مودت و ترحم اور شفقت میں ایک جسم واحد کی ہے اگر ایک عضو کو کوئی شکایت ہو جاتی ہے تو سارا جسم بخار اور بے خوابی کا شکار ہو جاتا ہے"[1]

یہ ایک ایسا معاشرہ ہے جس کا ہر رکن محافظ، دیانت دار، شریف اور امین، اور قابلِ بھروسہ ہے، حدیث میں ہے کہ "مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس کی خیانت کرتا ہے، نہ اس سے جھوٹ بولتا ہے، نہ اس کو رسوا کرتا اور بے یار و مددگار چھوڑتا ہے، مسلمان کی عزت، مال اور خون دوسرے مسلمان پر حرام ہے"[2]

اس کے برعکس بہت سے ملکوں میں زندگی عذاب جان اور جہنم کا نمونہ بن گئی ہے:۔

كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا — جس وقت بھی کوئی (نئی) جماعت (دوزخ میں) داخل
(سورۂ اعراف۔۳۸) — ہوگی اس کی ہم رنگ دوسری جماعت اس پر لعنت کرے گی۔

چنانچہ جب کوئی ڈکٹیٹر آتا ہے تو اپنے پیشرو کو لعنت کرتا اور اس پر غداری، ملک دشمنی اور خیانت کا

---

[1] صحیحین [2] ترمذی

www.abulhasanalinadwi.org

الزام لگانا اپنا فرض سمجھتا ہے، جس کو ایک دن کے لئے بھی اقتدار مل جاتا ہے، وہ اپنے دشمنوں، رقیبوں اور مخالفوں سے سخت سے سخت انتقام لینا چاہتا ہے، اور اس کے لئے ہر قسم کی سفاکی، ظلم و تشدد اور خوں ریزی جائز سمجھتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ	اور جب پیٹھ پھیر جاتا ہے تو اس دوڑ دھوپ میں رہتا
فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ	ہے کہ زمین پر فساد کرے اور کھیتی اور جانوروں کو تلف
لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝ (سورۂ بقرہ - ۲۰۵)	کرے درانحالیکہ اللہ فساد کو (بالکل) پسند نہیں کرتا۔

اب اگر کسی کو یہی پُرمشقت اور طویل راستہ اور تلخ و ناکام تجربہ پسند ہے تو اس کے لئے قرآن مجید کا یہ ارشاد کافی ہے :-

اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ	تو کیا جو چیز ادنیٰ ہے تم اسے لینا چاہتے ہو اس چیز
هُوَ خَيْرٌ ۭ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ	کے مقابلہ میں جو بہتر ہے (تو خیر) کسی شہر میں اتر پڑو
مَّا سَاَلْتُمْ ۭ (سورۂ بقرہ - ۶۱)	(وہیں) مل جائے گا جو کچھ تم مانگتے ہو۔

www.abulhasanalinadwi.org

روزہ

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جیسا کہ ان لوگوں پر فرض کئے گئے تھے جو تم سے قبل ہوئے ہیں عجب نہیں کہ تم متقی بن جاؤ۔ (سورۂ بقرہ۔۱۸۳)

www.abulhasanalinadwi.org

روزہ

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ	اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جیسا کہ
كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ	ان لوگوں پر فرض کئے گئے تھے جو تم سے قبل ہوئے
تَتَّقُونَ ۝ (سورۂ بقرہ - ۱۸۳)	ہیں، عجب نہیں کہ تم متقی بن جاؤ۔

نہ حیوان نہ فرشتے

انسان، حیوانات اور فرشتوں کی درمیانی مخلوق ہے، اس میں ان دونوں متضاد جنسوں کے طبائع بہت لطیف اور نازک طریقہ پر ودیعت کئے گئے ہیں، وہ ملکوتی صفات اور حیوانی خصوصیات کا عجیب وغریب مجموعہ ہے، جس منصب کے لئے وہ نامزد کیا گیا ہے، اور جن مقاصد کی تکمیل خدا کی طرف سے اس کے سپرد کی گئی ہے، اور اس میں اس کی استعداد اور صلاحیت بھی پیدا کی گئی ہے، اس کے لئے نہ فرشتے موزوں ہیں نہ جانور، یہ خلافت، امانت، اور عبادت کا منصبِ جلیل ہے جس کو قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:-

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ	اور (وہ وقت یاد کرو) جب تیرے پروردگار نے
فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا	فرشتوں سے کہا میں زمین پر اپنا نائب بنانا چاہتا ہوں

www.abulhasanalinadwi.org

مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (سورۂ بقرہ - ۳۰)

وہ بولے کیا تو اس میں ایسے کو بنائے گا جو اس میں فساد برپا کرے گا اور خون بہائے گا، درآنحالیکہ ہم تیری حمد کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور تیری پاکی پکارتے رہتے ہیں؟ (اللہ نے) فرمایا یقیناً میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے

دوسری جگہ آتا ہے:۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝ (سورۂ احزاب - ۷۲)

ہم نے (یہ) امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی، ان سب نے انکار کیا اس سے کہ اسے اٹھائیں اور وہ اس سے ڈرے، اور اسے انسان نے اپنے ذمہ لے لیا بیشک وہ بڑا ظالم ہے، بڑا جاہل ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ۝ (سورۂ ذاریات - ۵۶ - ۵۷)

اور میں نے تو جنات اور انسان کو پیدا ہی اسی غرض سے کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں، میں ان سے نہ روزی چاہتا ہوں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ مجھے کھلایا کریں

خلافت کے تقاضے اور اس کے لوازمات

منصب خلافت نہ صرف اسی ہستی سے جس کی خلافت کا فرض اس کے سپرد کیا جا رہا ہے بہت مناسبت چاہتا ہے بلکہ اس جگہ سے بھی اس کو مناسبت ہونی چاہیے جہاں رہ کر اس کو یہ فرض انجام دینا ہے، اس مخلوق سے بھی اس کو پوری مناسبت ہونی چاہیے جن کی ذمہ داری اور نگرانی اور حکومت و تولیت اس کے ذمہ ہے، چنانچہ پہلی چیز سے اس نے اس اخلاق کا پرتو اور ان صفات عالیہ کا عکس قبول کیا جن کو ہم پاکی اور بلندی، بے نیازی و استغنا، رحم و کرم، ہمدردی و شفقت، صبر و حلم، قوت و قہر، صفائی و پاکیزگی اور امن و

www.abulhasanalinadwi.org

سلامتی سے تعبیر کرسکتے ہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ اپنی طویل تاریخ کے ہر دور میں اس نے ان اخلاق فاضلہ میں ہمیشہ بڑی لذت اور عزت محسوس کی، اور ان کے حاملین کو عزت کی نگاہ سے دیکھا اور اگر کبھی اس کی ہمت اس سے قاصر رہی اور وہ خود ان صفات سے آراستہ نہ ہوسکا تو اس نے دوسروں کو (جو ان صفات کے حامل تھے) عظمت و محبت کے ساتھ اپنے سر پر بٹھایا اور ان کو خوش نصیب اور کامیاب و بامراد سمجھا۔

دوسری چیز سے بھی اس نے اس کے خواص و طبائع اخذ کئے، اور اس کے کمزور پہلوؤں میں شرکت محض اس لئے گوارا کی کہ وہ اپنے دکھ درد میں اس کو شریک سمجھ سکے، زمین کے خزانوں، دفینوں اور سرچشموں اور دنیا کی نعمتوں اور پاک چیزوں سے فائدہ اٹھا سکے، اور ان کو صحیح محل میں صرف کرسکے، مثال کے طور پر کھانے پینے کی خواہش، جنسی جذبہ، بھوک پیاس، راحت طلبی، جدت پسندی، صنعت و حرفت اور ماکولات و مشروبات میں وسعت و تنوع اس کی سرشت میں داخل ہے۔

روح و جسم کی باہمی کشمکش اور ان کے متضاد میلانات

اس لحاظ سے وہ روح اور جسم دونوں کا مجموعہ ہے، روح اس کو اپنے اصل منبع اور سرچشمہ کی طرف کھینچتی ہے، اس کو اس کا منصب، مرکز، مقصد اور فریضہ یاد دلاتی ہے، اس کے سامنے وہ روزن کھولتی ہے جس سے وہ اس نئے عالم کی وسعت و بلندی اور لطافت و جمال کا مشاہدہ کرسکے، وہ اس کے دل میں اس کا شوق پیدا کرتی اور اس کا حوصلہ بڑھاتی ہے کثیف اور ثقیل مادیت کے خلاف بغاوت پر اور اس قفس، زرّیں سے رہائی پر اکساتی ہے، اور ان لامحدود وسعتوں میں پرواز پر آمادہ کرتی ہے جو مادیت کی ان پستیوں سے کوئی علاقہ نہیں رکھتیں، وہ انسان کو اس بات کی دعوت دیتی ہے کہ وہ کبھی کبھی (خواہ سال میں ایک ہی مرتبہ ہو) خورد و نوش اور عادت و حاجت کے اس بندھے ٹکے نظام سے آزاد ہو کر زندگی کے چند لمحے گزارے، اسباب رزق کی فراوانی کے باوجود بھوک اور پیاس کا مزہ چکھے اور اس میں وہ لذت محسوس کرے جو انواع و اقسام

www.abulhasanalinadwi.org

کے لذیذ ترین کھانوں میں بھی محسوس نہیں ہوتی، وہ اس مختصر وقفہ کو جو فراغ خاطر، سکون قلب، صفاء نفس، معدہ کی سبکساری ولطافت، روح کی بالیدگی، خواہشات نفسانی سے آزادی، اور زندگی کے خشک، فرسودہ، یکساں اور بے رنگ نظام سے تھوڑے عرصہ کے لئے علیحدگی میں گزارتا ہے، زندگی کی اصل قیمت اور نفس کی تازگی، سبک روحی، اور مسرت وانبساط کا بہترین وقت قرار دیتی ہے، اور اس کے لئے اس طرح بے قرار رہتی ہے جس طرح کوئی پرندہ دن بھر کے سفر کے بعد شام کو اپنے آشیانہ کے لئے بے قرار ہوتا ہے یا مچھلی پانی کے لئے، یہ سب اسی روح کا کرشمہ ہے جو عالم غیب اور عالم قدس سے اس کی طرف منتقل ہوئی ہے۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ط قُلِ الرُّوْحُ مِنْ	اور آپ سے یہ روح کی بابت پوچھتے ہیں، آپ کہہ
اَمْرِ رَبِّيْ۔ (سورۂ بنی اسرائیل۔ ۸۵)	دیجئے کہ روح میرے پروردگار کے حکم سے (ہی) ہے۔
وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ۔ (سورۂ حجر۔ ۲۹)	اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونک دی۔

دوسری طرف جسم بھی اس کو اپنے اصل مرکز کی طرف کھینچتا ہے، یہ مرکز زمین ہے، جو اپنے ساتھ ہر قسم کی کثافت اور پستی رکھتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ	اور بالیقین ہم نے انسان کو کس ڈارگارے کی کھنکھناتی
حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ (سورۂ حجر۔ ۲۶)	ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ط	تو آپ ان سے پوچھئے کہ خلقت میں یہ لوگ زیادہ
اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ۝	مضبوط ہیں یا وہ جنھیں ہم نے پیدا کیا ہے، ہم نے
(سورۂ صافات۔ ۱۱)	ان لوگوں کو تو چپکتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہے۔

ایک اور جگہ آیا ہے:۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ	اسی نے انسان کو پیدا کیا (ایسی) مٹی سے جو

www.abulhasanalinadwi.org

كَالْفَخَّارِ ۝ (سورۂ رحمٰن - ۱۴) ٹھیکرے کی طرح بجتی تھی۔

جب روح کی گرفت انسان پر کمزور پڑ جاتی ہے، اور اس کے اثرات کم ہونے لگتے ہیں یا زائل ہو جاتے ہیں اور زمام اقتدار جسم کے ہاتھ میں آجاتی ہے تو پھر انسان خواہش نفس اور لذت پسندی کے دھارے میں بالکل بے قابو ہو کر بہنے لگتا ہے، وہ آوارہ مویشیوں کی طرح ہر جگہ منھ مارتا ہے، اس کو کھانے پینے اور خواہشات نفس پورا کرنے کا جنون ہو جاتا ہے، وہ اس میں بڑے تکلف، اختراع اور باریک بینی سے کام لیتا ہے، اور اپنی ذہانت سے اس میں ایسے ایسے نئے راستے پیدا کرتا ہے، جو عقل و دستور، طب و صحت اور قانون و شریعت کی تمام حدود کو توڑ دیتے ہیں، اس کی تمام تر صلاحیت و ذہانت کھانوں کو زیادہ سے زیادہ لذیذ، پر تکلف اور متنوع بنانے میں صرف ہونے لگتی ہے، وہ ہاضم دواؤں اور بھوک کھولنے والے مشروبات ایجاد کرتا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ کھانے اور جلد سے جلد ہضم کرنے کا موقع مل سکے، اور یہ سلسلہ بلا کسی وقفہ کے برابر جاری رہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ اپنی ساری ترقی و دانائی کے باوجود اور علم اور مادی خوشحالی کی اس بلند ترین سطح پر ہوتے ہوئے بھی کولہو کے بیل اور زمین جوتنے والے جانور کی طرح ہو جاتا ہے، اور اس کا دائرہ عمل صرف دو چیزوں کے درمیان محدود رہتا ہے، کھانے کے کمرے (ڈائننگ ہال) اور بیت الخلاء[1] وہ ان دونوں کے سوا کسی اور "مبدأ و معاد" سے ناواقف، اور اس "طواف" کے سوا کسی اور طواف و سعی سے ناآشنا رہتا ہے، کھانے پینے کی خواہش کے سوا اس میں ہر چیز کی خواہش مر جاتی ہے، اور آرام طلبی اور عیش پرستی کی حس کے سوا ہر حس کند ہو جاتی ہے، اس کی تمام فکریں صرف ایک فکر میں ڈھل جاتی ہیں، وہ صرف اس لئے کماتا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ کھا سکے، اور اس لئے کھاتا ہے، تاکہ زیادہ سے زیادہ کما سکے، قرآن مجید نے انسانوں کے اس طبقہ یا "انسان نما جانوروں" کے اس ریوڑ کی جو معجزانہ تصویر کھینچی ہے اس سے سچی اور نازک تصویر نہیں ہو سکتی، وہ کہتا ہے:-

وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا — اور جو کافر ہیں وہ عیش کر رہے ہیں اور کھا (پی) رہے ہیں

---

[1] یہ تمثیل مولانا عبدالباری صاحب ندوی کے ایک مضمون سے ماخوذ ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۝ (سورۂ محمد ۱۲) جس طرح چوپائے کھاتے (پیتے) ہیں آگ ہی ان کا ٹھکانا ہے

دراصل یہ جسیم کا مزاج اور خاصیت ہے جو روحانیت اور نبوت کی روشنی سے محروم، ہوائے نفس کا پرستار اور اپنے مرکز اصل کی طرف مائل ہے اور خود بخود پستی کی طرف بڑھتا اور زمین پر گرتا ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۚ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝

(سورۂ اعراف ۔ ۱۷۵۔۱۷۶)

اور ان لوگوں کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنایئے جس کو ہم نے اپنی نشانیاں دی تھیں پھر وہ ان سے بالکل نکل گیا سو شیطان اس کے پیچھے لگ گیا اور وہ گمراہوں میں داخل ہو گیا، اور اگر ہم چاہتے تو ہم اس کا مرتبہ ان (اپنی نشانیوں) کے ذریعہ سے اونچا کر دیتے لیکن وہ زمین کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی خواہش نفسانی کی پیروی کرنے لگا سو اس کی مثال کتے کی سی ہو گئی کہ اگر تو اس پر حملہ کرے (جب بھی) ہانپے اسے چھوڑے رہے (جب بھی) ہانپے، یہ مثال ہے ان (سب) لوگوں کی جنھوں نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو، سو آپ بیان کیجئے (یہ) حالات شاید کہ لوگ سوچیں۔

انسانی زندگی اور مذاہب و اخلاق کی تاریخ میں اس کشمکش کے اثرات

انسان کی مذہبی اور اخلاقی تاریخ دراصل اسی کشمکش کی کہانی ہے چنانچہ جب کبھی اس کی پہلی طبیعت غالب آئی اور اس کو اقتدار حاصل ہوا تو اس نے رہبانیت کی داغ بیل ڈالی، اور زندگی میں مبالغہ کی حد تک تقشف، مباحات و طیبات سے انکار، اور نفس پر ظلم کا راستہ اختیار کیا، اور جسم کو اذیت پہنچانے اور نفس کو فقر و فاقہ میں مبتلا کرنے کو

www.abulhasanalinadwi.org

عین سعادت قرار دیا، اس نے رات رات بھر جاگنا شروع کیا اور آبادیوں کو چھوڑ کر جنگلوں کی راہ لی، قرون وسطیٰ کے یورپ میں عیسائی راہبوں کے واقعات جو سب کو معلوم ہیں[1]، دراصل اسی جذبہ کے آئینہ دار ہیں۔

وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ	اور رہبانیت کو انھوں نے خود ایجاد کر لیا ہم نے ان پر
إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ	واجب نہیں کیا تھا، انھیں نے اللہ کی رضامندی کی
رِعَايَتِهَا (سورۂ حدید - ۲۷)	خاطر (اسے اختیار کر لیا تھا) سو انھوں نے اس کی
	رعایت پوری پوری نہ کی۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انسان کا جسم اور عقل دونوں کمزور ہو گئے، خاندانوں کا شیرازہ منتشر ہو گیا اور انسانی سوسائٹی سخت خطرہ سے دوچار ہو گئی، انسان اس منصب خلافت سے کنارہ کش ہو گیا جس کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اس پر ڈالی تھی، اس نے جدّ و جہد اور ذمہ داری کے میدان کو چھوڑ کر فرشتوں کو اپنا آئیڈیل بنا لیا اور ان کا مسجود اور مسجود بننے کے بجائے خود ان پر رشک و حسد کرنے لگا۔

کبھی اس میں حیوانی صفات اور ارضی و جسمانی رجحانات کا ایسا غلبہ ہوا کہ وہ عقل و شریعت کی ہر بندش اور اخلاق و روحانیت کی ہر گرفت اور بالادستی سے آزاد ہو کر مادّہ اور معدہ کے تیز دھارے میں بہنے لگا اور اپنی جسمانی و نفسانی خواہشات اور مادی تقاضوں کی تسکین اور تکمیل کے لئے ہر کام کرنے پر تیار ہو گیا، اور اس کے لئے اس نے کسی حد، مقدار اور نصاب کی رعایت بھی ملحوظ نہ رکھی، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے روح اور دل کی انگیٹھیاں بالکل سرد ہو گئیں، عقل اور ضمیر سکڑتے گئے، اور معدہ نے اتنا طول و عرض اختیار کر لیا کہ بعض وقت پورے پورے خاندان کی غذا اور خوراک ایک انسان کی ہوس "نائے و نوش" کے لئے ناکافی ثابت ہونے لگی، اس کے جسم میں ایک ایسا مصنوعی اور خیالی معدہ اور ایک ایسی جوع البقر پیدا ہو گئی جو کھانے کی بڑی سے بڑی مقدار اور غلہ کے وافر ذخیروں

---

[1] اس کی تفصیل کے لئے "لیکی" کی کتاب (HISTORY OF EUROPEAN MORALS BY W. E. H. LECKY) یا مصنف کی کتاب "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" باب پنجم، عنوان "جنون رہبانیت" ملاحظہ ہو۔

www.abulhasanalinadwi.org

سے بھی نہ بجھتی تھی، اس کے نتیجہ میں قدرتی طور پر ایسے مظالم اور جرائم وجود میں آئے جنھوں نے انسان کو ایک بے رحم اور پھاڑ کھانے والا درندہ بنا دیا، جو نہ صرف بنی نوع انسان بلکہ خود اپنے خاندان کے افراد کو پھاڑ کھاتا اور نگل لیتا ہے تاریخ کی یہ ساری جنگیں اور مہم جوئیاں (جہاد کو مستثنیٰ کر کے جو خالص دینی مقاصد کے لئے کیا جاتا ہے) دراصل اسی شخصی انانیت، یا جماعتی عصبیت، حرص وطمع، توسیع پسندانہ جذبات، اقتدار کی ہوس اور طاقت کے جنون کا مظہر ہیں۔

معدہ کی پرستش اور اس کے مہلک اثرات

جب یہ حیوانی جبلت انسان پر غالب آتی ہے، اور زندگی کی زمام اپنے ہاتھ میں لے لیتی ہے، اور انسان کے احساسات وجذبات اور اعصاب اس کی مکمل گرفت میں آجاتے ہیں، اور سارا انسانی نظام "معدہ" کے گرد گردش کرنے لگتا ہے، تو پھر انسان اور اس کی خواہشات کی تکمیل کے راستہ میں کوئی چیز حائل نہیں ہوتی، اس کے نفس پر ہر وہ چیز گراں اور شاق ہوتی ہے، جو اس کی خواہش کی راہ میں مزاحم ہو یا اس کو اس کا انجام یاد دلائے، حساب وکتاب اور جزا وسزا کی تلقین کرے، بعض اوقات اس کی پوری پوری عمر گزر جاتی ہے، اور پرسکون دل، بیدار دماغ، اور زندہ ضمیر کا کوئی لمحہ اس کو نصیب نہیں ہوتا، عبادت اور ذکر الٰہی سے اس کی طبیعت پر گرانی اور بوجھ محسوس ہوتا ہے، اور اس کو اس میں یا اس طرح کی چیزوں میں قدرتی طور پر کوئی لذت معلوم نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ۝ الَّذِينَ	اور وہ بیشک گراں ہے، مگر خشوع رکھنے والوں پر (نہیں)
يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُو رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ	جنھیں اس کا خیال رہتا ہے کہ انھیں اپنے پروردگار
رَاجِعُونَ ۝ (سورۂ بقرہ - ۴۵-۴۶)	سے ملنا (بھی) ہے، اور اس کا کہ انھیں اس کی طرف
	واپس ہونا ہے۔
وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَىٰ	اور یہ لوگ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو بہت ہی
يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ	کاہلی سے کھڑے ہوتے ہیں (صرف) لوگوں کو دکھاتے

www.abulhasanalinadwi.org

إِلَّا قَلِيلًا ۝ (سورۂ نساء ۔ ۱۴۲) ہیں، اور اللہ کی یاد کچھ یوں ہی سی کرتے ہیں۔

انسان کے مقصدِ زندگی کی تکمیل اور اعلیٰ اخلاقی قدروں کی تشکیل کے لئے نبوت کی چارہ سازی

نبوت نے تاریخ انسانی کے مختلف وقفوں اور کرۂ ارض کے مختلف حصوں میں اس انسانیت کی چارہ سازی کی جو انتہا پسندانہ مادیت اور حیوانی بغاوت کی زد میں آکر ہلاکت سے قریب ہو چکی تھی، اس نے اخلاق و روحانیت، لطیف احساسات اور نفس کے ملکے اور مادیت کے کچلے ہوئے مفلوج اور نیم جاں دل کو معدہ کی قساوت اور خواہشات کی آلودگی سے پاک وصاف کیا، اور اس کو اس مقصدِ زندگی کی تکمیل کے لئے نئے سرے سے تیار کیا، جس کو "عبادت" کہا جاتا ہے، اس کو اس کمال انسانی سے آراستہ کیا جس کو "ولایت" کہا گیا ہے، اور اس منصب اور اس مشن کی تکمیل کے قابل بنایا جس کی خاطر اس کو دنیا میں اتارا گیا ہے، اور جس کو "خلافت" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

یہ وہ کام ہے جو نہ تنہا فرشتوں والی روحانیت سے انجام پا سکتا تھا نہ بہائم والی مادیت سے، اس کے لئے ہر سال ایسے روزہ کا انتظام کیا گیا جو معدہ پر ستانہ مادیت میں کسی قدر تخفیف کر سکے، زندگی کے کھوئے ہوئے نشاط، تازگی اور قوت کو دوبارہ واپس لا سکے، اور اس کے اندر ایمان اور روحانیت کی اتنی مقدار داخل کر سکے جس کے ذریعہ زندگی کے اعتدال اور توازن کو برقرار رکھنا ممکن ہو، نفس کی ترغیبات کا مقابلہ اور پرخوری کے مفاسد کا سدباب ہو سکے، انسان کچھ وقفہ کے لئے اپنے اندر اخلاق الٰہی کا کسی قدر عکس اتار سکے اور اس میں سے کچھ حصہ پاکر سرفراز و سرخرو ہو سکے، ملائکہ اور ملاء اعلیٰ سے اس کو نسبت حاصل ہو، روح اور قلب کی پرفضا وسعتیں اور آسمان و زمین کی سلطنتیں اس کی جولان گاہ ہوں اور اس کو وہ نئی لذت حاصل ہو جو انواع و اقسام کے کھانوں یا ہر وقت کھاتے رہنے اور آخری حد تک پیٹ بھر لینے کی لذت سے بہت بلند، لطیف، حقیقی اور دائمی ہے۔

روزہ کے مقاصد اور زندگی پر اس کے اثرات

امام غزالیؒ نے اپنے مخصوص انداز بیان میں اس حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:۔

www.abulhasanalinadwi.org

"روزہ کا مقصد یہ ہے کہ آدمی اخلاق الٰہیہ میں سے ایک اخلاق کا پرتو اپنے اندر پیدا کرے جس کو صمدیت کہتے ہیں، وہ امکانی حد تک فرشتوں کی تقلید کرتے ہوئے خواہشات سے دست کش ہو جائے، اس لئے کہ فرشتے بھی خواہشات سے پاک ہیں اور انسان کا مرتبہ بھی بہائم سے بلند ہے، نیز خواہشات کے مقابلہ کے لئے اس کو عقل و تمیز کی روشنی عطا کی گئی ہے البتہ وہ فرشتوں سے اس لحاظ سے کم تر ہے کہ خواہشات اکثر اس پر غلبہ پالیتی ہیں اور اس کو ان سے آزاد ہونے کے لئے سخت مجاہدہ کرنا پڑتا ہے، چنانچہ جب وہ اپنی خواہشات کی رو میں بہنے لگتا ہے تو اسفل سافلین تک جا پہونچتا ہے اور جانوروں کے ریوڑ سے جا ملتا ہے اور جب اپنی خواہشات پر غالب آتا ہے تو اعلیٰ علیین اور فرشتوں کے آفاق تک پہونچ جاتا ہے"[1]

علامہ ابن القیمؒ اسی بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"روزہ سے مقصود یہ ہے کہ نفس انسانی خواہشات اور عادتوں کے شکنجہ سے آزاد ہو سکے، اس کی شہوانی قوتوں میں اعتدال اور توازن پیدا ہو اور اس ذریعہ سے وہ سعادت ابدی کے گوہر مقصود تک رسائی حاصل کر سکے اور حیات ابدی کے حصول کے لئے اپنے نفس کا تزکیہ کر سکے، بھوک و پیاس سے اس کی ہوس کی تیزی اور شہوت کی حدت میں تخفیف پیدا ہو اور یہ بات یاد آئے کہ کتنے مسکین ہیں جو نان شبینہ کے محتاج ہیں، وہ شیطان کے راستوں کو اس پر تنگ کر دے اور اعضا و جوارح کو ان چیزوں کی طرف مائل ہونے سے روک دے جن میں اس کی دنیا و آخرت دونوں کا نقصان ہے، اس لحاظ سے یہ اہل تقویٰ کی لگام، مجاہدین کی ڈھال اور ابرار و مقربین کی ریاضت ہے"[2]

علامہ موصوف روزہ کے اسرار و مقاصد پر نہایت بلاغت کے ساتھ روشنی ڈالتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:-

"روزہ جوارح ظاہری اور قوائے باطنی کی حفاظت میں بڑی تاثیر رکھتا ہے، فاسد مادہ کے جمع ہو جانے سے انسان میں جو خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں اس سے وہ اس کی حفاظت کرتا ہے، جو چیزیں

---

[1] احیاء العلوم ج ۱ ص ۲۱۲ [2] زاد المعاد ج ۱ ص ۱۵۲

www.abulhasanalinadwi.org

مانع صحت ہیں ان کو خارج کر دیتا ہے، اور اعضاء و جوارح میں جو خرابیاں ہوا و ہوس کے نتیجہ میں ظاہر ہوتی رہتی ہیں، وہ اس سے دفع ہوتی ہیں، وہ صحت کے لئے مفید اور تقویٰ کی زندگی اختیار کرنے میں بہت ممد و معاون ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ (سورۂ بقرہ۔۱۸۳)	اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جیسا کہ ان لوگوں پر فرض کئے گئے تھے جو تم سے قبل ہوئے ہیں عجب نہیں کہ تم متقی بن جاؤ۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

الصوم جُنَّةٌ۔	روزہ ڈھال ہے۔

چنانچہ ایسے شخص کو جو نکاح کا خواہشمند ہو اور استطاعت نہ رکھتا ہو روزہ رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے اور اس کو اس کا تریاق قرار دیا گیا ہے مقصود یہ ہے کہ روزہ کے مصالح اور فوائد چونکہ عقل سلیم اور فطرت صحیحہ کی رو سے مسلّم تھے اس لئے اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی حفاظت کی خاطر محض اپنی رحمت اور احسان سے فرض کیا ہے[1]۔"

اسی سلسلۂ کلام میں آگے ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

"چونکہ قلب کی اصلاح اور استقامتِ حال، سلوک الی اللہ اور جمعیت باطنی پر منحصر ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف بالکلیہ توجہ و انابت پر اس کا دار و مدار ہے، اس لئے پراگندہ خاطری اس کے حق میں سخت مضر ہے کھانے پینے کی زائد مقدار، لوگوں سے زیادہ میل جول، ضرورت سے زیادہ گفتگو وہ چیزیں ہیں جن سے جمعیت باطنی میں فرق آتا ہے، اور انسان اللہ تعالیٰ سے منقطع ہو کر مختلف راستوں پر بھٹکنے

---

[1] زاد المعاد ج ۱ ص ۱۵۲

www.abulhasanalinadwi.org

لگتا ہے بعض وقت محض اسی وجہ سے اس کی راہ کھوٹی ہوتی ہے ان سب باتوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کی مقتضی تھی کہ اپنے بندوں پر روزہ فرض کرے اور اس کے ذریعہ کھانوں کی زائد مقدار اور خواہشات کے فضلہ کا ازالہ و تنقیہ ہو سکے جس کی وجہ سے آدمی وصول الی اللہ سے محروم رہتا ہے، وہ اس سے دنیا و آخرت دونوں جگہ فائدہ اٹھا سکے اور اس کی عارضی اور مستقل کسی مصلحت کو نقصان نہ پہونچے۔[1]

روزہ قدیم مذاہب میں

دنیا کے جن قدیم مذاہب و ادیان اور تاریخ کے جن مذہبی قوانین و رسوم میں ہم کو "روزہ" ملتا ہے ان قدیم ترین مذاہب میں ہندوستان کا ہندو مذہب بھی ہے، جس سے اس ملک کی بہت بڑی تعداد وابستہ ہے اس مذہب کے ایک نمائندہ (T. M. P. MAHADEVAN) جو مدراس یونیورسٹی میں شعبۂ فلسفہ کے صدر بھی ہیں، ہندو مذہب اور ہندو سماج میں روزہ کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"ان تہواروں میں جن کو سالانہ منایا جاتا ہے بعض تہوار روزہ (برت) کے لئے مخصوص ہیں، جو تزکیۂ نفس کے لئے رکھا جاتا ہے، ہر ہندو فرقہ نے دعا و عبادت کے لئے کچھ دن مقرر کر لئے ہیں جن میں اس کے اکثر افراد روزہ رکھتے ہیں، کھانے پینے سے باز رہتے ہیں، رات رات بھر جاگ کر اپنی مذہبی کتابوں کی تلاوت کرتے اور مراقبہ کرتے ہیں، ان میں سب سے اہم اور مشہور تہوار جو مختلف فرقوں میں رائج ہے، "ویکنتا ایکادشی" کا تہوار ہے جو "وشنو" کی طرف منسوب ہے لیکن اس میں صرف وشنو ہی کے ماننے والے نہیں بلکہ دوسرے بہت سے لوگ بھی روزہ رکھتے ہیں، اس تہوار میں وہ دن میں روزہ رکھتے ہیں، اور رات کو پوجا کرتے ہیں۔

بعض دن ایسے ہیں، جو عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں، وہ ان دیبیوں سے دعائیں کرتی ہیں،

---

[1] زاد المعاد ج ۱ ص ۱۶۸

www.abulhasanalinadwi.org

جو ایشور کی ان نسوانی صفات کا مظہر ہیں جو مختلف اشکال میں ظاہر ہوئی ہیں، ان دونوں کو ان کی مخصوص اہمیت کے پیش نظر "برت" یا عہد و معاہدہ کہا جاتا ہے، اور یہ روح کے تزکیہ کے لئے مخصوص ہیں، اور ان کا مقصد روح کو معنوی غذا پہونچانا ہے"[1]

مولانا سید سلیمان ندویؒ نے "سیرۃ النبیؐ" جلد پنجم میں انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:-

"قدیم مصریوں کے ہاں بھی روزہ دیگر مذہبی تہواروں کے شمول میں نظر آتا ہے، یونان میں صرف عورتیں "تھسموفیریا" کی تیسری تاریخ کو روزے رکھتی تھیں، پارسی مذہب میں گو عام پیروؤں پر روزہ فرض نہیں، لیکن ان کی الہامی کتاب کی ایک آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ روزہ کا حکم ان کے یہاں موجود تھا، خصوصاً مذہبی پیشواؤں کے لئے تو پنج سالہ روزہ ضروری تھا"[2]

روزہ یہودیوں میں

جہاں تک یہودیوں کا تعلق ہے، عہد بابل میں روزہ ان کے نزدیک ماتم اور سوگ کا رمز بن گیا تھا، اگر کوئی خطرہ درپیش ہوتا یا کوئی کاہن کسی الہام اور نبوت کے لئے تیاری شروع کرتا تو اس وقت روزہ ضرور رکھا جاتا، یہودی اس وقت بھی عارضی طور پر روزہ رکھتے جب وہ سمجھتے کہ خدا ان سے ناراض ہے، ملک میں کوئی وبا آتی مصیبت نازل ہوتی، قحط سالی کا سامنا ہوتا یا بادشاہ کسی بڑی مہم پر روانہ ہوتے تب بھی روزہ رکھا جاتا۔

یہودی تقویم میں روزہ کے دن محدود اور قدیم ہیں، یہ اس کفارہ کے روزہ کے علاوہ ہیں جو موسوی مذہب میں واحد روزہ ہے، اس کے علاوہ ان کے ہاں "مسلسل روزہ" کے بھی موسم ہیں، جن کا تعلق قدیم حوادث اور واقعات سے ہے، مثلاً بابل کے عہد میں زمانۂ اسیری، یہ چوتھے مہینہ (مئی) اور

---

[1] OUTLINES OF HINDUISM CHAPTER 4, SECTION 6.

[2] سیرت النبیؐ ج ۵ ص ۲۱۳

www.abulhasanalinadwi.org

پانچویں مہینہ (جون) اور چھٹے مہینہ تشری (جولائی) اور دسویں مہینہ تبت (TEBET) میں پڑتے ہیں، "تلمود" کے بعض عالموں کا خیال ہے کہ ان دنوں کے روزے عہد غلامی میں لازمی اور آزادی و خوشحالی کے زمانہ میں اختیاری ہیں۔

ان روزوں کے علاوہ کچھ روزے اور بھی ہیں، جو ان مختلف المناک حوادث کی یاد میں رکھے جاتے ہیں جو یہودیوں کے ساتھ پیش آئے، یہ روزے بھی دوسرے روزوں کے ساتھ شامل کر لئے گئے ہیں، یہ لازمی اور جبری نہیں ہیں، ان کو عوام میں زیادہ مقبولیت بھی حاصل نہیں ہو سکی، تھوڑے اختلاف کے ساتھ ان کی تعداد ۲۵ ہے۔

ان کے علاوہ کچھ روزے اور ہیں، جو مقامی اور علاقائی کہے جا سکتے ہیں، ان کا تعلق بھی یہودیوں کے تاریخی مصائب سے ہے، بہت سے روزے مختلف طبقوں میں بٹے ہوئے ہیں، ہر طبقہ ایک مخصوص اور المناک تاریخی واقعہ کی یاد میں یہ روزہ رکھتا ہے یا غمی خوشی کی تقریبات کی یادگار کے طور پر اس کو مناتا ہے، سال کے پہلے دن کا روزہ یہودیوں کے بہت سے طبقوں میں رائج ہے، بہت سے روزے یہودی عالموں کے اختیار میں ہیں، جو قحط سالی، کسی خطرہ اور مصیبت، یا حکومت وقت کے ظالمانہ قوانین، نیز مختلف آفتوں اور بلاؤں سے حفاظت کے لئے اپنی صوابدید پر وقتاً فوقتاً یہ روزے عوام پر فرض کرتے رہتے ہیں۔

کچھ انفرادی روزے بھی ہیں، جن کو ہر شخص اپنے حالات اور ضروریات کے پیش نظر رکھ سکتا ہے، یہ روزے بھی شخصی واقعات کی یاد میں گناہوں کے کفارہ کے لئے، یا کسی مصیبت اور افتاد کے وقت رحمت خداوندی کے حصول کے لئے رکھے جاتے ہیں، لیکن یہود کے علماء و فقہاء کے نزدیک یہ روزے اس شخص کے لئے ہیں جو خود عالم یا معلّم نہ ہو تاکہ اس کی جمعیت خاطر میں کوئی فرق نہ آنے پائے اور اس کی صحت پر برا اثر نہ پڑے، نیز ڈراونا خواب بھی دیکھ کر روزہ رکھا جاتا ہے، عید کے مواقع پر یہودی شریعت میں روزہ رکھنا ممنوع ہے، لیکن "تلمود" نے ان دنوں میں روزہ رکھنے کی اجازت اس شرط پر دی ہے کہ عام دنوں میں اس کا کفارہ

www.abulhasanalinadwi.org

روزہ ہی کے ذریعہ ادا کیا جائے۔

روزہ یہودیوں میں اشراق کے وقت سے شروع ہوتا ہے اور رات کے پہلے تارہ کے طلوع تک جاری رہتا ہے سوائے اس روزہ کے جو کفارہ کے لئے ہے[1] اور مئی کے نویں روز[2] رکھا جاتا ہے یہ روزہ شام سے شام تک چلتا ہے عام روزوں کے لئے کوئی خاص احکام و قوانین نہیں ہیں روزہ میں صدقہ دینے اور مسکینوں کو کھانا کھلانے کی بھی ترغیب دی گئی ہے خصوصاً رات کے اس کھانے کی غرباء میں تقسیم پر جو معمولاً تیار کیا جاتا ہے زیادہ زور دیا گیا ہے۔

ماہ آب کے پہلے نو دن اور تموز کی سترہویں تاریخ اور آب کی دسویں تاریخ کے درمیانی دن جزئی روزہ کے لئے مخصوص ہیں یعنی اس میں صرف گوشت کھانا اور شراب پینا منع ہے[3]۔

عیسائیوں میں روزہ کے احکام

عیسائیوں میں روزہ کی حقیقت کیا ہے اس کی تفصیل اور تشریح کچھ دشوار طلب ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مسیحی شریعت فقہ اور احکام کے لحاظ سے دوسرے مذاہب سے پیچھے ہے اس کے احکام و قوانین زمانہ کے ساتھ اور سیاسی و اجتماعی عوامل کے اثر سے اکثر بدلتے رہے ہیں اس لئے اس پر شریعت الٰہیہ کے لفظ کا اطلاق بہت مشکل ہے تاہم اس کا مختصر خاکہ یہاں پیش کیا جا رہا ہے اس سے ان تغیرات کا بھی اندازہ ہوگا جو مختلف اوقات میں اس میں برابر ہوتے رہے۔

"حضرت مسیح نے اپنی نبوت کے آغاز سے قبل ۴۰ دن روزہ رکھا تھا، وہ کفارہ کا روزہ تھا جو موسوی شریعت

---

[1] یہ ساتویں مہینہ (تشری) (TISRI) کے دسویں دن رکھا جاتا ہے دیکھئے کتاب — (JUDAISM IN ISLAM BY — ABRAHAM I.KATISH-NEW YORK 1954) نیز کتاب "الیہودیۃ والاسلام"

[2] یہ روزہ ہیکل کے پہلی یا دوسری بار جلانے کی یادگار میں رکھا جاتا ہے۔

[3] یہ معلومات جیوش انسائیکلوپیڈیا سے ماخوذ ہیں۔ JEWISH ENCYCLOPAEDIA. (U.S.A. 1916)

www.abulhasanalinadwi.org

میں فرض کے درجہ میں ہے، وہ اس کو اسی طرح پابندی کے ساتھ رکھتے تھے، جو کوئی مخلص یہودی رکھ سکتا ہے، انھوں نے روزہ کے کچھ احکام اپنے پیچھے نہیں چھوڑے، انھوں نے صرف اس کے اصول وکلیات بیان کئے اور اس کی تشریح وتطبیق کلیسا پر چھوڑ دی چنانچہ عیسائیت میں کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ روزہ کے احکام وقوانین خود اس کے نکالے ہوئے ہیں، مسیحی مصادر میں "پال" کے روزہ کا ذکر ملتا ہے، اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ پہلے زمانہ کے وہ عیسائی جو یہودی النسل تھے، کفارہ کا روزہ برابر رکھتے تھے، راہب (LUKE) نے اس کا خاص اہمیت سے ذکر کیا ہے لیکن وہ عیسائی جو دوسرے اصولوں کی طرف اپنا انتساب کرتے ہیں، اس پر زور نہیں دیتے۔

"پال" کے انتقال کے ڈیڑھ سو سال بعد لوگوں میں روزہ کے قوانین کو ضبط میں لانے کی شدید خواہش پیدا ہوئی، بہت سے راہب اور کلیسا کے ذمہ دار جنسی ترغیبات کے مقابلہ کے لئے بھی روزہ کی تلقین کرتے تھے، اس زمانہ میں اس کا بہت خیال رکھا جاتا تھا کہ روزہ کوئی ایسی خارجی چیز بن کر نہ رہ جائے جو روزہ دار پر کوئی اثر نہ ڈال سکے "ایرنیس" کا روزہ کے اقسام کے متعلق یہ بیان ہے کہ روزہ ایک دن کا بھی ہوتا تھا اور دو دن کا بھی اور مسلسل ۴۰ گھنٹے کا بھی، یہ صورت حال مدتوں برقرار رہی، دکھوں اور صلیب کے جمعہ" کا روزہ ایک عوامی اور مقبول روزہ تھا جو دوسری صدی مسیحی میں بعض ممالک میں رائج تھا، اسی طرح جو لوگ بپتسمہ کے خواہشمند ہوتے تھے وہ بھی ایک دن یا دو دن کا روزہ رکھتے تھے، اور اس میں بپتسمہ کرنے اور کرانے والے دونوں شریک ہوتے تھے۔

عیسائیوں کے مختلف فرقوں میں روزہ کے طریقہ اور احکام کے معاملہ میں جزئی اختلافات بھی پائے جاتے ہیں[1]، روزہ کی تنظیم اور قانون سازی کا سب سے زیادہ کام دوسری اور پانچویں صدی (مسیحی) کے درمیانی وقفہ میں انجام پایا، اس وقت کلیسا نے بعض احکام اور ہدایات پر مشتمل ایک بیان شائع کیا، چوتھی صدی مسیحی میں روزہ میں تشدد اور سختی کا عنصر بہت بڑھ گیا اور اس سے توسع، نرمی اور لچک کی خاصیت جاتی رہی، ایسٹر (عید الفصح) سے قبل دو دن روزے کے لئے مخصوص کر دیئے گئے تھے، ان دونوں کا روزہ نصف شب کو

---

[1] دیکھئے "انسائیکلوپیڈیا مذاہب واخلاق"

www.abulhasanalinadwi.org

ختم ہوتا تھا، بیماروں کو جوان دنوں میں روزہ رکھنے سے معذور تھے سنیچر کو روزہ رکھنے کی اجازت تھی، تیسری صدی مسیحی میں روزہ کے دن مقرر کئے گئے، روزہ کے اختتام پر بھی بہت اختلاف تھا بعض لوگ مرغ کی بانگ پر افطار کرتے تھے، اور بعض لوگ تاریکی اچھی طرح پھیل جانے پر۔

۴۰ دن کے روزہ کا کوئی سراغ چوتھی صدی مسیحی تک ہم کو نہیں ملتا، مختلف ممالک کی آب و ہوا، ماحول اور طرز زندگی بھی روزہ پر اثر انداز تھا، چنانچہ رومیوں کا روزہ "اسکندریہ" اور "لانان" کے روزہ سے مختلف ہوتا تھا بعض لوگ جانوروں کے گوشت سے پرہیز کرتے تھے بعض اس کو جائز سمجھتے تھے، کچھ لوگ صرف مچھلی اور پرندوں کے گوشت پر اکتفا کرتے تھے، بعض لوگ انڈے اور پھلوں سے پرہیز کرتے تھے، کچھ صرف سوکھی روٹی کھاتے تھے، اور بعض لوگ ان سب چیزوں کو ناجائز سمجھتے تھے، بعد میں حضرت مسیح کی زندگی کے اہم واقعات اور مسیحی تاریخ کی روشنی میں مختلف روزے تجویز ہوئے جو مرور زمانہ کے ساتھ اپنی شکل بدلتے رہے، اس کے علاوہ ملکوں کے اختلاف کے لحاظ سے روزے بھی زیادہ تر ایک دوسرے سے مختلف ہوتے تھے۔

عہد اصلاح کے بعد انگلستان کے کلیسا نے روزے کے دن تو مقرر کئے لیکن روزہ کے آداب و احکام اور حدود و قوانین روزہ دار کے ضمیر اور احساس ذمہ داری پر چھوڑ دیئے گئے، البتہ ایڈورڈ ششم جیمس اول اور الزبیتھ کے عہد میں انگلستان کی پارلیمنٹ نے روزہ کے دنوں میں گوشت خوری ممنوع قرار دے دی، اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ مچھلیوں کے شکار اور بحری تجارت کی ہمت افزائی اور اس سے نفع اندوزی ضروری ہے۔[1]

یہی وجہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے روزہ کا حکم نازل فرمایا اور مسلمانوں پر اس کو فرض کیا تو یہ ارشاد فرمایا:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ	اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جیسا کہ
كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ	ان لوگوں پر فرض کئے گئے تھے جو تم سے قبل ہوئے
تَتَّقُونَ ۝ (سورۂ بقرہ۔ ۱۸۳)	ہیں عجب نہیں کہ تم متقی بن جاؤ۔

---

[1] اقتباس از مقالہ (ENCYCLOPAEDIA OF RELIGION AND ETHICS FASTING, CHRISTIAN)

www.abulhasanalinadwi.org

روزوں کے تعین و تعداد میں آزادی اور خود رائی کے مفاسد

بعض قدیم مذاہب اور شریعتوں میں روزہ کے دنوں کی کوئی تعیین یا تفصیل نہیں ملتی، ان مذاہب میں ان کے ماننے والوں کو خود اس بات کا اختیار تھا کہ وہ جو دن چاہیں روزہ کے لئے مقرر کریں، ان کو اس کا اختیار تھا کہ کھانے پینے کو بالکل ترک کر دیں یا صرف تقلیل غذا پر اکتفا کریں، ان کو بعض چیزوں کے ترک کا حکم تھا بعض کو اختیار کرنے کی ہدایت تھی، جیسا کہ ہندوستان کے بعض مذاہب میں اسی پر عمل ہے، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ بعض آدمی گوشت کھانا ناجائز سمجھتے تھے، اور بعض صرف اس کھانے سے احتراز کرتے تھے، جو آگ پر پکایا گیا ہو، بعض لوگ صرف نمکین پانی یا اسی طرح کی دوسری چیزوں کو کافی سمجھتے تھے[1] ان تمام چیزوں نے روزہ کی روح کو سخت نقصان پہونچایا اور اس کی طاقت اور اثر کو بہت کمزور کر دیا، چونکہ سارا اختیار روزہ دار کو حاصل تھا اور روزہ کے دن کھانے کی مقدار اور ان کی قسموں کا تعین سب اسی کے سپرد تھا اس لئے اس میں قدرتی طور پر سستی، غفلت اور خیانت کی عادت پیدا ہو گئی، لوگوں نے حدود سے تجاوز کرنا شروع کر دیا اس کی نگرانی اور محاسبہ بہت دشوار تھا، اس لئے کہ اگر روزہ خور سے یہ کہا جاتا کہ تم روزہ کے دن کھا کیسے رہے ہو تو وہ کہہ سکتا تھا کہ میرا روزہ ختم ہو چکا ہے، اسی طرح اگر کسی سے کہا جاتا کہ افطار کے وقت تم روزہ کیسے ہو تو وہ یہ جواب دے سکتا تھا کہ میرا روزہ تو اب شروع ہوا ہے، یہی وہ چیز تھی جس کی وجہ سے قدیم اقوام اور مذاہب روزہ کے روحانی اور اخلاقی فوائد سے بالکل محروم ہو گئے بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں روزہ کی حقیقت ان کے ہاتھ سے نکل گئی، روزہ کے دن اور اوقات کے تعین اور اس کے احکام کی تفصیل میں سب سے بڑا راز، سب سے بڑی حکمت دراصل یہی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اپنی کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں لکھتے ہیں:-

"روزہ میں اختیار دے دینے سے تاویل اور فرار کا دروازہ کھل جائے گا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

---

[1] گاندھی جی اور ان کے متبعین بھی اسی آخری صف میں آتے ہیں، اور ان کے برت کی نوعیت اسی سے ملتی جلتی ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

کا دروازہ بند ہو جائے گا اور اسلام کی یہ ... بڑی اطاعت غفلت کا شکار ہو جائے گی۔"[1]

اس کے بعد اس کی مقدار و تعداد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"اس کی (مدت کی) تعیین بھی ضروری تھی تاکہ اس میں افراط و تفریط کا موقع نہ ہو، اگر ایسا نہ ہوتا تو کوئی اس پر اتنا عمل کرتا جس سے اس کو کوئی فائدہ نہ پہونچتا اور کوئی اثر مرتب نہ ہوتا اور کوئی اتنا غلو سے کام لیتا، اور اتنی کثرت کرتا کہ اس کی ناطاقتی اور کمزوری حد کو پہونچ جاتی اور وہ نیم مردہ ہو کر رہ جاتا، اصل میں روزہ تریاق ہے جو نفس کے زہر کو مارنے کے لئے مہیا کیا جاتا ہے اس لئے اس میں ضرورت کی رعایت ضروری ہے۔"

غذا کی تقلیل و تعیین یا مطلق ممانعت؟

شاہ صاحب روزہ کی دونوں قسموں (یعنی ایک وہ روزہ جس میں کھانے پینے اور ان تمام چیزوں سے جو روزہ کے منافی ہیں مکمل پرہیز کیا جاتا ہے اور دوسرے وہ روزہ جس میں بعض چیزوں سے پرہیز کیا جاتا ہے اور بعض سے نہیں) کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے اول الذکر کو ترجیح دیتے ہیں اور تجربہ، تحلیل علمی، اور علم النفس کی روشنی میں اس کی افضلیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"تقلیل غذا کے دو طریقے ہیں، ایک یہ کہ خوراک کی مقدار کو کم کر دیا جائے، دوسرے یہ کہ کھانوں کے درمیان وقفہ اتنا طویل کر دیا جائے کہ یہ مقصد پورا ہو سکے، شریعت میں یہی آخر الذکر صورت اختیار کی گئی ہے اس لئے کہ اس سے بھوک اور پیاس کا صحیح اندازہ ہوتا ہے جیوانی خواہشات پر چوٹ پڑتی ہے، اور محسوس طور پر نظر آتا ہے کہ اس میں کمی آئی ہے، اس کے برخلاف اول الذکر صورت میں قبل اس کے کہ آدمی پر کوئی خاص اثر مرتب ہو، غذا کے تسلسل کی وجہ سے یہ بات پیدا نہیں ہو پاتی، دوسرے یہ کہ اول الذکر کے لئے کوئی عمومی قانون بنانا بہت مشکل بات ہے اس لئے کہ لوگ مختلف حالات رکھتے ہیں ایک آدمی ایک پاؤ

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ۔ ج ۲ ص ۳۷

www.abulhasanalinadwi.org

کھاتا ہے، دوسرا آدھ سیر کھاتا ہے، چنانچہ اس قسم کے تعین سے اگر ایک کا بھلا ہوگا تو دوسرے کا نقصان بھی ہوگا۔[۱]

وہ کہتے ہیں کہ اس تعین اور اوقات کی پابندی میں اعتدال ضروری ہے، لکھتے ہیں:۔

"یہ بھی ضروری تھا کہ یہ مدت تکلیف مالایطاق میں مبتلا کرنے والی نہ ہو مثلاً تین دن تین راتیں اس لئے کہ یہ شریعت کے موضوع سے خارج اور اس کے مقصد کے خلاف ہے، اور عام طور پر اس پر عمل بھی ناممکن ہے۔"[۲]

مسلسل روزہ یا توڑ توڑ کر؟

روزہ کی شکل قدیم مذاہب میں زیادہ تر یہ تھی کہ توڑ توڑ کر مختلف دنوں میں رکھتے تھے، وہ سال کے مختلف دنوں میں تقسیم تھا، نیز اس کے درمیان میں اتنے طویل وقفے ہوتے تھے کہ اس کی تاثیر ہی ختم ہو جاتی تھی اور قبل اس کے کہ انسان کے رجحانات و خیالات اور جذبات و احساسات پوری طرح اس رنگ میں رنگ پائیں اس کا سلسلہ ٹوٹ جاتا تھا، حکمت و مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ یہ دن تسلسل کے ساتھ گزریں، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اس مسئلہ پر لکھتے ہیں:۔

"یہ ضروری تھا کہ کھانے پینے سے پرہیز کا موقع بار بار آئے تاکہ اطاعت کی مشق ہو ورنہ ایک دفعہ کا بھوکا رہنا (خواہ جس قدر سخت اور تکلیف دہ بھوک ہو) کچھ فائدہ نہیں پہونچا سکتا۔"[۳]

ان تمام پہلوؤں کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو نظر آئے گا کہ اسلامی شریعت ان تمام شرائط و صفات کی جامع ہے، اور اس سے وہ تمام روحانی اخلاقی، نفسیاتی اور اجتماعی فوائد اور ثمرات حاصل ہوتے ہیں جو مقصود ہیں، اور اس کا بڑا حصہ اس روزہ کی شکل میں ہے جو مسلمانوں پر فرض کیا گیا ہے۔

رمضان سے پہلے "عاشورا" کے روزہ کا حکم ہے جس کو یہودی رکھا کرتے تھے، اور حجاز کے عرب بھی اس کے عادی تھے، یہ موضوع تشریح طلب ہے، اور اس کو کسی قدر تفصیل سے یہاں بیان کیا جا رہا ہے۔

---

[۱] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۳۷ [۲] ایضاً ص ۳۱ [۳] ایضاً ص ۳۷

www.abulhasanalinadwi.org

عاشورا کا روزہ

امام بخاریؒ اپنی سند کے ساتھ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو آپؐ نے دیکھا کہ یہودی عاشورا کا روزہ رکھتے ہیں، آپؐ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ عرض کیا گیا کہ یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمنوں سے نجات دی تھی، اور حضرت موسیٰؑ نے اس کی یاد میں روزہ رکھا تھا، آپؐ نے فرمایا کہ میں موسیٰؑ کا تم سے زیادہ حقدار ہوں، پھر آپ نے اس دن روزہ رکھا اور اس کا حکم بھی دیا۔"[1]

مسلم کی روایت میں یہ ہے کہ "یہ بہت بڑا دن ہے، اس دن اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ اور ان کی قوم کو نجات دی تھی، اور فرعون اور اس کی قوم کو غرق کر دیا تھا، اس خوشی میں حضرت موسیٰؑ نے اس دن روزہ رکھا تھا۔" امام بخاری نے ہجرت کے باب میں ابی بشرؓ کی روایت سے اتنا اضافہ کیا ہے کہ "ہم بھی ان کی تعظیم میں روزہ رکھتے ہیں۔" امام مسلم ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو آپؐ نے دیکھا کہ یہودی عاشورا کا روزہ رکھتے ہیں، جب ان سے پوچھا گیا تو انھوں نے کہا کہ یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور بنی اسرائیل کو فرعون پر غالب کیا اس لئے ہم تعظیماً اس دن روزہ رکھتے ہیں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم موسیٰؑ کے تم سے زیادہ حق دار ہیں، پھر آپؐ نے اس دن روزہ کا حکم کیا۔"[2]

طبرانی معجم میں روایت کرتے ہیں کہ "جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو آپؐ نے دیکھا کہ یہودی عاشورا کا روزہ رکھتے ہیں، آپؐ نے دریافت فرمایا کہ یہ کون سا دن ہے؟ انھوں نے کہا کہ عاشورا، اس دن موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے نجات پائی تھی، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم موسیٰ کی اتباع کے زیادہ حق دار ہیں۔"

مشہور ماہر ریاضیات ابوالریحان بیرونی (م ۴۴۰ھ) نے اس کو بہت مستبعد قرار دیا ہے اور یہودی تقویم اور عربی تقویم کے موازنہ کے بعد ان احادیث کی صحت میں شک کیا ہے، وہ اپنی کتاب "الآثار الباقیہ عن القرون

---

[1] بخاری "کتاب الصوم"۔ [2] صحیح مسلم ج ۱ کتاب الصوم (باب الصوم یوم عاشورا)۔

www.abulhasanalinadwi.org

الخالیہ" میں لکھتا ہے :۔

"کہا جاتا ہے کہ عاشورا عبرانی لفظ ہے[1]، جو معرب ہو کر عاشورا ہو گیا ہے اس سے مراد یہود کے مہینہ "تشری" کا دسواں روز ہے جس کا روزہ "صوم الکبور" YOMKIPPUR کہلاتا ہے، اس کو عربوں کے مہینہ میں شمار کیا جانے لگا اور ان کے سب سے پہلے مہینہ کا دسواں روز قرار پایا جس میں یہودیوں کے پہلے مہینہ کا دسواں روز تھا، اس کا روزہ ہجرت کے پہلے سال فرض کیا گیا پھر اس کے بعد رمضان کے مہینہ نے اس کو منسوخ کر دیا، ایک روایت یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے اور آپؐ نے دیکھا کہ یہودی عاشورا کا روزہ رکھتے ہیں تو آپؐ نے اس کے متعلق دریافت فرمایا، لوگوں نے عرض کیا کہ یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کو غرق کر دیا تھا اور موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو نجات دی تھی، آپؐ نے یہ سن کر فرمایا کہ "ہم موسیٰؑ کے ان سے زیادہ حقدار ہیں" پھر آپؐ نے اس دن روزہ رکھا اور اپنے اصحاب کرام کو بھی اس کی ہدایت کی، جب رمضان کا روزہ فرض ہوا تو آپؐ نے عاشورا کے روزہ کا نہ حکم دیا، نہ اس سے منع ہی فرمایا، لیکن یہ روایت صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ تحقیق اس کے خلاف پڑتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہجرت کے پہلے سال محرم کا پہلا دن جمعہ کا تھا، جو ۱۶ تموز ۹۳۳ اسکندر کے مطابق ہے، دوسری طرف یہودیوں کے اس سال کا پہلا دن ۱۲ ایلول اتوار کا دن ہے، جو ۲۹ صفر کے مطابق ہے، اس لحاظ سے عاشورا کا روزہ ۹ ربیع الاول منگل کو ہونا چاہئے، جب کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہجرت ربیع الاول کے نصف اول ہی میں ہوئی ان دونوں تاریخوں کا تطابق ہر حالت میں ناممکن ہے"۔

وہ کہتا ہے کہ :۔

"ان کا یہ کہنا بھی کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کیا تھا تورات کی روایت کے خلاف ہے،

---

[1] ابن منظور نے لسان العرب (ج ۶ ص ۲۴۵) میں لکھا ہے کہ "عاشوراء و عشوراء دونوں مد کے ساتھ ہیں، یہ محرم کا دسواں دن ہے، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نواں ہے ازہری نے لکھا ہے کہ فاعولاء کے وزن پر اس قسم کے اسماء بہت کم آئے ہیں"۔

www.abulhasanalinadwi.org

اس کی غرقابی کا واقعہ تورات کے بیان کے مطابق ۲۱ نیسن ؟ میں پیش آیا تھا جو ایام الفطیر کا ساتواں دن ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری کے بعد یہودیوں کے عید الفصح کا پہلا روزہ منگل ۲۲ آذار ۹۳۳ سنہ اسکندری ہے جو ۱ رمضان کے مطابق ہے اس لئے اس روایت کی کوئی اساس نہیں ہے[1]

بیرونی کا یہ بیان (اس کی حساب دانی اور غیر معمولی ذہانت کے اعتراف کے ساتھ) متعدد مفروضوں پر قائم ہے۔

اس کا پہلا مفروضہ تو یہ ہے کہ یہ گفتگو جو حضرت ابن عباسؓ اور دوسرے صحابہ سے منقول ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری کے پہلے ہی دن ہوئی تھی، اس لئے کہ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

لما قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ أو لما دخل المدینۃ۔	جب حضور مدینہ تشریف لائے یا جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ میں داخل ہوئے۔

حالانکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ہجرت تو ربیع الاول کے نصف اول میں ہوئی تھی۔

یہ وہم دراصل فن حدیث سے اس کی بے تعلقی اور صحابہ کرام کے طرز کلام اور ان کی تعبیرات سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے، یہ اسلوب احادیث میں بکثرت ملتا ہے، ابوداؤد میں انس بن مالکؓ سے روایت ہے۔

قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ ولھم یومان یلعبون فیھما، فقال ما ھذان الیومان، قالوا: کنا نلعب فیھما فی الجاھلیۃ، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد أبدلکم اللہ بھما خیرا منھما یوم الأضحی ویوم الفطر۔	رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے اور وہاں دو دن ایسے تھے جن میں لوگ جشن مناتے تھے آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ دن کیسے ہیں عرض کیا گیا کہ عہد جاہلیت میں یہ ہمارے کھیل تماشے کے دن تھے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے بدل میں تم کو دو دن اس سے بہتر عطا کئے ہیں، عید الفطر اور عید الاضحی۔

---

[1] الآثار الباقیۃ عن القرون الخالیہ ص ۳۳۱

www.abulhasanalinadwi.org

تو کیا اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح ہوگا کہ آپ کی تشریف آوری عین اسی دن ہوئی تھی جو ان کے کھیل تماشہ کا دن تھا اور کیا دونوں ایک دن میں جمع ہو سکتے ہیں اسی قسم کی تعبیرات کھجور کی پیوندکاری وغیرہ کے سلسلہ میں بھی آئی ہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"ان کو اس حدیث میں اشکال محض اس خیال کی بنا پر ہوا کہ جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو آپ نے یہودیوں کو عاشورا کے روزہ کی حالت میں پایا اور آپ کی تشریف آوری مدینہ ربیع الاول میں ہوئی، اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث کا مفہوم وہ نہیں جو بیرونی نے سمجھا ہے، بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپؐ کو اس بات کا سب سے پہلے علم مدینہ تشریف لانے کے بعد ہوا اور آپؐ نے اس کے متعلق سوال بھی سب سے پہلے وہیں کیا مطلب یہ ہے کہ جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے اور عاشورا تک قیام فرمایا تو آپؐ نے دیکھا کہ یہود اس دن روزہ سے ہیں"[1]

اس کے بعد اب اس حدیث اور مذکورہ بالا حسابی تحقیق میں کوئی تضاد باقی نہیں رہتا۔

ان کا دوسرا مفروضہ یہ ہے کہ حدیث میں جس صوم عاشورا کا ذکر ہے وہ یہود کے مذہبی مہینہ "تشری" کا دسواں روز ہے جس کو "یوم کبور" کہا جاتا ہے یعنی کفارہ کا روزہ جو یہودیوں میں بہت مشہور و معروف ہے، اور جس کا اور تمام دنوں اور روزوں کی بہ نسبت زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے یہ ان کی شریعت اور مذہبی کتابوں میں اسی صیغہ یعنی YOM KIPPUR کے ساتھ مذکور ہے اور اس کو انگریزی میں DAY OF ATONEMENT. کہتے ہیں[2] لیکن یہ مفروضہ حدیث کے الفاظ کے خلاف ہے تو رات بھی اس کی تصدیق نہیں کرتی اس لئے کہ یہ ان کے کسی بہت بڑے گناہ اور کسی تاریخی اور قومی جرم[3] کے کفارہ کے طور پر رکھا گیا ہے اور اس کو غم و ماتم و تعذیب نفس کا دن کہا گیا ہے۔

"لاویین یا سفر الاحبار" میں کفارہ کے دن کا ذکر (جو ساتویں مہینہ "تشری" کا دسواں روز ہے) اس طرح

---

[1] فتح الباری ج ۷ ص ۲۳۳ تا ۲۳۶ [2] دیکھئے جویش انسائیکلوپیڈیا JEWISH ENCYCLOPAEDIA [3] یہ غالباً گوسالہ پرستی ہے۔

ملتا ہے:۔

"اور یہ تمہارے لئے ایک دائمی قانون ہو کہ ساتویں مہینہ کی دسویں تاریخ کو تم اپنی جان کو دُکھ دینا اور اس دن کوئی خواہ وہ دیسی ہو یا پردیسی جو تمہارے بیچ بود و باش رکھتا ہو کسی طرح کا کام نہ کرے، کیونکہ اس روز تمہارے واسطے تم کو پاک کرنے کے لئے کفارہ دیا جائے گا، سو تم اپنے سب گناہوں سے خداوند کے حضور پاک ٹھیرو گے"[1]

دوسری جگہ آتا ہے:۔

"اور خداوند نے موسیٰ سے کہا اسی ساتویں مہینہ کی دسویں تاریخ کو کفارہ کا دن ہے اسی روز تمہارا مقدس مجمع ہو اور تم اپنی جانوں کو دکھ دینا اور خداوند کے حضور آتشیں قربانی گزارنا، تم اس دن کسی طرح کا کام نہ کرنا کیونکہ وہ کفارہ کا دن ہے، جس میں خداوند تمہارے خدا کے حضور تمہارے لئے کفارہ دیا جائے گا"[2]

"گنتی" میں ایک جگہ آیا ہے:۔

"پھر اسی ساتویں مہینہ کی دسویں تاریخ کو تمہارا مقدس مجمع ہو، تم اپنی اپنی جان کو دکھ دینا اور کسی طرح کا کام نہ کرنا"[3]

اس کے برخلاف احادیث صحیحہ میں اس کی صراحت موجود ہے کہ عاشورا کا دن (جس میں مسلمانوں کو روزہ رکھنے کا حکم ہے) یہود کے نزدیک بہت خوشی و مسرت اور عید کا دن تھا، امام بخاری حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت کرتے ہیں کہ "یہودی عاشورا کو عید کا دن سمجھتے تھے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ تم اس میں روزہ رکھو"[4]

امام مسلم قیس بن مسلمؒ سے اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ "اہل خیبر عاشورا کا روزہ رکھتے تھے اور اس کو عید کے جشن کی طرح مناتے تھے، اور اس دن اپنی عورتوں کو زیور اور بہترین پوشاکیں پہناتے تھے،

---

[1] احبار باب ۱۶ آیات (۲۹-۳۰-۳۱) کتاب مقدس (پرانا اور نیا عہد نامہ) برٹش اینڈ فارن بائیبل سوسائٹی لاہور۔

[2] ایضاً باب ۲۳ (۲۶-۲۷-۲۸) [3] گنتی باب ۲۹ (۷) [4] کتاب الصوم (باب صیام یوم عاشورا۔ ج ۴)

www.abulhasanalinadwi.org

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اس میں روزہ رکھا کرو۔"

کریب بن سعد عمر بن الخطابؓ سے روایت کرتے ہیں کہ "اللہ تعالےٰ قیامت کے روز تم سے دو ہی روزوں کے متعلق سوال کرے گا رمضان کا روزہ اور زینت کے دن (یعنی عاشورا) کا روزہ۔"[1]

ان تمام باتوں کے پیش نظر یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ یہ کفارہ کا دن ہے اگر یہ مان لیا جاتا ہے تو یہ دن حزن وملال غم وماتم اور عقوبت وتعزیر کا دن ہونا چاہیئے اس لئے کہ حدیث میں جس عاشورا کا ذکر ہے اس کو خوشی ومسرت اور زینت وتجمل کا دن قرار دیا گیا ہے۔

یہ غلط فہمی بیرونی کے علاوہ بہت سے مشرقی ومغربی فضلاء اور محققین کو بھی ہوئی ہے عصر حاضر کے جدید مصنفین کا رجحان بھی اسی طرف ہے (JUDAISM IN ISLAM) کا مصنف کفارہ کے دن کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:۔

"محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ابتدا میں اس کو مسلمانوں کے روزہ کا دن قرار دیا۔"[2]

یہودیوں کا عاشورا کے متعلق یہ قول کہ یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالےٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمنوں سے نجات دی خود اس سلسلہ میں ایک میزان قرار دیا جا سکتا ہے اس لئے کہ یہ تعریف خود بخود اسی دن پر منطبق ہوتی ہے جس دن اللہ تعالےٰ نے بنی اسرائیل کو فرعون اور آل فرعون سے نجات عطا فرمائی اس دن کا نام تورات میں متعدد جگہوں پر صراحت کے ساتھ "ابیب" آیا ہے جس کو بعد میں "نیسان" کہا جانے لگا، بستانی کے دائرۃ المعارف میں "ابیب" (ABIB) کے سلسلہ میں یہ الفاظ ملتے ہیں:۔

"یہ ایک عبرانی لفظ ہے جس کے معنی "سبز" کے ہیں، یہ عبرانی سال کے پہلے مہینہ کا نام ہے اس کا نام موسیٰ علیہ السلام کا رکھا ہوا ہے اور یہ قریب قریب "نیسان" (اپریل) کے مطابق ہے جب اسرائیلی بابل میں جلاوطن کئے گئے تو انھوں نے اس کا نام بدل کر نیسان کر دیا یعنی پھولوں کا مہینہ اسی کے وسط میں ان کی عید الفطیر بھی

---

[1] ابن مردویہ کنز العمال ج ۴ ص ۳۴۴ [2] JUDAISM IN ISLAM

www.abulhasanalinadwi.org

ہوتی ہے (خروج ۱۲: ۱۸)[1]

اس کا اعتراف خود سیرولی نے بھی اپنی ایک گذشتہ عبارت میں کیا ہے، وہ کہتے ہیں:۔

"ان کا یہ قول کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کیا تھا تورات کے خلاف ہے اس لئے کہ اس کی غرقابی کا واقعہ ۲۱ نیسن (نیسان) کو پیش آیا جو ایام الفطیر کا ساتواں دن ہے (تورات (خروج ۱۲-۸) میں ہے کہ پہلے مہینہ میں چودھویں روز شام کے وقت تم فطیر کھاؤ گے اور اس کا سلسلہ مہینہ کی ۲۱ تاریخ کی شام تک جاری رہے گا۔")

ان تمام مذکورہ بالا نصوص کے مطالعہ، نیز یہود کی شریعت و تاریخ اور قومی خصائص و عادات کے جائزہ کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ جس عاشورا کا ذکر حدیث میں ابن عباسؓ وغیرہ سے مروی ہے اور جس میں مسلمانوں کو روزہ کی ہدایت کی گئی ہے، اور جو رمضان سے قبل عزیمت کے دائرہ میں آتا تھا اس سے سب سے زیادہ مشابہ اور قریب ترین دن وہ ہے جو قدیم مہینہ "ابیب" (یا نیسان) کے وسط میں پڑتا ہے جس کا نام یہودیوں نے اپنی بابل میں جلاوطنی کے بعد بدل دیا تھا، نیز اس کی حیثیت روز عید کی طرح تھی جس میں وہ مسرت و انبساط کا اظہار کرتے تھے، اور جشن کی طرح اس کو مناتے تھے[2] اور یہی وہ دن ہے جس میں بنی اسرائیل مصر سے نکلے اور فرعون غرق ہوا، اصحاح ۳۴ میں لکھا ہے کہ:۔

"اور موسیٰ نے لوگوں سے کہا کہ تم اس دن کو یاد رکھنا جس میں تم مصر سے جو غلامی کا گھر ہے نکلے کیونکہ خداوند اپنے زور بازو سے تم کو وہاں سے نکال لایا، اس میں خمیری روٹی کھائی نہ جائے، تم ابیب کے مہینہ میں آج کے دن نکلے ہو۔"[3]

---

[1] بتاتی کہتے ہیں کہ اسرائیلیوں کے موجودہ مہینے اس طرح ہیں کہ ان کے سال کا پہلا مہینہ تشری ہے، اور اس لحاظ سے "ابیب" کا مہینہ سال کا ساتواں مہینہ قرار پاتا ہے۔ [2] بعض لوگوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ عید اور روزہ کا جوڑ ذرا مشکل سے سمجھ میں آنے والی چیز ہے، لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس خیال کی بنیاد صرف یہ ہے کہ ہم عیسائیوں اور یہودیوں کے روزہ کو اسلامی روزہ پر قیاس کرنے لگتے ہیں، بولیش انسائیکلوپیڈیا میں ساتویں مہینہ کے اوائل کے متعلق وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ "یہ روزہ اور عید کا دن ہے"۔ [3] خروج باب ۱۳ (۳)۔

www.abulhasanalinadwi.org

بہرحال ترجیح اسی بات کو ہے کہ یہ دن ہجرت کے دوسرے سال عربی مہینہ محرم کی دسویں تاریخ کے مطابق تھا پھر رمضان نے آکر اس کو منسوخ کیا۔

اس کے علاوہ قمری اور عربی تقویم کے ساتھ شمسی اور یہودی تقویم کی تطبیق بجائے خود ایک تخمینی چیز ہے اور اس میں "نسیٔ" کو بھی دخل ہے (یعنی ایک مہینہ کو حسب خواہش اور ضرورت دو تین ماہ تک ملتوی سمجھنا اور اس کو کسی دوسری تاریخ اور دوسرے مہینہ کے بعد رکھ لینا) جیسا کہ اسلام سے قبل اور اسلام کے بعد بہت سے عربوں میں دستور تھا، یہاں تک کہ اس آیت کے ذریعہ اس کی ممانعت فرمائی گئی ——

—— "اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَةٌ فِی الْکُفْرِ یُضَلُّ بِهِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا"[1] اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا کہ: "بے شک زمانہ اپنی اس شکل کو پھر لوٹ گیا ہے، جو زمین و آسمان کی پیدائش کے وقت تھی" آپ کا یہ فرمانا اللہ تعالیٰ کی وحی اور الہام کی بنیاد پر تھا، اس لئے کہ عربی تقویم میں اس قدر اضطراب واقع ہو چکا تھا کہ اس پر کسی طرح اعتماد ممکن نہ تھا اور نہ محض حساب کے زور سے اس کو اس کی اصل قدیم سے مربوط کیا جا سکتا تھا، اس لئے یہ کسی طرح درست نہیں کہ محض اس مضطرب اور ناقابل اعتماد تقویم کی بنیاد پر جو جاہلیت اور اسلام دونوں میں ناقابلِ اعتماد تھی، صحیح اور متواتر احادیث کی صحت میں شک کیا جائے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ مدینہ کے یہودی عاشورا کے روزہ میں منفرد ہوں اور اس کا دوسروں کی بہ نسبت زائد اہتمام و التزام کرتے ہوں اور اس مسئلہ میں ان عربوں کے ساتھ ہم آہنگ ہوں جو یہ سمجھ کر کہ اس دن بڑے بڑے واقعات پیش آئے ہیں، اس میں تعظیماً روزہ رکھا کرتے تھے، حضرت عائشہؓ سے صحیح حدیث میں مروی ہے کہ "قریش جاہلیت میں عاشورا کے دن روزہ رکھتے تھے، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی اس دن روزہ رکھتے تھے"[2] اس کے علاوہ مختلف ملکوں اور علاقوں میں یہودیوں کے روزے مختلف تھے، جن میں بعض یہودی روزہ رکھتے تھے اور بعض نہ رکھتے تھے، اس سلسلہ میں جو بیش انسائیکلوپیڈیا میں جو کچھ آیا ہے، اس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے

---

[1] مہینوں کا ہٹا دینا کفر میں اور ترقی کرنا ہے، اس سے (عام) کفار گمراہ کئے جاتے ہیں (سورۂ توبہ ۳۷) [2] صحیح مسلم کتاب الصوم "باب صوم عاشوراء"

www.abulhasanalinadwi.org

اوراس میں اس کی صراحت موجود ہے کہ "کچھ مقامی اور قومی روزے بھی تھے جو ملکوں اور علاقوں کے اختلاف کے ساتھ جہاں یہود قدیم زمانہ سے آباد تھے ایک دوسرے سے مختلف تھے ایک جگہ لکھا ہے کہ "بہت سے ایسے روزے تھے جو کچھ طبقوں میں رائج تھے کچھ میں نہیں اور ان کو تاریخی واقعات کی یادگار کے طور پر رکھا جاتا تھا" اس لئے یہ کچھ مستبعد نہیں کہ عاشورا کا روزہ اور پہلے عربی مہینہ کے دسویں دن اس کا التزام یہود عرب کے ساتھ مخصوص ہو، شاید یہی وجہ ہے کہ یہودی مصادر و مراجع بھی اس سلسلہ میں خاموش ہیں، اکثر مورخین نے اس کو یہودیوں کے مشہور عام کفارہ کے روزہ پر محمول کیا ہے جس کو ہر یہودی اپنے اوپر فرض سمجھتا ہے، خواہ وہ کسی جگہ آباد ہو، چنانچہ جن لوگوں نے اس کو کفارہ پر محمول کیا انھوں نے احادیث کی صحت میں بھی شبہہ ظاہر کیا، لیکن یہ عاجلانہ فیصلہ دراصل یہودیوں کے عادات و خصائص اور مختلف ملکوں میں ان کے مذاہب اور فرقوں سے ناواقفیت اور حجاز کے ان یہودیوں کے سلسلہ میں معلومات کی کمی اور مراجع کی خاموشی کا نتیجہ ہے، جو صدیوں اور نسلوں سے ایک مستقل بالذات قوم کی حیثیت سے وہاں مقیم تھے مخصوص عقائد، اخلاق اور عادات رکھتے تھے اور دنیا کی دوسری قوموں، تہذیبوں، ثقافتوں، زبانوں اور لہجوں کی طرح اپنے ماحول اور گرد و پیش سے قدرتی طور پر متاثر تھے۔[1]

روزہ کا حکم اور اس سلسلہ کی آیات

ان نازک اور اعلیٰ مصالح کی رعایت، اور بلند دنیوی و اخروی مقاصد کی تکمیل کے لئے جو علم و ذہانت کی دسترس سے ماورا ہیں، اس روح کی چارہ سازی کے لئے جو معدہ اور شکم کے بوجھ کے نیچے دب گئی تھی، اور "ہوا و ہوس" اور "نائے و نوش" کے جنون اور غلبہ کی وجہ سے نیم جان اور زار و نزار ہو رہی تھی، نیز اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے جس کو خلافت کہا جاتا ہے، اور جس میں اعتدال و توازن اور صبر و تحمل کی سب سے زیادہ ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ نے روزہ کا حکم مسلمانوں کے لئے نازل فرمایا، لیکن یہ روزہ ہجرت کے بعد اس وقت فرض کیا گیا جب سختیوں کے بادل

---

[1] عاشوراء کی بحث میں مصنف کو مولانا ابو الجلال صاحب ندوی مرحوم کے اس محققانہ مضمون سے بڑی مدد ملی ہے جو "معارف" اعظم گڑھ اگست ۱۹۴۷ء میں شائع ہوا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

چھٹ گئے، عسرت و تنگ دستی کا دور ختم ہوا اور مسلمانوں نے مدینہ میں اطمینان کی سانس لی اور ان کی زندگی کشادگی اور آرام کے ساتھ بسر ہونے لگی، ایسا شاید اس لئے ہوا کہ اگر پریشان حالی کے دور میں روزہ کا حکم نازل ہوتا تو بہت سے لوگ اس کو مجبوری کا روزہ اور معاشی حالات اور اس ماحول کا نتیجہ سمجھتے جو مکہ میں تھا، اور یہ محسوس کرتے کہ روزہ صرف فقراء و مساکین اور مصیبت زدوں اور مظلوموں کے لئے ہے، اغنیاء اور خوش حال لوگ جو باغات اور زمینوں کے مالک ہیں[1] اس سے مستثنیٰ ہیں۔

اس کے علاوہ روزہ کی فرضیت کی آیت اس وقت نازل ہوئی جب عقیدہ مسلمانوں کے دلوں میں اچھی طرح پیوست اور پختہ ہو چکا تھا، اور نماز سے بھی ان کو غایت درجہ تعلق بلکہ عشق پیدا ہو گیا تھا، تمام مسلمان احکام الٰہی اور قوانین شریعت کے سامنے ہر لمحہ سر تسلیم خم کرنے پر تیار تھے، اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے وہ اس کے منتظر ہی ہوں، علامہ ابن القیم نے اس نکتہ کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

"چونکہ مالوفات و خواہشات سے انسان کو چھڑانا سب سے مشکل اور دیر طلب کام ہے اس لئے اس کی فرضیت کا حکم ہجرت کے بعد اس وقت تک نازل نہیں ہوا جب تک اس کا اطمینان نہیں ہو گیا کہ اب توحید اور نماز ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کر چکی ہے، اور اوامر قرآنیہ سے ان کے دل پوری طرح مانوس ہیں، چنانچہ ہجرت کے دوسرے سال روزہ کا حکم آیا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا سے تشریف لے جانے سے قبل ۹ رمضانوں کے روزے رکھے"[2]

جس آیت کے ذریعہ روزے فرض ہوئے وہ آیت یہ تھی:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا	اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جیسا کہ ان لوگوں
كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝	پر فرض کئے گئے تھے جو تم سے قبل ہوئے ہیں عجب نہیں کہ تم متقی
أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ ۚ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ	بن جاؤ (یہ روزے) گنتی کے چند روز کے (ہیں) پھر تم میں سے

---

[1] مدینہ میں انصار کی معاشی حالت بہت اچھی تھی ان میں سے اکثر باغات اور کھیتوں کے مالک تھے اور مال و دولت رکھتے تھے، مہاجرین بھی یہاں آکر تجارت میں مشغول ہوئے اور اس کے نتیجہ میں ان کے یہاں بھی خوشحالی پیدا ہو گئی۔ [2] زاد المعاد۔ ج ۱ ص ۱۵۲

سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ وَعَلَى الَّذِيْنَ	جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو اس پر دوسرے دنوں کا شمار
يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ	رکھنا (لازم ہے) اور جو لوگ اسے مشکل سے برداشت کر سکیں

لہ جن لوگوں نے عربی زبان و ادب کا کچھ مطالعہ کیا ہے اور اس کے طرز ادا اور اسالیب بیان سے آشنا ہیں، وہ جانتے ہیں کہ "طاقت" اور "قدرت" کا لفظ عربی زبان میں کئی طرح استعمال کیا جاتا ہے اس کا پہلا درجہ "استطاعت" ہے اور آخری درجہ "اطاقت" آخر الذکر کا استعمال اس مفہوم میں کیا جاتا کہ یہ کام اس درجہ سخت تھا کہ اس نے ساری قوت نچوڑ لی اور گویا کمر توڑ دی چنانچہ اگر کوئی یہ کہنا چاہے کہ میں لقمہ اپنے منہ میں لے جانے کی طاقت رکھتا ہوں تو عربی کے لحاظ سے وہ "انی اطیق" نہیں کہے گا اسی طرح قلم پکڑنا، اور اس طرح کے وہ تمام کام جن میں کوئی دشواری نہیں ہوتی البتہ اگر کسی کو یہ کہنا ہو کہ میں بھاری پتھر اٹھا سکتا ہوں یا مسلسل روزے رکھ سکتا ہوں یا رات بھر نماز پڑھ سکتا ہوں تو اس کے لئے اطیق کا لفظ استعمال کر سکتا ہے ماہرین لغت اور محققین نے اس پر سیر حاصل بحث کی ہے علامہ ابن منظور "لسان العرب" میں لکھتے ہیں۔ الطوق الطاقة سے مراد اس کا انتہائی آخری درجہ ہے جس چیز کے لئے غایت درجہ مشقت برداشت کرنا پڑے یہ لفظ اس کے لئے بولا جاتا ہے "تاج العروس" میں ہے "الطوق الوسع والطاقة" لیث کا شعر ہے ؎

كل امرئ مجاهد بطوقه ... والثور يحمي أنفه بروقه

کہتے ہیں کہ ہر آدمی اس کا مکلف ہے جس کی وہ طاقت رکھے، علامہ راغب اصفہانی "مفردات غریب القرآن" میں لکھتے ہیں "طاقة" کام کی اس مقدار کو کہتے ہیں جس کو انسان مشقت کے ساتھ انجام دے سکے، یہ اس "طوق" سے مشتق ہے جو کسی چیز کو گھیر لیتا ہے قرآن شریف کی اس آیت "وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ" سے مراد یہی ہے کہ جس کا انجام دینا ہمارے لئے بیحد دشوار ہے اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ ہمارے اوپر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہم مطلقاً قدرت نہیں رکھتے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ انسان پر صرف اتنا ہی بوجھ رکھتا ہے جتنا وہ اٹھا سکے جیسا کہ ارشاد ہے "وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ" اور "وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ" (یعنی ہم نے مشکل عبادتیں آپ کے لئے ہلکی کر دیں) اسی طرح "قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ" سے مراد یہی ہے کہ کبھی کبھی تو سعاً (نفی کے موقع پر) طاقت کے لئے قدرت کا لفظ بھی استعمال کر دیا جاتا ہے اب "علی الذین یطیقونہ" کا مطلب یہ ہوا کہ وہ لوگ جو غایت درجہ مشقت، تعب اور جانفشانی کے ساتھ روزہ رکھ سکیں یعنی وہ بوڑھے مرد یا عورتیں جو بیماری یا ہلاکت کا خطرہ مول لینے کے بعد روزہ رکھنے کی ہمت کر سکتی ہیں۔

ابن عباسؓ نے اس آیت کا جو مفہوم سمجھا تھا وہ بھی یہی ہے بخاری، ابو داؤد اور صحاح میں ان سے مروی ہے کہ (باقی ۲۵۵ پر)

www.abulhasanalinadwi.org

خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ ۚ وَأَن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ	ان کے ذمہ فدیہ ہے (کہ وہ) ایک مسکین کا کھانا ہے اور
إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي	جو کوئی خوشی خوشی نیکی کرے اس کے حق میں بہتر ہے اور

(باقی صفحہ ۲۵۴ کا) آیت بہت ہی بوڑھے مرد یا عورت کے لئے آئی ہے" امام بخاری نے ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انھوں نے یہ آیت "وعلی الذین یطیقونہ" پڑھی اور کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو سخت تکلیف کے ساتھ رکھ سکیں" یہ آیت بوڑھے مرد اور بوڑھی عورت کے لئے ہے جو لوگ روزہ کے فدیہ کے طور پر ایک مسکین کو کھانا کھلا سکتے ہیں قضا ان پر واجب نہ ہوگی" دار قطنی میں عطاء سے جو ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں مروی ہے کہ "جو لوگ بہ مشقت تمام روزہ رکھ سکتے ہوں ان پر ایک مسکین کو کھلانے کا فدیہ ہوگا جو نیکی کے جذبہ کے ساتھ اس میں اضافہ کرے یعنی ایک دو مسکین کو بھی شامل کرے تو یہ بہتر ہے" وہ کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔ انھوں نے بوڑھے آدمی کو اس کی رخصت دی ہے کہ وہ اپنے جیسے سن رسیدہ شخص کو کھانا کھلائے جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ طحاوی نے بھی حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ "علی الذین یطیقونہ" کے متعلق انھوں نے کہا کہ بہ مشقت تمام روزہ رکھیں یعنی حاملہ عورت، بہت سن رسیدہ شخص، بیمار اور جس کو پھیپھڑوں کی دائمی شکایت ہو۔ حضرت علیؓ، ابو ہریرہؓ جیسے کبار صحابہؓ سے بھی یہی تفصیل منقول ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جب وہ بہت سن رسیدہ ہو گئے تو اس پر عمل کرنے لگے، (بخاری میں بھی یہ حدیث درج ہے) خالد الحذاء راوی عکرمہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ "علی الذین یطیقونہ" کو منسوخ نہیں سمجھتے تھے، حجاج ابو اسحاق سے وہ حارثؓ سے وہ حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ "علی الذین یطیقونہ" سے مراد بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت ہے، سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ ابن عباسؓ کے پاس ایک باندی تھی جو روزہ کی حالت میں بچہ کو دودھ پلاتی تھی اور اس کی وجہ سے تکلیف میں تھی، آپ نے اس سے کہا کہ تم افطار کر لو اس لئے کہ تم بھی "علی الذین یطیقونہ" میں شامل ہو۔

اس طرح پر "کتب علیکم الصیام" کا خطاب تین قسم کے لوگوں کی طرف ہے اول تندرست اور تندرست ان پر روزہ بالکل حتمی ہے، دوسرے مریض اور مسافر ان کے لئے افطار جائز اور قضا واجب ہے، تیسرے وہ جن پر روزہ کسی لاعلاج بیماری کی وجہ سے سخت دشوار اور ناقابل برداشت ہو، شاذ بڑھاپا یا کوئی مزمن بیماری، یہ لوگ روزہ افطار کر سکتے ہیں لیکن اس کے فدیہ میں ان کو روزانہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہوگا، اسی طرح حاملہ یا دودھ پلانے والی عورت یا افطار کرے گی اور قضا کرے گی اس طرح آیت کا حکم اپنی حالہ ہے، اس میں نسخ کسی کلمہ کو حذف یا زائد سمجھنے یا اس میں تکلف سے کام لینے کی کوئی ضرورت نہیں بعض کبار صحابہ کا یہی مسلک تھا اور اسی طرح اس مسلک میں کوئی شذوذ یا غرابت باقی نہیں (باقی صفحہ ۲۵۶ پر)

www.abulhasanalinadwi.org

أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ	اگر تم علم رکھتے ہو تو بہتر تمہارے حق میں بھی ہے کہ تم روزے
الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ	رکھو، ماہِ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا ہے، وہ لوگوں کے
فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ	لئے ہدایت ہے اور (اس میں) کھلے ہوئے دلائل ہیں ہدایت

(باقی ص۲۵۵ کا) رہتی، جہاں تک اس آیت کے منسوخ ہونے کے سلسلہ میں بعض کبار صحابہؓ کی رائے کا تعلق ہے اور اکثر متقدمین نے اسی کو ترجیح دی ہے اور تفسیر و حدیث کی متداول کتابوں میں بھی عام معروف مسلک یہی ہے، اس کا اصل سبب صحابۂ کرامؓ کی تعبیرات اور طرز کلام کو عہد آخر کے منضبط اصولی مباحث پر قیاس کرنا اور ان کے الفاظ و تعبیرات کو ان مباحث پر کلی طور پر محمول کرنا ہے، اس لئے کہ صحابۂ کرامؓ اور متقدمین ان الفاظ کے اطلاق میں بہت متوسع تھے اور کبھی کبھی صرف اس کے کسی لغوی معنی کی طرف اشارہ کرتے تھے اور بعض وقت ادنیٰ مناسبت اور تعلق سے بھی ایسے الفاظ استعمال کرتے تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے اس مسئلہ پر جو کلام کیا ہے، اس کا اقتباس یہاں پیش کیا جاتا ہے، وہ کہتے ہیں:۔

"فن تفسیر میں جس کا میدان بہت وسیع اور اختلاف بہت زیادہ ہے سب سے مشکل مقام ناسخ و منسوخ کی پہچان ہے اور اس دشواری اور پیچیدگی کا سب سے بڑا سبب متقدمین و متاخرین کی اصطلاحات کا فرق ہے، صحابۂ کرام اور تابعین کے اقوال اور طرز کلام کو دیکھ کر ہمیں جس بات کا اندازہ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ لوگ نسخ کو اس کے لغوی معنی (یعنی ایک چیز کو ہٹا کر دوسری چیز لانے) کے معنی میں استعمال کرتے تھے، اہل اصول کی اصطلاحات کے مفہوم میں نہیں، صحابہ کرام کے نزدیک آیت کے بعض اجزا یا بعض اوصاف کو بھی دوسری آیت سے منسوخ سمجھا جا سکتا ہے، کبھی اس کی مدت کے اختتام کی بنیاد پر کبھی بات کا رخ متبادر سے غیر متبادر کی طرف پھیر کر، یا کسی قید کے اتفاقی ہونے یا عمومی تخصیص کی بنا پر کبھی منصوص اور قیاس ظاہر کی فرق کی روشنی میں، یا جاہلیت کی عادات اور گذشتہ شریعتوں کی نسوخی کے باب میں، اس میں نسخ کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا، عقل کو اپنی جولانی دکھانے کا خوب موقع ملا، اور اختلاف کی کثرت ہوئی" (الفوز الکبیر فی اصول التفسیر)

اس قول کو ہمارے زمانہ کے بعض ممتاز ترین علماء اور محققین نے بھی ترجیح دی ہے جن میں مولانا انور شاہ کشمیری، مولانا شمس الحق ڈیانویؒ اور مولانا سید سلیمان ندویؒ شامل ہیں، مصر کے مفتی محمد عبدہٗ سے بھی یہی قول مشہور ہے اور ان کے شاگرد رشید سید رشید رضا نے تفسیر "المنار" میں اس قول کو ان کی طرف منسوب کیا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝

(سورۂ بقرہ۔ ۱۸۳ تا ۱۸۵)

اور (حق و باطل میں) امتیاز کے، سو تم میں سے جو کوئی اس مہینہ کو پائے لازم ہے کہ وہ (مہینہ بھر) روزہ رکھے، اور جو کوئی بیمار ہو، یا سفر میں ہو تو (اس پر) دوسرے دنوں کا شمار رکھنا (لازم ہے) اللہ تمہارے حق میں سہولت چاہتا ہے اور تمہارے حق میں دشواری نہیں چاہتا، اور یہ (چاہتا ہے) کہ تم شمار کی تکمیل کر لیا کرو، اور یہ کہ تم اللہ کی بڑائی کیا کرو، اس پر کہ تمہیں راہ بتا دی، عجب نہیں کہ تم شکر گذار بن جاؤ۔

یہ آیات جن میں پہلی بار روزہ فرض قرار دیا گیا ان خشک قوانین کی طرح نہیں تھیں جو محض اس سیاسی اور اجتماعی رابطہ کی بنیاد پر نافذ کیا جاتا ہے جو معاشرہ کے ایک فرد اور حکومت کے درمیان قائم ہوتا ہے، یہ آیات ایمان و عقیدہ، عقل و ضمیر اور قلب و جذبات سب کو بیک وقت اپیل کرتی ہیں، اور ان تمام چیزوں کو غذا پہونچاتی ہیں، اور محض قانون کے اجراء ہی کے لئے نہیں خوشدلی کے ساتھ اس کے استقبال کے لئے بھی فضا سازگار کرتی ہیں، یہ قرآن کے..... اصولِ دعوت، علم النفس اور حکیمانہ قانون سازی کا ایک ناقابلِ انکار معجزہ ہے۔

تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ۔ (حٰمٓ سجدہ۔ ۴۲) (یہ کلام) نازل ہوا ہے (خدائے) باحکمت و محمد کی طرف سے

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو اس قانون کے مکلف ہیں "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا" سے خطاب کیا ہے، اور اس طرح گویا ان کو پہلے ہی سے ان تمام احکام کی تعمیل اور بجا آوری کے لئے تیار کر دیا ہے، جو ان کو خدا کی طرف سے دیئے جائیں، خواہ وہ ان کے نفس پر کتنے ہی شاق اور گراں کیوں نہ ہوں، اس لئے کہ ایمان کا یہی تقاضا اور مطالبہ ہے، اگر کوئی اللہ تعالیٰ پر ایمان لا چکا ہے، اس کو اپنا معبود اور رب، امر و نہی کا مالک اور اطاعت و فرماں برداری کے لائق تسلیم کر چکا ہے، اور اپنی زمام کار اس کے حوالہ کر چکا ہے، اور دل و جان سے اس کی محبت میں سرشار ہے تو

www.abulhasanalinadwi.org

اس کو بجا طور پر اس کے ہر حکم، ہر قانون، ہر فیصلہ اور ہر مطالبہ کے سامنے بے چوں وچرا سر تسلیم خم کر دینا چاہئے۔

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى	ایمان والوں کا قول تو یہ ہے جب وہ بلائے جاتے ہیں
اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا	اللہ اور اس کے رسول کی طرف کہ (رسول) ان کے درمیان
سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (سورۂ نور۔ ۵۱)	فیصلہ کر دیں تو وہ کہہ اٹھتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا۔
وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ	اور کسی مومن یا مومنہ کے لئے یہ درست نہیں کہ جب
وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ	اللہ اور اس کا رسول کسی امر کا حکم دیدیں تو پھر ان کو
أَمْرِهِمْ (سورۂ احزاب۔ ۳۶)	اپنے (اس) امر میں کوئی اختیار باقی رہ جائے۔
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ	اے ایمان والو اللہ اور رسول کو لبیک کہو جبکہ وہ (یعنی
إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ (سورۂ انفال ۲۴)	رسول) تم کو تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بلائیں۔

یہ اس شریعت کی پابندی ہے جو اپنے تمام فرائض، عبادات، اور احکام وقوانین میں نفوس انسانی کے لئے آب حیات ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے ان پر روزہ فرض کیا، لیکن یہ مذاہب کی تاریخ میں پہلا موقع یا کوئی بدعت نہ تھی، اللہ تعالیٰ نے ان سے پہلے بھی سب اہل کتاب اور مذہب وشریعت کی حامل تمام قوموں پر روزہ فرض کیا تھا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس گرانی اور بوجھ کو کم کر دیا ہے، جو انسان کو تنہائی کے احساس سے ہوتا ہے، اگر آدمی کو معلوم ہو جائے کہ جس بات کا پابند اس کو کیا جا رہا ہے، وہ کوئی نئی بات نہیں ہے، اس کی نظیریں پہلے بھی گزر چکی ہیں، اور بہت سی قوموں اور ملتوں نے اس کی پابندی کی ہے تو اس کو وہی چیز کسی قدر آسان معلوم ہونے لگے گی، اور ہمت پہلے سے بڑھ جائے گی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ یہ کوئی ایسی چیز نہیں جس کا مقصد بلاوجہ مشقت یا آزمائش میں ڈالنا ہو، یہ ریاضت وتربیت اور اصلاح وتزکیہ کے لئے ہے، یہ دراصل اخلاقی تربیت گاہ ہے، جہاں سے آدمی کامل ہو کر اس طرح نکلتا ہے کہ خواہشات کی لگام اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے، خواہشات اس پر

www.abulhasanalinadwi.org

حکومت نہیں کرتیں بلکہ وہ خواہشات پر حکومت کرتا ہے، جب وہ محض اللہ کے حکم سے مباح اور پاک چیزوں کو ترک کر دیتا ہے تو ممنوعات و محرمات سے بچنے کی کوشش کیوں نہ کرے گا؟ جو شخص ٹھنڈے میٹھے پانی اور پاکیزہ و لذیذ غذا کو خدا کی فرماں برداری میں چھوڑ سکتا ہے، وہ حرام اور نجس چیزوں کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا کیسے گوارا کر سکتا ہے، اور یہی "لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ" کا مفہوم ہے۔

پھر یہ ارشاد ہوتا ہے کہ مہینہ کی گنتی کو زیادہ نہ سمجھنا، یہ تو چند گنے چنے دن ہیں، جو مسلسل گزرتے ہیں اور دیکھتے دیکھتے ختم ہو جاتے ہیں، اس کے علاوہ اس ایک مہینہ کی (جس میں صرف دن کا روزہ ہوتا ہے) سال بھر کے شب و روز سے نسبت ہی کیا ہے، جو راحت و لذت اور سکون و فراغت کے ساتھ گزرتے ہیں؟ تاہم مریض اور مسافر نیز ان لوگوں کو جو روزہ رکھنے سے عاجز و معذور ہوں اس سے مستثنیٰ کیا گیا ہے۔

پھر اس مہینہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے جس میں روزہ فرض کیا گیا ارشاد ہوتا ہے کہ یہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا اور نسل انسانی کو نئی زندگی کا پیغام ملا، ایک مسلمان کے لئے اس سے زیادہ مفید و موزوں بات کیا ہو سکتی ہے کہ وہ اس مبارک مہینہ میں صیام و قیام کے ذریعہ نئی زندگی، نئے ایمان اور نئی قوت سے بہرہ مند ہو۔

یہ وہ اسلامی روزہ یا روحانی غذا ہے، جو بھرپور زندگی، ہر طرح کے فوائد اور ہر قسم کی برکتوں سے معمور اور ہر اس شکل پسندی، تشدد اور ناروا بوجھ سے خالی ہے، جو نفس انسانی کی طاقت سے باہر اور اس کی قوت برداشت سے زیادہ ہے۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ	اللہ تمہارے حق میں سہولت چاہتا ہے اور تمہارے
الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ	حق میں دشواری نہیں چاہتا، اور یہ (چاہتا ہے) کہ تم
عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝	شمار کی تکمیل کر لیا کرو اور یہ کہ تم اللہ کی بڑائی کیا کرو،
(سورۂ بقرہ۔ ۱۸۵)	اس پر کہ تمہیں راہ بتا دی، عجب نہیں کہ شکر گذار بن جاؤ۔

www.abulhasanalinadwi.org

روزہ کی خصوصیات اور اس کے فضائل و احکام

اسلام نے روزہ کا جو نقشہ پیش کیا ہے وہ قوانین و مقاصد دونوں کے لحاظ سے مکمل ہے، فائدہ کا سب سے زیادہ ضامن ہے، اور اس میں عزیز و علیم اور حکیم و خبیر خدا کی حکمت و مشیت پوری طرح جلوہ فگن ہے۔

اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ (سورۂ ملک - ۱۴) کیا وہی آگاہ نہ ہوگا جس نے پیدا کیا ہے؟ وہ تو (بڑا ہی) باریک بیں اور (پورا) باخبر ہے۔

اس نے پورا مہینہ (اور یہ رمضان کا وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا) مسلسل مہینہ بھر کے روزوں کے لئے مخصوص کیا ہے جس کے دنوں میں روزہ رکھنے کا حکم ہے، اور راتوں کو کھانے پینے کی اجازت ہے، اس وقت عربوں میں روزہ کا مفہوم یہی تھا، اور اسلام کی عالمی شریعت میں بھی اسی کا اعتبار اور اسی پر عمل ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں:۔

"(روزہ میں) دن کا دائرہ طلوع صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک ہے، اس لئے کہ عربوں کا حساب اور ان کے دن کی مقدار اسی بنیاد پر ہے، اور عاشوراء کے روزہ میں ان کے یہاں یہی بات معروف و مسلم تھی، مہینہ کا آغاز رویت ہلال سے ہے، اور رویت ہلال تک ہے، اس لئے کہ عربوں کا حساب شمسی مہینوں پر نہیں چلتا"[1]

رمضان کو روزہ کے ساتھ مخصوص کیوں کیا گیا؟

اللہ تعالیٰ نے روزے رمضان میں فرض کئے ہیں، اور دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم قرار دیا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ ان دو برکتوں اور سعادتوں کا اجتماع بڑی حکمت اور اہمیت کا

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۳۷

www.abulhasanalinadwi.org

حامل ہے اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ رمضان ہی وہ مہینہ ہے جس میں قرآن مجید نازل ہوا اور گم کردہ راہ انسانیت کو "صبح صادق" نصیب ہوئی، اس لئے یہ عین مناسب تھا کہ جس طرح طلوع صبح صادق روزہ کے آغاز کے ساتھ مربوط کردی گئی ہے، اسی طرح اس مہینہ کو بھی جس میں ایک طویل اور تاریک رات کے بعد پوری انسانیت کی صبح ہوئی پورے مہینہ کے روزے کے ساتھ مخصوص کر دیا جائے، خاص طور پر اس وقت جب کہ اپنی رحمت و برکت، روحانیت اور نسبت باطنی کے لحاظ سے بھی یہ مہینہ تمام مہینوں سے افضل تھا اور بجا طور پر اس کا مستحق تھا کہ اس کے دنوں کو روزے سے اور راتوں کو عبادت سے آراستہ کیا جائے۔[1]

روزہ اور قرآن کے درمیان بہت گہرا تعلق اور خصوصی مناسبت ہے اور اسی لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم رمضان میں تلاوت کا زیادہ سے زیادہ اہتمام فرماتے تھے، ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ سخی تھے، لیکن رمضان میں جب جبریلؑ آپ سے ملنے آتے اس زمانہ میں سخاوت کا معمول اور بڑھ جاتا، جبریلؑ رمضان کی ہر رات میں آپ کے پاس آتے اور قرآن مجید کا دور کرتے، اس وقت جب جبریلؑ آپ سے ملتے آپ سخاوت، داد و دہش اور نیکی کے کاموں میں تیز ہوا سے بھی تیز نظر آتے۔[2]

حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس مہینہ کو قرآن مجید کے ساتھ بہت خاص مناسبت ہے اور اسی مناسبت کی وجہ سے قرآن مجید اسی مہینہ میں نازل کیا گیا، یہ مہینہ ہر قسم کی خیر و برکت کا جامع ہے، آدمی کو سال بھر میں مجموعی طور پر جتنی برکتیں حاصل ہوتی ہیں، وہ اس مہینہ کے سامنے اس طرح ہیں جس طرح سمندر کے مقابلہ میں ایک قطرہ، اس مہینہ میں جمعیت باطنی کا حصول، پورے سال جمعیت باطنی کے لئے کافی ہوتا ہے، اور اس میں انتشار اور پریشان خاطری بقیہ تمام دنوں بلکہ پورے سال کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے، قابل مبارکباد ہیں وہ لوگ جن سے

---

[1] حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ کسی اور مہینہ کی تعیین ہونا ہی تھی تو اس کے لئے اس مہینہ سے بہتر کوئی مہینہ نہ تھا جس میں قرآن مجید نازل ہوا، ملت مصطفوی کی بنیاد مستحکم ہوئی، مزید براں یہ کہ شب قدر کا امکان بھی زیادہ تر اسی مہینہ میں ہے (حجۃ اللہ ج ۲ ص ۳۷) ۱۲ منہ علیہ

یہ مہینہ راضی ہو کر گیا اور ناکام و بدنصیب ہیں وہ جو اس کو ناراض کر کے ہر قسم کے خیر و برکت سے محروم ہو گئے۔"[1]

ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

"اگر اس مہینہ میں کسی آدمی کو اعمال صالحہ کی توفیق مل جائے تو پورے سال یہ توفیق اس کے شامل حال رہے گی اور اگر یہ مہینہ بے دلی، فکر و تردد اور انتشار کے ساتھ گزرے تو پورا سال اسی حال میں گزرنے کا اندیشہ ہے۔"[2]

حضرت ابوہریرہؓ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ "جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں، اور شیاطین کو پابہ زنجیر کر دیا جاتا ہے" اس سلسلہ کی احادیث بکثرت وارد ہوئی ہیں۔

عبادات کا عالمی موسم اور اعمال صالحہ کا جشنِ عام

ان تمام چیزوں نے رمضان کو عبادت، ذکر، تلاوت، اور زہد و تقویٰ کا ایک ایسا عالمی موسم اور جشنِ عام کا زمانہ بنا دیا ہے جس میں مشرق و مغرب کے تمام مسلمان، عالم و جاہل، امیر و فقیر، کم ہمت اور عالی حوصلہ ہر قسم اور ہر گروہ کے لوگ ایک دوسرے کے شریک و رفیق اور ہمدم و دمساز نظر آتے ہیں، یہ رمضان ایک ہی وقت میں ہر شہر، ہر گاؤں اور ہر دیہات میں ہوتا ہے، امیر کے محل اور غریب کی جھونپڑی دونوں میں اس کا جلوہ نظر آتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ نہ کوئی شخص خودسری اور خود رائی کرتا ہے، نہ روزے کے لئے دونوں کے انتخاب میں کوئی انتشار اور جھگڑا پیدا ہوتا ہے، ہر وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے دو آنکھیں عطا کی ہیں، عالم اسلام کے وسیع و عریض رقبہ میں ہر جگہ اس کے جلال و جمال کا مشاہدہ خود کر سکتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پورے اسلامی معاشرہ پر نورانیت اور سکینت کا ایک وسیع شامیانہ سایہ فگن ہے، جو لوگ روزہ کے معاملہ میں ذرا سست اور کاہل ہیں، وہ بھی عامۃ المسلمین سے علیحدگی کے ڈر سے روزہ رکھنے پر مجبور ہوتے ہیں، اور اگر کسی وجہ سے روزہ نہیں رکھتے تو چھپ کر

---

[1] مکتوبات امام ربانی ج ۱ ص ۔ [2] ایضاً ص ۴۵

اور شرم کے ساتھ کھاتے ہیں، سوائے ان چند ملحد اور فساق کے جن کو علانیہ بھی اس بے شرمی میں کوئی عار نہیں ہوتا، یا ان بیماروں اور مسافروں کے جو شرعاً معذور ہیں، یہ ایک اجتماعی اور عالمی روزہ ہے جس سے خود بخود ایک ایسی سازگار اور خوشگوار فضا پیدا ہوتی ہے جس میں روزہ آسان معلوم ہوتا ہے، دل نرم پڑ جاتے ہیں اور لوگ عبادتوں اور طاعتوں اور ہمدردی و غمخواری کے مختلف کاموں کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

عالمی فضا اور سوسائٹی پر اس کے اثرات

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی چشم بصیرت نے اس کیفیت کو اچھی طرح محسوس کیا تھا، وہ حدیث (اذا دخل رمضان فتحت ابواب الجنة الخ) کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

"روزہ چونکہ ایک عمومی اور اجتماعی شغل کی حیثیت رکھتا ہے، اس لئے وہ رسوم کی دسترس سے محفوظ ہے، اگر کوئی جماعت اور قوم اس کی پابندی کرتی ہے تو اس کے لئے شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں، جنتوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں"[1]

دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

"مسلمانوں کے مختلف طبقوں اور مختلف جماعتوں کا ایک وقت میں ایک چیز پر اجماع اور اجتماع جس میں سب ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں روزہ کو ان کے لئے آسان بنا دیتا ہے، اور اس سے ان کی بہت ہمت افزائی ہوتی ہے۔

اسی طرح ان کی یہ اجتماعیت خواص و عوام دونوں کے لئے ملکوتی برکتوں کے نزول کا باعث ہے اس میں اس کا امکان بھی بڑھ جاتا ہے کہ ان کے کاملین و واصلین پر جو انوار نازل ہوں وہ ان سے نیچے والوں کو بھی فیضیاب کرتے جائیں اور ان کی دعائیں ان کے پیچھے والوں تک پہونچتی رہیں"[2]

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۵۹ [2] ایضاً ج ۲ ص ۳۷

www.abulhasanalinadwi.org

فضائل اور اس کی قوت و تاثیر

زندگی نفس کی خواہشات اور عقل کے تقاضوں کی مستقل کشمکش کا نام ہے لیکن اس کشمکش میں ہمیشہ خواہشات ہی کی فتح نہیں ہوتی جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں ایسا خیال درحقیقت فطرت انسانی سے بدگمانی اور حقیقت سے روگردانی ہے۔

جو طاقت زندگی کے پہیہ کو تیزی کے ساتھ حرکت دیتی ہے اور جس کے دم سے دنیا کا بازار گرم اور اس کی رونق قائم ہے وہ نفع پر یقین ہے یہی وہ یقین ہے جو کسان کو سخت سردی کے موسم میں اپنے بستر سے اٹھا دیتا ہے اور اندھیرے منہ کھیت میں پہونچا دیتا ہے اور لُو کے تھپیڑوں اور سورج کی تپش میں کھیت جوتنے اور اپنا پسینہ بہانے کی قوت بخشتا ہے، یہی یقین ایک تاجر کو گھر بار اور راحت و آرام چھوڑ کر اپنے کاروبار میں مشغول ہونے پر آمادہ کرتا ہے، یہی یقین ایک فوجی کے لئے موت کو آسان اور زندگی کو دشوار بنا دیتا ہے، جو چیز اس کو اپنی محبوب اولاد کو چھوڑ کر بے تکلف میدان جنگ میں چلے جانے پر اکساتی ہے، وہ نفع کا یقین اور مستقبل میں کسی فائدہ کی توقع ہے اور یہی وہ محور ہے جس کے گرد زندگی کی چکی گھومتی ہے۔

لیکن اس یقین کے سوا ایک یقین اور ہے جو اپنی انقلاب آفرینی اور قوت و تاثیر میں اس یقین سے کہیں بڑھ کر ہے جس کی مثالیں اوپر پیش کی گئی ہیں، یہ ان منافع کے حصول کا یقین ہے جس کی خبر انبیاء کرام اس دنیا میں لے کر آئے اور وحی اور تمام آسمانی صحیفوں نے اس کی تصدیق اور تلقین کی، اس کو ہم خدا کی خوشنودی اور دنیا و آخرت میں اعمال کے بدلہ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

سب جانتے ہیں کہ روزہ صحت کے لئے بھی مفید ہے اور خالص طبی نقطۂ نظر سے بھی ہر شخص کے لئے مناسب اور بہتر ہے کہ وہ سال میں کچھ دن ضرور روزہ رکھے اس لئے کہ زیادہ کھانے پینے اور ہر وقت انواع و اقسام کے کھانوں کی فکر میں مبتلا رہنے کا نتیجہ یہ ہے کہ طرح طرح کے جسمانی اور اخلاقی عوارض پیدا ہو گئے ہیں اور تقریباً ہر شخص ان سے عاجز اور پریشان ہے، اور یہ ماننے پر مجبور ہے کہ طب و صحت کے نقطۂ نظر سے بھی روزہ کے بہت فوائد ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

لیکن اگر یہ تحقیق کی جائے کہ ان لوگوں کی تعداد اس سال کیا تھی جنھوں نے رمضان کا روزہ محض اپنی صحت ٹھیک کرنے کے لئے یا اقتصادی مصالح کی بنا پر رکھا؟ اور کتنے ایسے روزے تھے، جو صرف معدہ کی اصلاح، صحت کے اصول، یا کفایت شعاری کے جذبہ سے رکھے گئے؟ تو ہم کو بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ ایسے لوگوں اور اس قسم کے روزوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی، یہاں تک کہ جاڑے کے روزوں میں بھی جب اس میں کوئی خاص دشواری نہیں ہوتی ان کی تعداد میں کوئی اضافہ نہیں ہو سکا، حالانکہ طبی اور اقتصادی روزہ شرعی روزہ کی بہ نسبت زیادہ آسان اور سہل ہے، اور اس میں اتنی نازک پابندیوں کی بھی ضرورت نہیں۔

اس کے برعکس اگر ان روزہ داروں کی مردم شماری کی جائے جو روزہ محض ایک دینی فریضہ سمجھ کر اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ اور آخرت کے بدلہ کی بنیاد پر رکھتے ہیں، تو ہمیں نظر آئے گا کہ مادیت کے غلبہ اور دینی جذبہ کے ضعف و افسردگی کے باوجود ان کی تعداد لاکھوں سے کسی طرح کم نہیں ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو شدید ترین گرمی اور پیاس کی تکلیف کے باوجود محض دینی احساس کی بنا پر خوشدلی سے روزہ رکھتے ہیں اور راتوں کو عبادت بھی کرتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اہلِ ایمان کی نظر میں ان دینی منافع اور فوائد کی قیمت (جن کا علم ہم کو انبیاء کرام کے ذریعہ حاصل ہوا) ان معاشی و طبی فوائد سے کہیں زیادہ ہے جن کا علم اطباء، ڈاکٹروں اور اقتصادیات کے ماہروں سے ہم کو حاصل ہوتا ہے، روزہ کے متعلق ایسی ایسی بشارتیں اور وعدے ان کے علم میں ہوتے ہیں، جن کے سامنے روزہ کی معمولی تکلیفات اور وقتی بھوک پیاس بالکل ہیچ اور ناقابلِ ذکر ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ابن آدم کا ہر عمل کئی گنا بڑھا دیا جاتا ہے، اور نیکی دس گنا سے لے کر سات سو تک بڑھا دی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ سوائے روزہ کے اس لئے کہ بیشک وہ خاص میرے لئے ہے، اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا، میری خاطر اپنا کھانا اور اپنی خواہش نفس سب چھوڑ دیتا ہے، روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں ایک افطار کے وقت اور ایک اپنے رب سے ملاقات کے وقت اور بیشک روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک سے زیادہ اچھی اور پاکیزہ ہے"[1]

[1] صحاح ستہ

www.abulhasanalinadwi.org

سہل بن سعدؓ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ "جنت میں ایک دروازہ ہے جس کا نام "ریان" ہے اس کے لئے صرف روزہ دار بلائے جائیں گے، جو روزہ داروں میں سے ہوگا وہی اس میں داخل ہوگا اور جو اس میں داخل ہو جائے گا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا"[1]

روزہ کی روح اور حقیقت کی حفاظت اور ایجابیت و سلبیت کا امتزاج

رمضان کی اجتماعی نوعیت اور معاشرہ میں اُس کے رواج و عمومیت کی وجہ سے اِس کا پورا اندیشہ تھا کہ عادت اور تقلید اور رسم و رواج کا عنصر اس پر رفتہ رفتہ غالب آجائے گا اور بہت سے لوگ محض اپنی سوسائٹی اور ماحول کا ساتھ دینے اور طنز و ملامت سے بچنے کے لئے اور اس ڈر سے کہ ان پر انگلیاں نہ اٹھائی جائیں روزہ رکھنے پر مجبور ہوں گے، ایمان اور نیتِ روزہ کی اہمیت اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اس کی قیمت کے یقین اور استحضار سے ان کے دل خالی ہوں گے، بہت سے لوگ مادّی اغراض و مقاصد یا طبی اور ظاہری فوائد کے حصول کے لئے روزہ رکھنے لگیں گے اور اس طرح اس کا اصل مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔

نبوت کی دور رس نگاہ نے اس کمزوری کا علاج اور اس فتنہ کا سدباب سب سے پہلے کیا، اور یہ شرط لگادی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف وہ روزہ مقبول ہے جو ایمان و احتساب کے جذبہ کے ساتھ رکھا جائے، حدیث نبوی ہے "من صام رمضان ایماناً و احتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه"[2]

جو شخص انسانی کمزوریوں اور خامیوں اور انسانوں کی مختلف اقسام سے واقف نہیں وہ کہہ سکتا ہے کہ اس قید اور شرط کی کیا ضرورت تھی، رمضان کے روزے صرف مسلمان ہی رکھتے ہیں، اور خدا کی خوشنودی اور اجر و ثواب ہی کے لئے رکھتے ہیں، اس لئے ایمان و احتساب کی شرط لگانا ایک بالکل زائد چیز اور تحصیل حاصل ہے، لیکن جو شخص انسانی احساسات و نفسیات اور اخلاقی و اجتماعی محرکات سے گہری واقفیت رکھتا ہے

---

[1] شیخین [2] متفق علیہ

www.abulhasanalinadwi.org

اور اس کا زندگی کا مطالعہ زیادہ وسیع ہے، وہ اس دور رس انتظام اور اس دقیق و عمیق علم کے سامنے سرِ تسلیم عجز کے ساتھ خم کر دے گا جو خواہش نفس پر نہیں وحی الٰہی پر مبنی ہے "وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ"[1]۔

ایمان و احتساب کی تشریح ایک دوسری حدیث میں یہ آئی ہے کہ "انسان تمام اعمال ثواب کی امید رکھتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت و خوشنودی کے وعدہ پر یقین کرتے ہوئے انجام دے"۔

عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "چالیس خصلتیں ہیں، جن میں سب سے اعلیٰ بکری کا عطیہ ہے، ان میں سے کسی ایک خصلت پر بھی ثواب کی امید اور اس پر جو اجر و ثواب مقرر ہے اس کے یقین کے ساتھ عمل کیا جائے تو اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ آدمی کو جنت میں داخل کر دے گا"[2]۔

شریعت اسلامی نے روزہ کی ہیئت اور ظاہری شکل پر اکتفا نہیں کی بلکہ اس کی حقیقت اور اس کی روح کی طرف بھی پوری توجہ دی ہے، اس نے صرف کھانے پینے اور جنسی تعلقات ہی کو حرام نہیں کیا بلکہ ہر اس چیز کو حرام اور ممنوع قرار دیا ہے، جو روزہ کے مقاصد کے منافی اور اس کی حکمتوں اور روحانی و اخلاقی فوائد کے لئے مضر ہے، اس نے روزہ کو ادب و تقویٰ، دل اور زبان کی عفت و طہارت کے حصار میں گھیر دیا ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "تم میں سے کوئی روزہ سے ہو تو نہ بدکلامی اور فضول گوئی کرے نہ شور و شر کرے اگر کوئی اس کو گالی دے اور لڑنے جھگڑنے پر آمادہ ہو تو یہ کہہ دے کہ میں روزہ سے ہوں"[3] یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "جس نے جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی حاجت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑے"[4] وہ روزہ جو تقویٰ اور عفاف کی روح سے خالی اور محروم ہو وہ ایک ایسی صورت ہے جس کی حقیقت نہیں، ایسا جسم ہے جس کی روح نہیں، حدیث میں آتا ہے، آپ نے فرمایا کہ "کتنے روزہ دار ہیں جن کو ان کو روزہ سے سوائے پیاس کے کچھ ہاتھ نہیں لگتا اور کتنے ایسے عبادت گزار ہیں جن کو اپنے قیام میں شب بیداری کے سوا کچھ نہیں ملتا"[5]۔

حضرت ابو عبیدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "روزہ ڈھال ہے جب تک

---

[1] سورہ نجم ۳-۴ [2] بخاری شریف [3] ایضاً [4] متفق علیہ [5] بخاری، ابوداؤد، ترمذی

www.abulhasanalinadwi.org

اس کو پھاڑ نہ ڈالا جائے۔"[1]

اسلامی روزہ صرف سلبی امور و احکام کا نام نہیں جس میں صرف کھانے پینے، غیبت، چغلخوری، لڑائی جھگڑے اور گالی گلوچ کی ممانعت ہو، وہ بہت سے ایجابی امور و احکام کا بھی مجموعہ ہے، یہ عبادت و تلاوت، ذکر و تسبیح، ہمدردی و خیر خواہی اور غربا پروری کا زمانہ ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "اس میں جو کسی ایک خصلت اور ایک عمل سے خدا کا تقرب حاصل کرنا چاہے گا، وہ دوسرے دنوں کے ادائگی فرض کے برابر سمجھا جائے گا، اور جو اس میں فرض ادا کرے گا وہ اس کی طرح ہوگا جو غیر دنوں میں ستر فرض ادا کرے، یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے اور غمخواری کا مہینہ ہے۔"[2]

زید بن خالد الجہنی رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جو روزہ دار کو افطار کرائے اس کو روزہ دار کے برابر اجر ملے گا، اور روزہ دار کے اجر میں کوئی کمی نہ کی جائے گی۔"[3]

اللہ تعالیٰ نے اس امت میں تراویح کی حفاظت اور اس کے اہتمام کا جذبہ بھی پیدا فرمایا ہے، تراویح کی نماز حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، لیکن آپ نے تین دن پڑھ کر اس کو اس لئے چھوڑ دیا تھا کہ کہیں یہ امت پر فرض نہ ہو جائے اور مشقت کا باعث ہو، ابن شہاب روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے عروہ نے بتایا وہ کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عائشہؓ نے خبر دی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک بار دیر سے رات میں اپنے گھر سے نکلے اور مسجد میں نماز پڑھی، اور آپ کے ساتھ کچھ اور لوگوں نے بھی نماز پڑھی، جب صبح ہوئی تو لوگوں نے اس کے متعلق گفتگو شروع کی اور بہت سے لوگ جمع ہو گئے (دوسرے روز) جب آپ نے نماز پڑھی تو سب نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی، پھر صبح ہوئی اور اس کا چرچا ہوا تیسری رات نمازیوں کی تعداد بہت بڑھ گئی، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور نماز پڑھی اور سب نے آپ کے ساتھ نماز ادا کی، جب چوتھی رات آئی تو

---

[1] نسائی "اوسط" میں یہ اضافہ ہے کہ سوال کیا گیا کہ کس چیز سے پھاڑ ڈالے ارشاد ہوا جھوٹ یا غیبت سے۔"

[2] یہ روایت ایک طویل حدیث کے ساتھ سلمان فارسیؓ سے مروی ہے (بیہقی شعب الایمان) [3] ترمذی شریف۔

www.abulhasanalinadwi.org

نمازیوں کی کثرت سے مسجد میں جگہ نہ رہی، یہاں تک کہ فجر کی نماز کے لئے آپ باہر تشریف لائے اور نماز پڑھنے کے بعد لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ تم لوگوں کی موجودگی مجھ سے پوشیدہ نہ تھی لیکن مجھے ڈر ہوا کہ یہ نماز تم پر فرض نہ کر دی جائے پھر تم اس سے عاجز ہو جاؤ، پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی اور یہی صورت رہی[1] آپ کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس پر عمل پیرا رہے اور اس امت نے مختلف ملکوں اور مختلف زمانوں میں اس کی پوری پوری حفاظت کی، یہاں تک کہ تراویح کی یہ نماز تمام اہل سنت اور صالحین امت کی علامت بن گئی، اس کے علاوہ اس سے حفظ قرآن میں بھی بڑی مدد ملی[2] اور اس کو بہت رواج اور عمومیت حاصل ہو گئی، نہ جانے کتنے سینوں میں وہ محفوظ ہو گیا، مزید براں اس کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے عامۃ الناس کے ایک بہت بڑے طبقہ کو محض تراویح کے ذریعہ قیام لیل اور عبادت کی سعادت نصیب ہوتی ہے۔

ان سب چیزوں نے رمضان کو عبادت کا جشن عام، تلاوت کا موسم، اور ابرار و متقین اور عباد و صالحین کے حق میں فصل بہار بنا دیا ہے، اس میں امت کا دینی جذبہ، دین کا احترام اور عبادت کا شوق پوری طرح جلوہ گر ہو کر سامنے آجاتا ہے[3]

---

[1] بخاری شریف باب فضل من قام رمضان، [2] اس سلسلہ میں بعض ان ممالک کے ساتھ جو کہ اسلام سے بہت دور تھے اللہ تعالیٰ کا خاص فضل رہا چنانچہ ہندوستان و پاکستان میں تراویح اور ختم قرآن کا جتنا اہتمام ہے اور عوام و خواص سب اس کے گرویدہ ہیں یہ بات اس درجہ میں کسی اور ملک میں نہیں ملتی یہاں محلہ کی چھوٹی چھوٹی مسجدوں میں بھی تراویح کا اہتمام کیا جاتا ہے اور کم از کم ایک ختم ضرور ہوتا ہے بڑی اور خاص مساجد میں کئی کئی ختم ہوتے ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس سنت کے التزام کی وجہ سے حفاظ... کی تعداد میں بہت نمایاں اضافہ ہوا اور رمضان کی خاطر پورے سال قرآن مجید کے دور کا معمول بن گیا اور ایسے ایسے حفاظ پیدا ہوئے جو حیرت انگیز کمالات رکھتے تھے اور حفاظ قرآن کے شعبہ میں غیر معمولی اور ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ [3] رمضان میں زیادہ سے زیادہ عبادت، تقرب الی اللہ، خیر کے کاموں میں مسابقت، تلاوت اور ختم قرآن کا اہتمام ایسی میراث تھی، جو مسلسل اور تواتر کے ساتھ ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہوتی رہی اور اللہ کے خوش نصیب بندوں نے اس میں ایسے ایسے مراتب اور کمالات حاصل کئے جن پر آسانی کے ساتھ یقین کرنا مشکل ہے اور جس کی تاویل اہل ایمان اور اہل یقین کی عزیمت اور طاقتور روحانیت کے سوا کسی اور چیز سے نہیں کی جا سکتی، ہم نے ان علماء ربانیین (باقی حاشیہ)

www.abulhasanalinadwi.org

اور اس کی توبہ وانابت قلوب کی نرمی، خدا کی طرف رجوع، احساس ندامت اور کار خیر میں جذبہ مسابقت، اس نقطۂ عروج پر ہوتا ہے جس کے عشر عشیر تک دنیا کی کوئی قوم اور انسانوں کا کوئی گروہ نہیں پہونچ سکتا ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ۔

روزہ کے مقاصد کے باب میں کوتاہی اور عبادت پر عادت کا غلبہ

لیکن اسی کے ساتھ مسلمانوں نے روزہ کے مقاصد کے ساتھ اکثر ناانصافی سے کام لیا اور مختلف عادتوں کی وجہ سے اس کے یقینی اور متوقع فوائد سے محروم ہوگئے، انھوں نے افطار اور کھانے میں اس قدر مبالغہ اور اسراف سے کام لینا شروع کر دیا کہ روزہ کا اصل فائدہ اور اس کی اصلاحی اور تربیتی قوت بڑی حد تک ختم ہوگئی یا کمزور پڑ گئی۔

امام غزالیؒ نے اس نکتہ پر بڑی بلاغت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے، وہ لکھتے ہیں:۔

"پانچواں ادب یہ ہے کہ افطار کے وقت حلال غذا میں بھی احتیاط سے کام لے اور اتنا نہ کھائے کہ اس کے بعد گنجائش ہی باقی نہ رہے، اس لئے کہ حلق تک بھرے ہوئے پیٹ سے بڑھ کر مبغوض اللہ کے نزدیک کوئی بھری جانے والی چیز نہیں ہے، اگر روزہ دار افطار کے وقت دن بھر کی تلافی کر دے اور جو دن بھر کھانے والا تھا، وہ اس ایک وقت میں کھالے تو دشمن خدا پر غالب آنے اور شہوت کو ختم کرنے میں روزہ سے کیا مدد مل سکے گی؟ یہ عادتیں مسلمانوں میں اتنی راسخ اور عام ہو چکی ہیں کہ رمضان کے لئے

(باقی صفحہ ۲۶۹ کا) اور مشائخ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے جن کا معمول روزانہ ایک قرآن مجید ختم کرنے کا تھا، ان کی تقریباً پوری رات شب بیداری اور قیام میں گزرتی تھی خوراک اس قدر کم ہو جاتی تھی کہ حیرت ہوتی تھی کہ اس قدر کم کھانے کے باوجود اس قدر نشاط اور مجاہدہ کیسے ممکن ہے، یہ مشائخ اس ماہ صیام کی ایک ایک سانس اور ایک ایک لمحہ کو غنیمت جانتے تھے اور اس کو کسی اور چیز میں ضائع کرنا پسند نہ کرتے تھے ان کو دیکھ کر رمضان کی اہمیت کا اندازہ ہوتا تھا، اور زندگی کی قیمت کا بھی اور یہ بھی اچھی طرح سمجھ میں آجاتا تھا کہ متقدمین کے زہد و عبادت، قوت ارادی اور علو ہمت کے جو محیر العقول واقعات تاریخ میں منقول ہیں وہ یقیناً سچے ہوں گے۔

www.abulhasanalinadwi.org

بہت پہلے سے سامان خوراک جمع کیا جاتا ہے اور رمضان کے دنوں میں اتنا اچھا اور نفیس کھانا کھایا جاتا ہے جو اور دنوں میں نہیں کھایا جاتا، روزہ کا مقصود تو خالی پیٹ رہنا اور خواہشات نفس کو دبانا ہے تاکہ تقویٰ کی صلاحیت پیدا ہو سکے، اب اگر معدہ کو صبح و شام تک کھانے پینے سے محروم رکھا جائے اور شہوت اور بھوک کو خوب امتحان میں ڈالنے کے بعد انواع و اقسام کے کھانوں سے پیٹ بھر لیا جائے تو نفس کی خواہشات اور لذتیں کم نہ ہوں گی اور بڑھ جائیں گی، بلکہ ممکن ہے کہ بہت سی ایسی خواہشات جو ابھی تک خوابیدہ تھیں، وہ بھی بیدار ہو جائیں، رمضان کی روح اور اس کے رازان طاقتوں کو کمزور کرنا ہے، جن کو شیاطین اپنے وسائل کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور یہ بات تقلیل غذا ہی سے حاصل ہوگی، یعنی یہ کہ شام کو اتنا ہی کھائے جتنا اور دنوں میں کھاتا تھا، اگر کوئی دن بھر کا حساب لگا کر ایک ہی وقت میں کھالے تو اس سے روزہ کا فائدہ حاصل نہ ہوگا۔[1]

"بلکہ یہ بھی آداب میں داخل ہے کہ دن میں زیادہ نہ سوئے تاکہ بھوک پیاس کا کچھ مزہ معلوم ہو، قویٰ کے ضعف کا احساس ہو، قلب میں صفائی پیدا ہو، اسی طرح ہر شب کو اپنے معدہ کو اتنا ہلکا رکھے کہ تہجد اور اوراد میں مشغولی آسان ہو اور شیطان اس کے دل کے پاس منڈلا نہ سکے اور اس صفائی قلب کی وجہ سے عالم قدس کا دیدار اس کے لئے ممکن ہو۔"[2]

تحریف اور غلو سے حفاظت

رمضان میں غلو اور تشدد، مشکل پسندی و نکتہ آفرینی کا امکان بہت تھا، اس لئے کہ بہت سے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ اس کا موضوع اور مقصد ہی نفس کو مارنا، خواہشات سے پیچھا چھڑانا اور اس کو آخری حد تک سختی اور مجاہدہ میں مبتلا کرنا ہے، وہ سمجھتے تھے کہ جو شخص اپنے نفس کو جتنی مشکل میں ڈالے گا اور جس قدر سخت مجاہدہ کرے گا،

---

[1] احیاء العلوم ص ۲۱۱ [2] ایضاً

www.abulhasanalinadwi.org

کھانے پینے اور آرام و راحت سے اپنے کو جتنا دور رکھے گا بھوک پیاس کی تکلیف جتنی زیادہ اٹھائے گا، اور صبر اور قوت برداشت کا ثبوت دے گا اللہ تعالیٰ کا اسی لحاظ سے مقرب اور محبوب ہوگا اور عافیت پسندوں و مالداروں کی صف سے نکل کر متقین و صابرین کی صف میں داخل ہو جائے گا۔

یہ وہ غلط اور سطحی خیال ہے جس نے قدیم اقوام اور مذاہب کے دین داروں اور زاہد و تارک الدنیا لوگوں میں (عبادات میں عام طور پر اور روزہ میں خاص طور پر) اس قدر غلو پیدا کر دیا تھا کہ انھوں نے کھانے پینے سے پرہیز کی مدت بہت بڑھا دی تھی، افطار بہت تاخیر سے کرتے تھے، اور سحری جلد کھا لینا چاہتے تھے، یا اس کو مطلق ترک کر دیتے تھے، وہ اس کو بڑی کمزوری اور عجز قرار دیتے تھے کہ آدمی ان چیزوں کا محتاج ہو، کبھی مسلسل روزے رکھتے تھے، اور دن کے ساتھ رات کی پابندی بھی شامل کر لیتے تھے بہت سے غالی اور متشدد مسلمانوں اور اہلِ بدعت نے بھی اس میں ان کی اتباع شروع کر دی، لیکن دراصل یہ کوشش دین میں تحریف، اپنے نفس پر ظلم اور رہبانیت کے اختیار کرنے کے مرادف ہے اور اس سے فسادِ عام کا دروازہ کھلتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو کھلا ہوا چیلنج ہے کہ:۔

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ	اللہ تمہارے حق میں سہولت چاہتا ہے، اور تمہارے
(سورہ بقرہ - ۱۸۵)	حق میں دشواری نہیں چاہتا۔
وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ (سورہ حج ۷۸)	اور اس نے تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں کی۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

ان الدین یسر، ولا یشاد ھذا الدین	دین سہل ہے، اور جو شخص اس دین سے سینہ زوری کریگا
أحد الا غلبہ فسددوا وقاربوا۔[1]	(اور اپنی طاقت کا اظہار کرنے کے لئے اس میں تشدد سے کام لیگا)
	بالآخر اسی کو ہار ماننی پڑے گی پس درستی اور میانہ روی کا لحاظ

[1] روایت حضرت ابوہریرہؓ (بخاری کتاب الایمان)۔

www.abulhasanalinadwi.org

ان مصالح کے پیش نظر شریعت الٰہی نے اس کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا، اس نے سحری کی باقاعدہ ترغیب دی، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خود مسلمانوں کے لئے اس کو سنت قرار دیا، انس بن مالکؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ "سحری کھاؤ اس لئے کہ سحری میں برکت ہے"[1]

حضرت عمرو بن العاصؓ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ "ہمارے اور اہل کتاب کے روزہ میں فرق اسی سحری کا ہے"[2]

آپ نے افطار میں تاخیر کرنے سے بھی منع فرمایا ہے اور اس کو فساد اور فتنہ کی نشانی اور اہل کتاب کے غالی دین داروں کا شعار قرار دیا ہے، سہیل بن سعدؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ "جب تک لوگ افطار میں تعجیل سے کام لیتے رہیں گے اس وقت تک خیر پر رہیں گے"[3] حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جب تک لوگ افطار میں عجلت سے کام لیتے رہیں گے اس وقت تک دین غالب رہے گا، اس لئے کہ یہود و نصاریٰ اس میں تاخیر کرتے ہیں"[4] اسی طرح سحور میں تاخیر بھی مسنون ہے اور صحابۂ کرام اسی پر عامل تھے، زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ "ہم نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سحری کھائی پھر نماز کے لئے کھڑے ہوئے، پوچھا گیا کہ ان کے درمیان کتنا وقفہ تھا، انھوں نے کہا کہ پچاس آیتوں کے برابر"[5] حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دو موذن تھے، بلالؓ اور ابن ام مکتومؓ، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلالؓ کی اذان رات کی علامت ہے، اس میں اس وقت تک کھاؤ پیو جب تک ابن ام مکتومؓ اذان نہ دے دیں، وہ کہتے ہیں کہ ان دونوں میں بس اتنا وقفہ تھا کہ ایک اترتا تھا دوسرا چڑھتا تھا"[6]

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے اس موضوع پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے اور شریعت اسلامی اور سنت نبوی میں اس پہلو کی جو اہمیت ہے اس کو بہت فاضلانہ طریقہ پر اجاگر کیا ہے، وہ کہتے ہیں:-

---

[1] شیخین، ترمذی، نسائی [2] مسلم شریف [3] شیخین، موطا، ترمذی [4] ابوداؤد [5] متفق علیہ [6] ایضاً

www.abulhasanalinadwi.org

"روزہ کے مقاصد میں ایک بڑا مقصد یہ ہے کہ ضرورت سے زائد گہرائی میں نہ پڑا جائے، نکتہ آفرینی اور تشدد کی راہ اختیار کرنے کا دروازہ بند کر دیا جائے، اس لئے کہ یہ عبادت یہود و نصاریٰ اور خود عرب کے عبادت گزار لوگوں میں معروف اور رائج تھی، انھوں نے یہ سوچ کر کہ روزہ کی بنیاد نفس کشی پر ہے، اس میں بہت تشدد سے کام لیا اور نفس کو تکلیف پہونچانے کی غرض سے بہت سی چیزیں اپنی طرف سے ایجاد کر لیں اور یہی وہ نقطہ ہے جس سے تحریف کا آغاز ہوتا ہے جو کبھی کمیت میں ہوتی ہے کبھی کیفیت میں، کمیت میں اس کی مثال حضورؐ کے اس ارشاد سے سمجھ میں آتی ہے کہ رمضان سے پہلے (متصلاً) کوئی ایک روزہ یا دو روزے نہ رکھے۔

اسی طرح عید اور شک کے روزہ سے آپ کا منع فرمانا کہ اس کے اور رمضان کے بیچ میں کوئی فصل نہیں ہے" اس لئے ہے کہ اگر یہ متشدد لوگ اس کو سنت بنا لیں گے تو دوسرے ان کی اتباع کریں گے اور اس طرح بات تحریف تک جا پہونچے گی، تشدد دراصل شدت احتیاط ہی سے پیدا ہوتا ہے اور شک کا روزہ اسی قبیل سے ہے۔

کیفیت میں اس کی مثال صومِ وصال کی ممانعت، سحری کی ترغیب اور اس کی تاخیر کا حکم ہے، اس لئے کہ یہ سارا تشدد اور غلو جاہلیت کی پیداوار ہے"[1]

روزہ دراصل امر الٰہی کی تعمیل کا نام ہے جس طرح فجر کے بعد کھانے پینے اور خواہشات کی تکمیل کی ممانعت ہے، خواہ کتنی بھوک پیاس لگے اور طبیعت پر کیسا ہی تقاضا ہو، اسی طرح غروب آفتاب کے بعد کھانے پینے سے احتراز کی بھی ممانعت ہے، خواہ زہد و ترک دنیا کے جذبات اس وقت کتنے ہی طاقتور کیوں نہ ہوں فیصلہ نفس پر، خواہشات پر، اور ذوق و عبادت پر نہیں بلکہ خدا کے حکم پر ہوگا، اور اس حکم سے سرتابی خدا کے سامنے بہادری دکھانے اور دین کے ساتھ کشمکش کے مرادف سمجھی جائے گی، روزہ دار اپنی خواہشات سے

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۳۹

جتنا آزاد ہوگا حکم الٰہی، شریعت الٰہی کا جتنا پابند اور مشیت الٰہی پر جتنا راضی ہوگا اسی قدر اپنی عبودیت میں سچا اور انانیت سے پاک سمجھا جائے گا، حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

"سحری میں تاخیر اور افطار میں تعجیل سے روزہ دار کا عجز و احتیاج اچھی طرح ظاہر ہوتا ہے اور یہ بات اس کی عبدیت کے عین مطابق ہے، اور اس کے مقصد کو پورا کرتی ہے"[1]

اعتکاف

اعتکاف رمضان کے فوائد اور مقاصد کی تکمیل کے لئے ہے، اگر روزہ دار کو رمضان کے پہلے حصہ میں وہ سکون قلب، جمعیت باطنی، فکر و خیال کی مرکزیت، انقطاع الی اللہ کی دولت، رجوع الی اللہ کی حقیقت، اور اس کے درِ رحمت پر پڑے رہنے کی سعادت حاصل نہیں ہو سکی تو اس اعتکاف کے ذریعہ وہ اس کا تدارک کر سکتا ہے۔ علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں:۔

"اعتکاف کی روح اور اس سے مقصود یہ ہے کہ قلب اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ ہو جائے اس کے ساتھ جمعیت باطنی حاصل ہو، اشتغال بالخلق سے رہائی نصیب ہو اور اشتغال بالحق کی نعمت میسر آئے، اور یہ حال ہو جائے کہ تمام افکار و تردودات اور ہموم وسواس کی جگہ اللہ کا ذکر اور اس کی محبت لے لے، ہر فکر اس کی فکر میں ڈھل جائے اور ہر احساس و خیال اس کے ذکر و فکر، اس کی رضا و قرب کے حصول کی کوشش کے ساتھ ہم آہنگ ہو جائے، مخلوق سے انس کے بجائے اللہ سے انس پیدا ہو اور قبر کی وحشت میں جب کوئی اس کا غمخوار نہ ہوگا یہ انس اس کا زادِ سفر بنے، یہ ہے اعتکاف کا مقصد جو رمضان کے افضل ترین دنوں یعنی آخری عشرہ کے ساتھ مخصوص ہے"[2]

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں:۔

---

[1] مکتوبات امام ربانی، مکتوب ۴۵ [2] زاد المعاد ص ۱۷۵

www.abulhasanalinadwi.org

"چونکہ مسجد میں اعتکاف جمعیت خاطر، صفائی قلب، ملائکہ سے تشبہ اور شب قدر کے حصول کا ذریعہ، نیز طاعت و عبادت کا بہترین و پرسکون موقع ہے، اس لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو عشرۂ اواخر میں رکھا ہے، اور اپنی امت کے محسنین و صالحین کے لئے اس کو سنت قرار دیا ہے"[۱]

اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس پر ہمیشہ مداومت فرمائی اور مسلمانوں نے بھی ہر جگہ اور ہر دور میں[۲] اس کی پابندی کی، چنانچہ اس نے رمضان کے شعار اور سنت متواترہ کی حیثیت اختیار کرلی، حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ "نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم رمضان کے اخیر عشرہ میں برابر اعتکاف فرماتے تھے، یہاں تک کہ آپ نے انتقال فرمایا، پھر آپ کے بعد آپ کی ازواج نے اعتکاف کا معمول قائم رکھا"[۳]

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہر رمضان میں دس دن اعتکاف فرماتے تھے، جس سال آپ نے انتقال فرمایا اس سال آپ نے بیس دن اعتکاف کیا"[۴]

شب قدر

قرآن و حدیث میں شب قدر کی فضیلت بہت اہمیت کے ساتھ متعدد جگہ بیان کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ	بے شک ہم نے اسے (قرآن کو) شب قدر میں اتارا ہے،
مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ	اور آپ کو خبر ہے کہ شب قدر ہے کیا؟ شب قدر ہزار
اَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا	مہینوں سے بڑھ کر ہے، اس رات فرشتے اور روح القدس
بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝ سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى	اترتے ہیں اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امر خیر کے لئے
مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝ (سورۂ قدر)	سلامتی (ہی سلامتی) ہے وہ رہتی ہے طلوع فجر تک۔

---

[۱] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۴۲ [۲] اعتکاف اکثر مذاہب فقہ میں سنت ہے اور اس پر سب کا اجماع ہے کہ واجب نہیں ہے، احناف کے نزدیک آخری عشرہ میں رکھنا سنت موکدہ اور سنت کفایہ ہے، بحوالہ "البرہان" وغیرہ [۳] متفق علیہ [۴] بخاری شریف

www.abulhasanalinadwi.org

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "شب قدر میں جو ایمان و احتساب کے ساتھ عبادت کرے گا اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے"[1]

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت و رحمت سے اس کو رمضان کے آخری عشرہ میں پوشیدہ رکھا ہے تاکہ مسلمان اس کی جستجو میں رہیں، ان کی طلب اور ہمت بڑھے اور وہ یہ سب آخری راتیں اس کی لالچ میں قیام و عبادت اور دعا و مناجات میں گزاریں، جیسا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ "جب رمضان کا آخری عشرہ شروع ہوتا تھا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پوری رات بیدار رہتے تھے اور اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے تھے، اور کمر کس لیتے تھے"[2]

احادیث کا زیادہ تر اجماع اسی پر ہے کہ شب قدر آخری عشرہ میں اور اس کے بھی آخری ساتوں دنوں میں اور طاق راتوں میں ہے، ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے بعض کو آخری سات دنوں میں خواب میں شب قدر دکھائی گئی، اس پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں کہ تمہارا خواب زیادہ تر آخری سات دنوں کے متعلق ہے پس جو اس کو تلاش کرنا چاہے، وہ آخری سات دنوں ہی میں تلاش کرے"[3] حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں معتکف اور گوشہ نشین ہو جاتے تھے، اور فرماتے تھے کہ شب قدر رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرو"[4] حضرت عائشہؓ ہی سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ شب قدر رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو"[5]

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے شب قدر پر حدیث و قرآن اور تجربہ و وجدان دونوں حیثیتوں سے کلام کیا ہے "حجۃ اللہ البالغہ" میں ایک جگہ لکھتے ہیں:-

"جاننا چاہئے کہ شب قدر دو قسم کی ہیں ایک وہ جس میں آسمان سے فیصلے کئے جاتے ہیں، یہ وہ رات

---

[1] متفق علیہ [2] ایضاً [3] ایضاً [4] ایضاً [5] بخاری شریف

www.abulhasanalinadwi.org

ہے جس میں قرآن مجید (سماء دنیا پر) پورے کا پورا نازل ہوا اس کے بعد تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا، یہ رات سال بھر میں صرف ایک مرتبہ آتی ہے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ رمضان ہی میں ہو، البتہ گمانِ غالب رمضان ہی میں ہونے کا ہوتا ہے، نزول قرآن کے موقع پر یہ رات رمضان ہی میں تھی۔

دوسری وہ ہے جس میں ایک قسم کی روحانیت محسوس ہوتی ہے، فرشتے زمین پر اترآتے ہیں، مسلمان اس رات میں طاعت میں مشغول ہوتے ہیں، اور ان کے انوار و برکات سے ایک دوسرے کو فیض پہونچتا ہے، فرشتے ان سے قرب حاصل کرتے ہیں، شیاطین ان سے دور بھاگتے ہیں، ان کی دعائیں اور طاعات قبول کی جاتی ہیں، یہ رات ہر رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں ملتی ہے، یہ مقدم مؤخر ہوسکتی ہے لیکن رمضان ہی میں رہتی ہے، اس لحاظ سے جو پہلی رات مراد لیتا ہے، وہ کہتا ہے کہ یہ سال کے اندر دائر و سائر رہتی ہے، جس کی مراد دوسری رات ہوتی ہے، وہ یہ کہتا ہے کہ رمضان کے آخری عشرہ میں پائی جاتی ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "میں دیکھتا ہوں کہ تمہارا خواب زیادہ تر آخری سات دنوں کے متعلق ہے پس جو اس کو تلاش کرنا چاہے، وہ آخری سات دنوں ہی میں تلاش کرے" ایک مرتبہ یہ بھی ارشاد ہوا کہ "یہ رات مجھے دکھائی گئی، میں نے دیکھا کہ میں پانی اور مٹی میں سجدہ کر رہا ہوں اور یہ اکیسویں شب تھی" اسی سلسلہ میں صحابۂ کرام کا اختلاف دراصل اختلافِ وجدان پر مبنی ہے[1]۔

روزہ میں اسلام کا اصلاحی کردار

اسلام نے جس طرح دوسرے تمام فرائض و عبادات اور مناسک میں اپنا اصلاحی کردار ادا کیا ہے اسی طرح اس نے روزہ کے مفہوم، آداب و احکام اور اس کی شکل اور طریقۂ کار میں بھی اپنا یہ اصلاحی و انقلابی کردار

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۴۲، ۴۱

ادا کیا ہے اور اس بات نے روزہ کو بہت آسان و خوشگوار فطرت سلیم سے بہت قریب متعدد روحانی و اجتماعی فوائد کا حامل اور معاشرہ پر پوری طرح اثر انداز بنا دیا ہے۔

ان تنوع اور دور رس اصلاحات میں سب سے پہلی اصلاح یہ ہے کہ پہلے روزہ کے مفہوم کو بالکل بدل دیا گیا تھا ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ یہودی مذہب میں روزہ غم و ماتم کا رمز اور تاریخی مصائب کی الم انگیز یاد کی حیثیت رکھتا تھا اسلام نے اس تاریک مفہوم کو جس پر حزن و یاس اور ناکامی کا سایہ تھا ایک ایسے ہمت افزا اور روشن مفہوم سے بدل دیا جس میں امید اور ذوق و شوق کی روح کارفرما ہے اس نے اس کو ایک عمومی عبادت بنا دیا جس میں روزہ دار خوشی و مسرت اور قوت و چستی کے ساتھ حصہ لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی جزا اور اپنی رضا کے جو وعدے کئے ہیں اور بشارتیں دی ہیں ان سے خوش ہوتا ہے اور اطمینان قلب حاصل کرتا ہے اس کے علاوہ جو آیات و احادیث اس سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں اور جو انسان میں طبعی طور پر جوش و مسرت پیدا کرتی ہیں ان سے بھی روزہ دار کے اس شعور اور اعتماد میں بڑی مدد ملتی ہے حدیث قدسی میں ہے کہ "صرف روزہ ایسی چیز ہے جس کا بدلہ میں ہی دوں گا"[1] اسی حدیث میں آگے آتا ہے کہ "روزہ دار کو دو خوشیاں حاصل ہیں ایک افطار کے وقت اور ایک اپنے رب سے ملاقات کے وقت"[2]

اس نے روزہ دار کو تقدس و پاکیزگی، رفعت و بلندی، اور خدا کے ہاں بلند مرتبہ و مقام کی ایک خاص فضا سے گھیر دیا ہے ارشاد ہے کہ "روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بہتر ہے"[3] ظاہر ہے کہ یہ فضا غم و حزن اور بدگمانی و بدظنی کی اس فضا سے قطعاً مختلف ہے جو یہود کے یہاں ملتی ہے۔

یہودیوں کے نزدیک روزہ جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے نفس کی تذلیل اور تعزیر کے مرادف ہے اور یہ تعبیر ان کی مذہبی کتابوں میں عام طور پر پائی جاتی ہے۔

"اور یہ تمہارے لئے ایک دائمی قانون ہو کہ ساتویں مہینے کی دسویں تاریخ کو تم اپنی جان کو

---

[1] صحاح ستہ [2] روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (صحاح ستہ) [3] ایضاً۔

www.abulhasanalinadwi.org

دکھ دینا، اور اس دن کوئی خواہ وہ دیسی ہو یا پردیسی جو تمہارے بیچ بود و باش رکھتا ہو کسی طرح کا کام نہ کرے، کیونکہ اس روز تمہارے واسطے تم کو پاک کرنے کے لئے کفارہ دیا جائے گا سو تم اپنے سب گناہوں سے خداوند کے حضور پاک ٹھہرو گے"[1]

دوسری جگہ آتا ہے:۔

"اور خداوند نے موسیٰ سے کہا، اسی ساتویں مہینے کی دسویں تاریخ کو کفارہ کا دن ہے اس روز تمہارا مقدس مجمع ہو، اور تم اپنی جانوں کو دکھ دینا، اور خداوند کے حضور آتشیں قربانی گذارنا، تم اس دن کسی طرح کا کام نہ کرنا، کیونکہ وہ کفارہ کا دن ہے جس میں خداوند تمہارے خدا کے حضور تمہارے لئے کفارہ دیا جائے گا"[2]

"گنتی" میں ایک جگہ آیا ہے:۔

"پھر اسی ساتویں مہینے کی دسویں تاریخ کو تمہارا مقدس مجمع ہو، تم اپنی اپنی جان کو دکھ دینا اور کسی طرح کا کام نہ کرنا"[3]

اس کے برعکس شریعت اسلامی نے نہ روزہ کو نفس کو ایذا پہونچانے اور تکلیف میں مبتلا کرنے کا ذریعہ بنایا ہے، نہ اس کو خدا کا عذاب قرار دیا ہے، پورے قرآن و حدیث میں ایک لفظ بھی ہم کو ایسا نہیں ملتا جس سے اس کا اشارہ نکلتا ہو، اس نے اس کو ایک ایسی عبادت کے طور پر پیش کیا ہے جس کا مقصد اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہے، اس نے اس کے احکام اور قوانین بھی ایسے خشک اور ایسے ظالمانہ نہیں بنائے کہ اس کا قطعی نتیجہ نفس کی ایذا رسانی کی شکل میں ظاہر ہوتا اور اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ پڑجاتا بلکہ اس نے سحری کھانا سنت قرار دیا اور تاخیر کے ساتھ کھانے کو مستحب کیا اور ہدایت کی کہ فجر کی پو پھٹنے

---

[1] احبار، باب ۱۶۔ آیات ۲۹۔۳۰۔۳۱۔ کتاب مقدس (پرانا اور نیا عہد نامہ) برٹش اینڈ فارن بائیبل سوسائٹی، انارکلی، لاہور [2] ایضاً باب ۲۳ (۲۶۔۲۷۔۲۸) [3] گنتی باب ۲۹ (۷)

www.abulhasanalinadwi.org

تک کھاتے رہو، افطار میں عجلت کا حکم دیا، رات اور دن دونوں میں سونے اور آرام کرنے کی اجازت دی، کاروبار، تجارت اور مفید جائز کاموں میں انہماک و مصروفیت کو بھی، یہودی مذہب کے برعکس، جائز رکھا جس میں روزہ کی حالت میں کام کرنا ممنوع ہے، اور مکمل طور پر خلوت و عبادت لازمی ہے۔

روزہ بہت سے قدیم مذاہب میں (اور اب بھی اس کی مثالیں موجود ہیں) کسی ایک طبقہ کے ساتھ مخصوص سمجھا جاتا تھا، ہندو مذہب میں اس کی زیادہ تر ذمہ داری برہمنوں پر تھی، مجوسیوں کے نزدیک صرف مذہبی پیشواؤں اور پارسی عالموں (دستور) پر واجب تھا، یونانیوں کے نزدیک صرف عورتوں پر فرض تھا مرد اس سے مستثنیٰ تھے۔ اسلام نے اس کو ہر قسم کی طبقہ واری قید اور بندش سے آزاد کر کے بالکل عام کر دیا اور اعلان کر دیا گیا کہ۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ۔ (سورۂ بقرہ۔ ۱۸۵) — سو تم میں سے جو کوئی اس مہینہ کو پائے لازم ہے کہ وہ (مہینہ بھر) روزہ رکھے۔

قدیم مذاہب میں اس تخصیص اور امتیازی حکم کے باوجود لوگ اس سے مستثنیٰ نہ تھے اسلام نے آکر ان سب معذوروں کو سہولت بہم پہونچائی، ان کے لئے آسانی پیدا فرمائی اور ان کو پوری رعایت دی۔

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ۔ (سورۂ بقرہ۔ ۱۸۴) — پھر تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا سفر میں اس پر دوسرے دنوں کا شمار رکھنا (لازم ہے)۔

دوسری جگہ آتا ہے:۔

وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ۔ (سورۂ بقرہ۔ ۱۸۴) — اور جو لوگ اسے مشکل سے برداشت کر سکیں ان کے ذمہ فدیہ ہے (کہ وہ) ایک مسکین کا کھانا ہے۔

بہت سے مذاہب میں اس قدر غلو اور تشدد تھا کہ چالیس چالیس روز تک غذا کی ممانعت کر دی گئی تھی، بعض مذاہب میں اس قدر آزادی اور توسع سے کام لیا گیا کہ صرف گوشت کھانا ممنوع قرار دیا گیا اور باقی ہر چیز جائز کر دی گئی، لیکن اسلام کا حکیمانہ قانون اس تشدد و غلو اور ضرورت سے زائد توسع و آزادی

www.abulhasanalinadwi.org

دونوں کے خلاف ہے، اسلامی روزہ ایک معتدل اور عادلانہ روزہ ہے جس میں نہ جسم کو ایذا پہونچانے اور اپنے کو زندہ درگور کر دینے کی اجازت ہے، اور نہ لگام کو بالکل ہاتھ سے چھوڑ دینے اور "خیالی جنت" میں رہنے کی۔

یہودی افطار کے وقت جتنا کھا لیتے اسی پر اکتفا کرتے تھے، اور اس کے بعد کوئی اور چیز کھانا یا آرام کرنا جائز سمجھتے تھے، رات میں بھی وہ ہر قسم کے مباح کاموں اور کھانے پینے سے احتراز کرتے تھے، اسلام نے ان سب خود ساختہ قیود کو ختم کیا اور قرآن مجید نے اعلان کر دیا۔

وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ (سورۂ بقرہ ۱۸۷)

اور کھاؤ اور پیو جب تک کہ تم پر صبح کا سفید خط یا سیاہ خط سے نمایاں ہو جائے۔

اس نے خطا اور نسیان سے سرزد ہونے والی غلطیوں پر بھی کوئی گرفت نہیں کی[1]

اسلام میں اضطراری افعال اور مجبوریوں سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا، مثلاً قے، نکسیر پھوٹ جانا اور احتلام۔[2]

اکثر قدیم مذاہب میں روزہ شمسی مہینوں کے حساب سے رکھا جاتا تھا اور اس کے لئے ریاضیات و فلکیات کے بڑے علم اور تقویم شناسی کی ضرورت تھی، پھر یہ کہ یہ دن ہمیشہ خاص اور متعین مہینوں میں پڑتے تھے اور ان میں کوئی تغیر نہ ہوتا تھا لیکن اسلامی روزہ قمری مہینوں کے ساتھ اور رویت ہلال کے ساتھ مربوط ہے۔[3]

---

[1] حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے بھول کر کچھ کھا پی لیا وہ روزہ نہ توڑے یہ اللہ کی طرف سے دعوت ہے جو اس کو عطا ہوئی" (ترمذی) شیخین نے بھی یہ روایت دیج کی ہے ان کے الفاظ ہیں "من نسی وھو صائم فاکل وشرب فلیتم صومہ فانما اطعمہ اللہ وسقاہ" (جو بھول گیا اور روزہ سے تھا اور کھا پی لیا وہ اپنے روزہ کو پورا کرے اس لئے کہ اللہ نے اس کو کھلایا پلایا ہے) [2] حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا پچنا لگوانا قے اور احتلام۔ [3] شریعت میں اعتبار ظہور ہلال کا ہے وجود ہلال کا نہیں اس لئے اس کے رویت ہلال کے اثبات کے لئے ریاضی اور مصنوعی تکلفات کا سہارا لینے کی مطلق ضرورت نہیں جیسا کہ بعض اسلامی ممالک میں ہونے لگا ہے اس حدیث صحیح سے یہ مسئلہ بالکل صاف ہو جاتا ہے کہ "صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ" اس کو دیکھ کر روزہ رکھو اور اس کو دیکھ کر روزہ ختم کرو، اس مسئلہ میں مزید علمی مباحث ہیں جن کا یہ موقع نہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

قرآن مجید میں آتا ہے کہ۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ (سورۂ بقرہ۔ ۱۸۹)

آپ (لوگ) نئے چاندوں کے باب میں دریافت کرتے ہیں، آپ کہدیجئے کہ وہ لوگوں کے لئے اور حج کے لئے اوقات ہیں۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "اس کو دیکھ کر روزہ رکھو اور اس کو دیکھ کر روزہ ختم کرو اگر بدلی آجائے (اور چاند نظر نہ آئے) تو تیس روزے پورے کرلو"[۱]

ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ "جب تک چاند دیکھ نہ لو اس وقت تک روزہ نہ رکھو اور جب تک چاند دیکھ نہ لو روزے کا مہینہ ختم نہ سمجھو، اگر مطلع صاف نہ ہو تو اندازہ کرلو"[۲]

اس حکم کی سب سے بڑی سہولت اور فائدہ یہ ہے کہ دنیا کے تمام مسلمان خواہ وہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر رہتے ہوں یا دور دراز، نامعلوم مقامات پر، جنگلوں کے اندر بسنے والے ہوں یا دیہاتوں اور شہروں میں رہنے والے سب بلا کسی مشقت اور تکلف کے اور بلا علم ریاضی کے آسانی کے ساتھ روزہ شروع کرسکتے ہیں، اور ختم کرسکتے ہیں، اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ رمضان بدل بدل کر مختلف موسموں میں آتا ہے، یہ کبھی گرمی میں پڑتا ہے کبھی جاڑے میں، اس لئے مسلمانوں کو ہر سال جھلسا دینے والی گرمی اور جلا دینے والی لو یا صرف انتہائی سرد موسم اور کڑاکے کی سردی ہی سے واسطہ نہیں پڑتا، بلکہ موسموں کے تغیر اور آب و ہوا کی تبدیلی کا فائدہ بھی ان کو حاصل ہوتا ہے، وہ ان دونوں حالتوں سے مانوس اور دونوں چیزوں کے عادی ہوتے ہیں، اور ہر حالت میں صابر و شاکر، اجر و ثواب کے طالب، رحمت الٰہی کے امیدوار اور رضائے الٰہی کے آرزومند نظر آتے ہیں[۳]۔

جب کوئی ایسا شخص جو ایمان کی نعمت سے سرفراز اور اسلام کی دولت سے مالا مال ہے، اور قدیم مذاہب میں روزہ کے آداب و احکام اور اس کی شکل و ہیئت، اور اس کے تاریخ و فلسفہ سے بھی واقف ہے،

---

[۱] روایت حضرت ابن عباسؓ (ترمذی) [۲] صحاح ستہ باستثناء بخاری شریف۔ [۳] اس باب میں مولانا سید سلیمان ندویؒ کی سیرۃ النبیؐ ج ۵ سے استفادہ کیا گیا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

نیز ان عاملین مذہب کے روزہ داروں کی حالت بھی اس کی نظر کے سامنے ہے ان کے روزہ کا موازنہ اسلامی روزہ اور اس کے آداب واحکام کے ساتھ کرتا ہے تو اس کی زبان پر بے ساختہ خدا کی حمد وثنا اور شکر کے زمزمے جاری ہو جاتے ہیں اور اس کے روئیں روئیں سے یہ صدا آتی ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا	(ساری) تعریف ہے اللہ کے لئے جس نے ہم کو اس
لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ	(مقام) تک پہنچا دیا اور ہم تو کبھی بھی یہاں تک
رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ	نہ پہنچتے اگر اللہ نے ہم کو نہ پہنچا دیا ہوتا واقعی
(سورۂ اعراف۔ ۴۳)	ہمارے پروردگار کے پیمبر سچائی کے ساتھ آئے تھے۔

www.abulhasanalinadwi.org

حج

وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ۝

اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو، لوگ تمہارے پاس پیدل بھی آئیں گے اور دبلی اونٹنیوں پر بھی جو دور دراز راستوں سے پہنچی ہوں گی (سورۂ حج ۔ ۲۷)

www.abulhasanalinadwi.org

حج

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا	اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو لوگ تمہارے پاس
وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۝	پیدل بھی آئیں گے اور دبلی اونٹنیوں پر بھی جو دور
لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ	دراز راستوں سے پہنچی ہوں گی تاکہ اپنے فوائد کے لئے
اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ	آموجود ہوں اور تاکہ ایام معلوم میں اللہ کا نام لیں
مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا	ان چوپایوں پر جو اللہ نے ان کو عطا کئے ہیں پس تم بھی
الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ۝ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ	اس میں کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلاؤ پھر لوگوں
وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ	کو چاہئے کہ اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنے واجبات
الْعَتِيْقِ ۝ (سورۂ حج - ۲۷-۲۸-۲۹)	کو پورا کریں اور چاہئے کہ (اس) قدیم گھر کا طواف کریں۔

اسلام توحید کا دین ہے اس میں وساطت و وکالت کی ضرورت نہیں

اسلام توحید خالص کا دین ہے، وہ خدا اور بندہ کے درمیان کسی وساطت[1] اور ایجنسی کا قائل نہیں،

---

[1] سوائے انبیاء مرسلین کے، اس معنی میں کہ وہ تبلیغ و رسالت اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کی پاکی کے بیان، اور صراط مستقیم کی طرف رہنمائی میں خدا اور اس کے بندوں کے درمیان ضروری واسطہ ہیں، اسی پر ایمان کا انحصار ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

وہ کسی ایسی محسوس اور مادی چیز کا روادار نہیں جس کو انسان اپنے فکر و خیال میں معبود کی طرح بسا کر اپنی ساری توجہ اور ہمت و قوت اس پر مرکوز کر دے اور اس کے دامن سے وابستہ ہو جائے، اس میں نہ تو واسطوں کی گنجائش ہے نہ مظاہر کی، نہ تصویروں کی نہ بتوں کی، نہ یہاں پادری اور پروہت کے قسم کا کوئی طبقہ پایا جاتا ہے، نہ کاہنوں اور مجاوروں کے طرز کی کوئی جماعت۔ اللہ تعالیٰ کا صاف ارشاد ہے:۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ	اور جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت
اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ	کریں تو میں تو قریب ہی ہوں دعا کرنے والے کی دعا
فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ	قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے پس
یَرْشُدُوْنَ ۝	(لوگوں کو) چاہئے کہ میرے احکام قبول کریں
(سورۂ بقرہ۔ ۱۸۶)	اور مجھ پر ایمان لائیں عجب نہیں کہ ہدایت پا جائیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ ۝ اَلَا لِلّٰهِ	سو آپ خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کی عبادت کرتے رہئے یاد رکھو
الدِّیْنُ الْخَالِصُ ؕ وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ	عبادت خالص اللہ ہی کے لئے ہے اور جن لوگوں نے اس کے سوا اور
دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَاۤ	شرکاء تجویز کر رکھے ہیں (کہ) ہم تو ان کی پرستش اس لئے کرتے ہیں کہ
اِلَی اللّٰهِ زُلْفٰی ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَحْكُمُ بَیْنَهُمْ فِیْ	یہ ہم کو خدا کا مقرب بنا دیں، بے شک اللہ ان کے درمیان
مَا هُمْ فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ؕ (سورۂ زمر۔ ۲-۳)	ان باتوں میں فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے

اس کے علاوہ اسلام ایک ایسا دین ہے جو خیال کی پاکی، فکر کی بلندی، نیت و ارادہ کی صفائی و درستی غیر سے بے تعلقی، اور عمل میں اخلاص کے اس معیار اور فکر و عقیدہ کی اس سطح پر ہے جس سے بہتر معیار اور بلند سطح ناقابل تصور ہے، دنیا کے تمام مذاہب، فلسفے، دینی اور عقلی نظام اور پوری انسانیت مل کر بھی آج تک اس جیسی کوئی چیز پیش کرنے سے قاصر رہی اور اس معیار کے قریب بھی اس کی رسائی نہ ہو سکی،

www.abulhasanalinadwi.org

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنا جو وصف بیان کیا ہے اس پر کوئی اضافہ ناممکن ہے۔

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (سورۂ شوریٰ۔۱۱)

کوئی چیز اس کے مثل نہیں اور وہی (ہر بات کا) سننے والا ہے (ہر چیز کا) دیکھنے والا ہے۔

ایک مشہود کی ضرورت جو شوق و تعظیم کا مرکز بن سکے

لیکن فطرت انسانی، فطرت انسانی ہی ہے ایک ایسی چیز کی جستجو اور آرزو ہر بشر کی سرشت میں داخل ہے جس کو وہ اپنی ان مادی آنکھوں سے دیکھ سکے اس کے ذریعہ اپنے جذبۂ شوق کی تسکین کر سکے اور قرب و وصال اور تعظیم و تسلیم کے اس شدید تقاضے کی آسودگی کا سامان کر سکے جو ہمیشہ سے اس کے خمیر میں ہے۔

شعائر اللہ اور ان کی حکمت

اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسی ظاہری اور محسوس چیزیں مقرر کی ہیں جو اس کی ذات اقدس کی ساتھ کچھ خصوصیت رکھتی ہیں، اسی کی طرف منسوب ہیں اسی کی کہلائی جاتی ہیں اور ان پر اس کی رحمت کی اس قدر تجلی اور عنایت کی ایسی نظر ہے کہ ان کو دیکھ کر ہی خدا یاد آتا ہے اس کے علاوہ ان کے ساتھ بہت سے ایسے واقعات و معاملات اور اعمال و احوال وابستہ ہیں جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی نشانیاں اور اس کے انعامات، اس کا دین توحید اور اس کے رسولوں کا جہاد اور صبر یاد دلاتے ہیں، ان چیزوں کا نام اس نے "شعائر اللہ"[1] رکھا، ان کی تعظیم اپنی تعظیم قرار دی اور ان میں کوتاہی اپنے حق میں کوتاہی کے مرادف بتایا، اور انسانوں کو اس کی اجازت بلکہ دعوت دی کہ اس کے ذریعہ وہ اپنی پوشیدہ و مستور محبت اور مشاہدہ و قرب کے فطری جذبہ کو تسکین دیں اور اپنی آسودگی کا سامان کریں۔ ارشاد ہے:۔

---

[1] اس پر نفیس بحث "حجۃ اللہ البالغہ" کی جلد اول میں "شعائر اللہ" کے عنوان سے ملاحظہ کی جائے۔

www.abulhasanalinadwi.org

ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۝ (سورۂ حج-۳۲)

یہ بات ہو چکی اور جو کوئی (دین) خدا کی یادگاروں کا ادب رکھے گا سو یہ (ادب) دلوں کی پرہیزگاری میں سے ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے:-

ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ (سورۂ حج-۳۰)

یہ بات ہو چکی اور جو کوئی بھی اللہ کے محترم احکام کا ادب کرے گا سو یہ اس کے حق میں اس کے پروردگار کے پاس بہتر ہوگا۔

انسان کی فطرت میں عشق و محبت کا عنصر

انسان نہ صرف عقل محض ہے، نہ مجبور محض، جو کسی قانون اور طاقت کے سامنے بے دست و پا ہو، نہ وہ ایسا مشینی پرزہ ہے جو کسی خاص قانون اور پہلے سے مقرر کردہ نقشہ کے مطابق ایک دائرہ میں گردش کرتا رہتا ہے، وہ عقل بھی ہے دل بھی، ایمان بھی ہے اور وجدان بھی، اطاعت بھی ہے اور محبت بھی، اور اسی میں اس کی عظمت و شرافت، اس کی طاقت و عبقریت، ذہانت و دقیقہ رسی، امتیاز و برتری اور ایثار و قربانی کا راز پوشیدہ ہے، اسی کی بدولت اس نے دشوار سے دشوار مسئلہ پر قابو پایا، محیر العقول کارنامے انجام دیئے، خارق عادت باتیں اس سے صادر ہوئیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسی کی وجہ سے وہ "امانت" اس کے حوالہ کی گئی جس سے آسمان زمین اور پہاڑ سب معذرت کر چکے تھے، اس شہپر کی مدد سے اس نے ان بلندیوں پر اپنا نشیمن بنایا جہاں مقرب فرشتوں کے بھی پر جلتے ہیں، حیوانات، نباتات اور جمادات کا کیا ذکر ہے؟

اس انسان کا اپنے رب کے ساتھ رشتہ محض قانونی اور عقلی رشتہ نہیں جس کا دائرہ صرف واجبات ادا کرنے، احکام کی تعمیل کرنے، ٹیکس دینے اور اس کے بدلہ میں کچھ حقوق حاصل کرنے تک محدود ہو، یہ محبت

www.abulhasanalinadwi.org

اور پاکیزہ جذبات کا بھی رشتہ ہے، یہ ایسا رشتہ ہے جس پر ذوق و شوق اور عشق و قربانی اور دل سوزی و بے قراری کا غلبہ ہونا چاہئے اور یہ عنصر اس رشتہ میں اس طرح جاری و ساری ہونا چاہئے کہ کوئی عمل اس کے اثر سے خالی نہ رہنے پائے، دین اس سے منع نہیں کرتا بلکہ اس کی دعوت دیتا ہے، اس جذبہ کو غذا پہونچاتا اور اس کو مزید قوت بخشتا ہے، قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ط	اور جو ایمان والے ہیں وہ تو اللہ کی محبت سب سے
(سورۂ بقرہ۔۱۶۵)	قوی رکھتے ہیں۔

دوسری جگہ آتا ہے:۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ	آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے لڑکے
وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا	اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے
وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ	کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت
اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ	جس کے بگڑ جانے سے تم ڈر رہے ہو اور وہ گھر جنہیں
فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ط	تم پسند کرتے ہو، یہ سب تم کو اللہ اور اس کے رسول
وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝	سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہوئے
(سورۂ توبہ۔۲۴)	تو منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیجدے
	اور اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں کو مقصود تک نہیں
	پہنچاتا۔

وہ اپنے رسولوں کا ذکر کرتے ہوئے ان کی محبت و خلوص اور ان کے شوق و فنائیت کو خاص طریقہ پر نمایاں کرتا ہے، اور اس کی طرف خصوصیت سے متوجہ کرتا ہے، یحییٰ علیہ السلام کے متعلق آتا ہے کہ۔

وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۝ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا	اور ہم نے ان کو لڑکپن ہی میں سمجھ دیدی تھی، اور

www.abulhasanalinadwi.org

وَزَكٰوةً ۚ وَكَانَ تَقِيًّا ۝ — خاص اپنے پاس سے رقت قلب اور پاکیزگی اور (سورۂ مریم-۱۲-۱۳) — وہ بڑے پرہیزگار تھے۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کا پورا قصہ اسی محبت کی تصویر ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر یہ بیان کیا ہے کہ انھوں نے اپنے جگر کے ٹکڑے اور محبوب فرزند کی محبت کے گلے پر کس طرح چھری پھیری اور جب تک خدا نے ان کے صدق و اخلاص اور صبر و قربانی کو دیکھ نہ لیا انھوں نے چھری گلے سے نہ ہٹائی۔

يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا — اے ابراہیم تم نے خواب کو سچ کر دکھایا ہم مخلصین

كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّ هٰذَا — کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں، بے شک یہ تھا بھی

لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ۝ (سورۂ صٰفّٰت ۱۰۴-۱۰۶) — کھلا ہوا امتحان۔

حضرت ابراہیمؑ کی تعریف میں آتا ہے:-

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ۝ — بیشک ابراہیم بڑے حلیم بڑے دردمند بڑے

(سورۂ ہود-۷۵) — نرم دل تھے۔

"صفات" ہی کے علم سے محبت پیدا ہوتی ہے اور اسی لئے قرآن مجید اس پر بہت زور دیتا ہے

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے صفات و افعال اور اس کے انعامات کا اتنی کثرت سے ذکر اور اس کے اعادہ و تکرار اور اس قدر شرح و بسط کے ساتھ بیان کا اصل راز یہی ہے اس لئے کہ صفات ہی محبت و شوق کا سرچشمہ ہیں، اسی بات کو بعض ائمہ اسلام[1] نفی مجمل اور اثبات مفصل سے تعبیر کیا ہے یہی اثبات ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات کریمہ کا بیان اور اس کے دلائل و شواہد کا ذکر) جس سے انسان کے ذوق و شوق کو غذا ملتی ہے اور محبت جوش مارنے لگتی ہے اگر نفی زیر عقل ہے تو اثبات زیر دل[2]،

---

[1] شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ مراد ہیں [2] جہاں نفی ہے کہ خدا ایسا نہیں ہے، ایسا نہیں ہے، وہاں "لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ" پر اکتفا کیا گیا ہے، لیکن جہاں اثبات ہے کہ خدا ایسا ہے ایسا ہے، وہاں بڑی تفصیل اور تکرار و اعادہ سے کام لیا گیا ہے ملاحظہ ہو سورہ حشر کا آخری رکوع۔

www.abulhasanalinadwi.org

اگر اللہ تعالیٰ کی یہ صفاتِ عالیہ اور اسماء حسنیٰ ہمارے سامنے نہ ہوتے جن سے قرآن وحدیث بھرا ہوا ہے اور جن پر عشاق ومحبین ہمیشہ اپنا سر دھنتے رہے عارفین ان کے ترانے گاتے رہے ذاکرین ان کی تسبیح میں مشغول رہے اور ان کا کلمہ پڑھتے رہے اور اہلِ معرفت وحقیقت زندگی بھر اس سمندر کے تہ نشین موتی چنتے رہے تو یہ دین ایک چوبی یا آہنی نظام اور قانون کی طرح ہو جاتا جس کی دلوں میں کوئی جگہ نہ ہوتی، یہ نہ ان میں کوئی جذبہ اور گرمجوشی پیدا کر سکتا، نہ ان کے دلوں کو گرم اور آنکھوں کو نم کرنے کی صلاحیت رکھتا، نہ اس سے دعا میں انابت ورقت کی کیفیت پیدا ہوتی، نہ دل میں سرفروشی کا جوش، نہ سر میں اس کا سودا، اس کے بغیر خدا اور بندہ کا تعلق ایک مردہ اور محدود تعلق ہے جس میں نہ کوئی زندگی ہے، نہ روح، نہ لچک، نہ وسعت، زندگی ایک ایسی خشک، سخت اور بے جان چیز ہے جو لذتِ آرزو، متاعِ شوق اور جنون وشوریدگی کی دولت سے بالکل تہی دامن اور محروم ہے۔

اگر انسانیت سے یہ دولت چھین لی جائے تو زندگی اور موت اور انسان اور جمادات میں آخر کیا فرق باقی رہ جائے گا؟

اس ساغر کی کیا قیمت جو کبھی چھلک نہ پائے

دل کی اس آنچ کو کچھ کم کرنے اور روح کی پیاس بجھانے کے لئے ایک مسلمان کو اس کی ضرورت تھی کہ اس کے دل کا سافر اور نگاہوں کا پیمانہ چھلک چھلک جائے، اس جام کی کیا قیمت جو بھرے لیکن چھلک نہ پائے یہی نہیں اس کو اس کی بھی ضرورت تھی کہ یہ جام چھلک کر بہنے لگے اور دوری ومہجوری کی آگ میں جلے ہوئے دل کو سیراب کر دے، وہ جام کیا جام ہے جو بھر کر چھلک تو جائے لیکن چھلک کر بہہ نہ پائے؟؟

حج بیت اللہ جذبۂ عشق کی تسکین کے لئے ہے

امام غزالیؒ نے اپنی نادرۂ روزگار ذہانت اور شریعت کے گہرے مطالعہ سے اس نکتہ کو خوب سمجھا تھا کہ

www.abulhasanalinadwi.org

محبت وشوق ایک زندہ اور سلیم الطبع انسان کی حقیقی ضرورت ہے، وہ اس کی تسکین کے لئے ہمیشہ طلب و جستجو میں رہتا ہے، بیت اللہ اور اس کے ساتھ جتنے شعائر اللہ اور حج کے مناسک و مقامات ہیں، وہ اس کی اس سچی اور حقیقی ضرورت کو اچھی طرح پورا کر سکتے ہیں، اور ان سے اس کو پوری تسکین اور تسلی حاصل ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ

(سورۂ حج ۲۶-۲۷-۲۸-۲۹)

اور (وہ وقت یاد دلائیے) جب ہم نے ابراہیم کو بیت اللہ کی جگہ بتادی (اور حکم دیا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور میرے گھر کو پاک رکھنا طواف کرنے والوں اور قیام و رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے، اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو، لوگ تمہارے پاس پیدل بھی آئیں گے اور دُبلی اونٹنیوں پر بھی جو دور دور راستوں سے پہنچی ہوں گی، تاکہ اپنے فوائد کے لئے آموجود ہوں اور تاکہ ایام معلوم میں اللہ کا نام لیں ان چوپایوں پر جو اللہ نے ان کو عطا کئے ہیں پس تم بھی اس میں سے کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلاؤ، پھر لوگوں کو چاہئے کہ اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنے واجبات کو پورا کریں اور چاہئے کہ (اس) قدیم گھر کا طواف کریں۔

امام غزالیؒ لکھتے ہیں:۔

"اگر اللہ تعالیٰ سے لقا کا شوق ہے تو مسلمان اس کے وسائل و اسباب اختیار کرنے پر لا محالہ مجبور ہوگا، عاشق اور محب ہر اس چیز کا مشتاق ہوتا ہے جس کی اضافت اس کے محبوب کی طرف ہو،

www.abulhasanalinadwi.org

کعبہ کی نسبت اللہ عزوجل کی طرف ہے اس لئے مسلمان کو قدرتی طور پر اس کا سب سے زیادہ مشتاق ہونا چاہئے علاوہ اس اجر و ثواب کی طلب و احتیاج کے جس کا وعدہ بھی اس سے کیا گیا ہے"[1]

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب بھی اسی نکتہ کو حج کی بنیادی حکمت بتاتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

"کبھی کبھی انسان کو اپنے رب کی طرف غایت درجہ اشتیاق ہوتا ہے اور محبت جوش مارتی ہے اور وہ اس شوق کی تسکین کے لئے اپنے چاروں طرف نظر دوڑاتا ہے تو اس کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا سامان صرف حج ہے"[2]

یہ ہو سکتا تھا کہ وہ اس شوق و محبت اور ان جذبات و کیفیات کی تسکین ان نمازوں کے ذریعہ کر لیتا جو وہ دن میں کئی بار پڑھتا ہے، وہ نماز میں اپنے پیمانۂ دل کو چھلکنے دیتا اور محبت و عشق کی اس تپش و بے قراری اور دل سوزی پر اپنے آنسوؤں کے کچھ چھینٹے ڈال لیتا لیکن اشک کے یہ چند قطرے تھوڑی دیر کے لئے اس کے دل کو گرم اور آنکھوں کو نم ضرور کر سکتے ہیں اس کی تشنگی کو دور نہیں کر سکتے، ان میں محبت کی اس تیز آنچ کو کم کرنے کی طاقت نہیں جو بعض وقت اس کے سینہ میں بھٹی کی طرح سلگتی ہے اور اس کو کسی پہلو چین نہیں لینے دیتی۔

مادیت کے قفس زریں سے کائنات کی بیکراں وسعتوں میں

اسی طرح اس کو روح کی پیاس بجھانے، سوزش دل کو آرام پہونچانے نفس کی سرکشی کو لگام لگانے اور اپنی مرغوبات و عادات کی "ثنیت" کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے میں رمضان سے بھی مدد مل سکتی تھی، اس لئے کہ اس وقت خلوئے معدہ اور احتیاط و پرہیز کی وجہ سے اس کی روح کو غذا ملتی ہے اور صفائی قلب نصیب ہوتی ہے، لیکن یہ بھی چند گنی چنی گھڑیاں ہیں، جو اکثر ایسی چیزوں سے گھری رہتی ہیں

---

[1] احیاء العلوم ج ۱ ص ۲۴۲ [2] حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۵۹

www.abulhasanalinadwi.org

جن سے روزہ کا اثر برابر کمزور ہوتا رہتا ہے اس کے چاروں طرف نفیس و مرغن کھانوں انواع و اقسام کے ذائقوں اور راحت طلبی اور شکم پری کا ایسا ماحول بن جاتا ہے جو اس کو یکسو نہیں ہونے دیتا اس کا معاشرہ (جو انکار و بغاوت اور غفلت و معصیت کا علمبردار بن چکا ہے) چاروں طرف سے اس کو اس طرح گھیرے میں رکھتا ہے جس طرح کوئی چھوٹا سا جزیرہ متلاطم و غضبناک سمندر میں گھرا ہوا ہو۔

ان تمام باتوں کی وجہ سے اس کو ایک ایسی جرأت مندانہ بلکہ رندانہ و قلندرانہ جست کی ضرورت تھی جو اس کے طوق و سلاسل کو پاش پاش کر کے رکھ دے اور اس کو ایک ہی چھلانگ میں اپنے قدیم تنگ و تاریک اور شکستہ و بوسیدہ قید خانہ سے آزاد کر دے اور اس قدیم و فرسودہ پابند و اسیر پایہ زنجیر مصنوعی اور مشینی مادی اور حسابی دنیا سے نکال کر ایک بالکل نو دریافت آزاد و بے کراں اور وسیع و لامحدود عالم میں پہونچا دے جہاں محبت کی فرماں روائی اور شوق کی حکمرانی ہے یہاں پہونچ کر وہ ہر قسم کی غلامی سے آزاد اور ہر نوع کی وثنیت و بت پرستی سے پاک ہو جاتا ہے رنگ و نسل اور ملک و وطن کی مصنوعی حد بندیاں اور رقبہ کی پیمائشیں اس کی نظر میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں وہ وحدت الوہیت وحدت رزاقیت وحدت انسانیت وحدت عقیدہ وحدت دعوت اور وحدت مقصد کا قائل ہوتا ہے اور اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ ایک آواز ہو کر خدا کی حمد کا ترانہ گاتا ہے اور یہ نعرہ لگاتا ہے:۔

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ	اے میرے اللہ میں حاضر ہوں حاضر ہوں تیرا کوئی
لَكَ لَبَّيْكَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ	شریک نہیں میں حاضر ہوں ساری تعریفیں اور
وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيْكَ لَكَ۔	نعمتیں تیرے ہی لئے زیبا ہیں اور حکومت و بادشاہت
	بھی تیرا ہی حق ہے تیرا کوئی شریک نہیں۔

مسلمان کو ان نمازوں کے بعد بھی جن کو وہ روزانہ پابندی کے ساتھ پڑھتا ہے اس رمضان کے بعد بھی جس میں وہ ہر سال روزے رکھتا ہے اور اس زکوٰۃ کے بعد بھی جو مالک نصاب ہونے اور سال گزرنے

www.abulhasanalinadwi.org

پردہ ادا کرتا ہے، ایک ایسی فصل یا ایسے موسم کی ضرورت تھی جس کو ہم عشق و محبت کی فصل اور جنون و شوریدگی کا موسم بہار کہہ سکتے ہیں، اور اہلِ جنوں، اور اہلِ وفا کی قبلہ گاہ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

عقل و مادّیت کے پرستاروں کے خلاف نعرۂ بغاوت

اس کو کبھی کبھی اپنی سنجیدہ و متین اور جامد عقل کے خلاف بھی بغاوت کی ضرورت پیش آتی ہے، اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں، اس لئے کہ جو زندگی بغاوت اور انقلاب کے بغیر گزر جائے وہ کیا زندگی ہے، اس کو اس کی ضرورت ہے کہ عادات و اطوار، پسند و ناپسند، خود ساختہ قوانین، مصنوعی تہذیب، ظاہری تکلفات، رسمی وضعداریوں اور اس سخت و بے رحم سماج کے بندھے ٹکے نظام اور فرضی بندھنوں کو توڑ کر آزاد ہو جائے، زمام کار اس عقل سے لے کر جو عرصہ سے اس پر قابض ہے، تھوڑی دیر کے لئے جذبۂ دل اور ہوائے شوق کے حوالہ کر دے، کبھی اس طرح بادیہ پیمائی و صحرانوردی کرے جس طرح عشاق و مجنین اپنے محبوب کے لئے کرتے ہیں، کبھی اس شوریدگی و آشفتہ سری کا مظاہرہ کرے جو اہلِ جنوں و اہلِ وفا کا شعار ہے، اس لئے کہ جس کو سوسائٹی، سماج اور رسم و رواج نے اپنا غلام بنا لیا ہو اس کو آزاد کون کہہ سکتا ہے؟ جو اپنی عادات و خواہشات اور مرغوبات کا اسیر ہو اس کو موحد کیسے کہا جا سکتا ہے؟ اسی طرح اس شخص کو مطیع و فرماں بردار اور وفا شعار کیسے کہا جا سکتا ہے، جو ہمیشہ اپنی عقل پر اعتماد کرتا ہو اور جب تک اپنی محدود اور مخلوق عقل کے پیمانہ سے کسی چیز کو ناپ نہ لے اور اس کے محسوس اور مادی فوائد کے علم میں نہ آجائیں اس میں کسی کام کا ولولہ اور اطاعت کا جذبہ ہی پیدا نہ ہوتا ہو، یہ حج اپنی مخصوص شکل کے ساتھ عقل اور مادیت کے پرستاروں اور نظم و ڈسپلن کے اسیروں کے خود ساختہ قوانین اور زندگی کے اس "روٹین" کے بالکل منافی ہے جس کے وہ دلدادہ ہیں، اس کا مقصد یہ ہے کہ انسان کے اندر ایمان بالغیب اور حکم کو محض حکم سمجھ کر بے چوں و چرا بجا لانے کا جذبہ اور ملکہ پیدا ہو، اور اس عقل کو تھوڑی دیر

www.abulhasanalinadwi.org

کے لئے اپنے اس منصب سے ہٹا دیا جائے جو ہر چیز کو منطق و فلسفہ، بحث و مناظرہ اور دلیل و حجت کے پیمانہ سے ناپتی ہے اور ہر وقت اور ہر جگہ منطق و استدلال سے کام لیتی ہے۔

امام غزالیؒ نے حج کی حقیقت اور روح کو (جس کو ایمان بالغیب اور مطلق امتثال امر سے تعبیر کیا جاسکتا ہے) بڑے عجیب اور بلیغ انداز میں بیان کیا ہے، اور اپنے موئے قلم سے اس کی دلکش اور دل آویز تصویر کھینچ دی ہے، انھوں نے دین کے اس اہم رکن کے قلب و جگر میں اتر کر اس کی بہت اچھی تشریح کی ہے، اور اس کے مغز اور جوہر کو ہمارے سامنے پیش کر دیا ہے جو بہت سے قدیم و جدید اہل فکر کی نظر سے رہ گیا تھا، وہ لکھتے ہیں:۔

"اس (بیت اللہ کی) وضع اور شکل ایک شاہی دربار یا شاہی ایوان کی طرح ہے، جہاں پر عشاق و اہل فراق ہر دشوار گزار اور دور دراز مقام سے افتاں و خیزاں، آشفتہ سر اور پراگندہ مو ... ہو کر پہونچتے ہیں، رب البیت کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے، اپنی حقارت کا احساس لئے ہوئے، اس کی عزت و جلال کے سامنے اپنے کو فراموش کئے ہوئے، اس علم و اعتراف کے ساتھ کہ وہ اس سے پاک اور بلند و برتر ہے کہ کوئی گھر اور چہار دیواری اس کو گھیر سکے، یا کوئی شہر اس کا احاطہ کر سکے تاکہ ان کی عبودیت و رقت اپنی انتہا کو پہونچ جائے، اور اطاعت و انقیاد اور تسلیم و رضا میں کوئی کسر باقی نہ رہ جائے۔

اسی لئے ان کو ایسے اعمال اور نقل و حرکت کا پابند کیا گیا ہے، جن سے نہ نفس انسانی کو کوئی لگاؤ ہے، نہ عقل کی وہاں تک رسائی ہے، مثلاً رمی جمار (شیطان کو ایک خاص جگہ پہونچ کر پتھر مارنا) صفا و مروہ کے درمیان بار بار دوڑنا، اس قسم کے اعمال کمال عبودیت اور غایت درجہ فنائیت کو ظاہر کرتے ہیں، زکوٰۃ ایک قسم کی رحم دلی و غمخواری ہے، اس کا مفہوم بھی آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے اور عقل بھی اس کو قبول کرتی ہے، روزہ نفس کشی اور ان خواہشات بشری کی سرکوبی کے لئے

www.abulhasanalinadwi.org

ہے، جن کو شیطان اپنی مقصد براری کے لئے استعمال کرتا ہے اور اس میں دوسرے مشاغل کم کر کے عبادت میں انہماک و اشتغال کا پہلو واضح ہے، نماز میں رکوع و سجود اور ان افعال اور حرکات کے ذریعہ جن سے تواضع کی روح پیدا ہوتی ہے خدا کے سامنے اس کی کبریائی اور اپنے عجز کا اظہار ہے اور اس سے دلوں کو خاص لگاؤ محسوس ہوتا ہے لیکن رمی جمار اور سعی اور اس طرح کے دوسرے اعمال ایسے ہیں، جن سے دل کو کوئی حظ اور سرور حاصل نہیں ہوتا، طبیعت بشری بھی ان کی طرف مائل نہیں ہوتی اور عقل بھی ان کے معنی و مفہوم سے قاصر رہتی ہے، چنانچہ یہ عمل یا اقدام صرف اطاعت ہی کے جذبہ سے کیا جاتا ہے، یہ سمجھ کر کہ یہ خدا کا ایک حکم ہے جو بہر صورت واجب الاتباع ہے، اس سے مقصود عقل کو اس کے اختیارات سے محروم کر دینا اور نفس و طبیعت کو ان چیزوں سے دور رکھنا ہے، جن سے اس کو لگاؤ اور انس پیدا ہو سکتا ہو، اس لئے کہ جب کوئی چیز عقل سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے تو طبیعت اس کی طرف خود بخود چلنے لگتی ہے، اور طبیعت کا یہ رجحان خود اس عمل کا باعث اور محرک بن جاتا ہے اور اس میں کمال عبدیت اور مجرد اطاعت کی شان باقی نہیں رہتی، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقع پر خصوصیت سے یہ لفظ کہے:۔

"لبیک بحجۃ حقاً تعبداً ورقاً" لبیک حج پر سچے دل کے ساتھ غلامی اور عبدیت کے جذبہ کے ساتھ۔

حج کے علاوہ یہ الفاظ آپ نے کسی اور عبادت حتی کہ نماز کے لئے بھی استعمال نہیں فرمائے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت نے مخلوق کی نجات کا دار و مدار اس پر رکھا ہے کہ ان کے اعمال اطاعت و انقیاد اور تسلیم و عبودیت کے طریقہ اور سنت پر ہوں، اس لئے وہ اعمال و عبادات (جن کے اسرار و معانی عقل انسانی کی دسترس سے باہر ہیں) تزکیہ نفوس اور رجحان و طبیعت

www.abulhasanalinadwi.org

اخلاق و فضائل سے ہٹا کر عبودیت کاملہ سے روشناس کرنے میں زیادہ موثر ہیں، اس بات کی تہ تک پہونچ جانے کے بعد یہ بات ہماری سمجھ میں خوب آجائے گی کہ ان افعال اور حرکات و سکنات پر تعجب دراصل ان عبادتوں کے مخصوص اسرار و مقاصد کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے، اور حج کی اصل بنیاد اور حقیقت سمجھنے کے لئے ان شاء اللہ اتنا ہی کافی ہے"[1]۔

رمی جمار کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کا مدار ہی اطاعتِ محض اور مجرد امتثال امر پر ہے، لکھتے ہیں:۔

"اس سے مقصود مجرد امتثال امر ہے تاکہ کمال عبودیت کا مظاہرہ ہو سکے عقل اور نفس کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے، مزید براں اس سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تشبہ ہے، اس لئے کہ ابلیس ملعون اسی جگہ ان کے حج میں شبہ پیدا کرنے یا کسی معصیت میں مبتلا کرنے آیا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ اس کو کنکریاں ماریں تاکہ وہ ان کے پاس سے دفع ہو جائے اور اس کو ان سے کوئی توقع ہی باقی نہ رہ جائے، اگر کوئی یہ خیال کرتا ہے کہ ان کے سامنے شیطان حقیقت میں آگیا تھا، اس لئے انھوں نے اس کو مارا، میرے سامنے تو شیطان نہیں ہے کہ میں اس کو ماروں تو اس کو سمجھنا چاہئے کہ یہ خیال بھی شیطان ہی کا پیدا کردہ ہے اور وہی ہے جس نے یہ خیال تمہارے دل میں ڈالا ہے تاکہ شیطان کو ذلیل و خوار کرنے کا جو عزم اور ارادہ تمہارے اندر تھا وہ کمزور پڑ جائے۔

تم کو جاننا چاہئے کہ ظاہر میں تم جمرۂ عقبہ پر کنکریاں مارتے ہو لیکن حقیقت میں وہ کنکریاں شیطان کے منہ پر پڑتی ہیں، اور اس کی کمر توڑ دیتی ہیں، اس لئے کہ اس کی تذلیل و توہین سب سے زیادہ اس تعمیل حکم سے ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اطاعتِ محض کے جذبہ کے ساتھ ہو،

---

[1] احیاء العلوم ج ۱ ص ۲۴۰

www.abulhasanalinadwi.org

نفس یا عقل کا اس میں کوئی حصہ نہ ہو۔"[1]

قربانی کے سلسلہ میں کہتے ہیں:۔

"جاننا چاہئے کہ یہ امتثال امر (یعنی قربانی) تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے چنانچہ یہ حکم بھی فوراً بجالانا چاہئے اور یہ امید اللہ تعالیٰ کی ذات سے رکھنی چاہئے کہ اس کے ایک ایک جز کے بدلے میں تمہارا ایک ایک جز آگ سے محفوظ رکھے گا، حدیث میں اسی طرح آیا ہے، قربانی جتنی بڑی ہوگی اور اس کے اجزا جتنے زیادہ ہوں گے آگ سے فدیئے بھی اسی قدر زیادہ ہوسکیں گے۔"[2]

حاجی حکم کا بندہ ہے اور اشاروں کا غلام ہے

حج اپنے سارے ارکان واعمال اور مناسک وعبادات کے ساتھ اطاعت محض، مجرد امتثال امر، بے چون وچرا حکم بجالانے اور ہر مطالبہ کے آگے سر جھکا دینے کا نام ہے، حاجی کبھی مکہ میں نظر آتا ہے کبھی منیٰ میں، کبھی عرفات میں کبھی مزدلفہ میں کبھی ٹھہرتا ہے، کبھی سفر کرتا ہے کبھی خیمہ گاڑتا ہے کبھی اکھاڑتا ہے، وہ حکم کا بندہ اور چشم وابرو کا پابند ہے، اس کا خود نہ کوئی ارادہ ہوتا ہے نہ فیصلہ، نہ انتخاب کی آزادی، وہ منیٰ میں اطمینان سے سانس بھی لینے نہیں پاتا کہ اس کو عرفات جانے کا حکم ملتا ہے لیکن مزدلفہ میں رکنے کی اجازت نہیں ہوتی، عرفات پہونچ کر وہ دن بھر دعا وعبادت میں مشغول رہتا ہے غروب آفتاب کے بعد اس کو اس کا تقاضا ہوتا ہے کہ ذرا ستالے اور رات کو یہیں رہ جائے لیکن اس کے بجائے اس کو مزدلفہ جانے کا حکم ملتا ہے، وہ زندگی بھر نماز کا پابند رہا تھا لیکن عرفہ میں اس کو اس کا حکم ہوتا ہے کہ مغرب کی نماز ترک کردے اس لئے کہ وہ اللہ کا بندہ ہے، نماز یا اپنی عادت کا

---

[1] احیاء العلوم ج ۱ ص ۲۴۳ [2] ایضاً

www.abulhasanalinadwi.org

بندہ نہیں، وہ یہ نماز مزدلفہ پہونچنے کے بعد عشا کے ساتھ ملا کر پڑھتا ہے، مزدلفہ میں اس کا خوب جی لگتا ہے، اور سوچتا ہے کہ یہاں جی بھر کر ٹھہرے مگر اس بات کی اجازت بھی اس کو نہیں ملتی اور اس کو منیٰ کی طرف رُخ کرنے کو حکم ہوتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور سب انبیاء کرام اور ان کے بعد تمام عشاق و اہلِ محبت، اہلِ دل اور اہلِ طلب کی زندگی کا طرز یہی تھا، کبھی سفر کبھی قیام کبھی وصل کبھی ہجر، نہ عادت کی غلامی، نہ ذوق کی اسیری، نہ خواہش کی تابعداری، نہ شہوت کے سامنے سپر اندازی۔

رحمتِ خداوندی کو متوجہ کرنے میں زمان و مکان کا حصّہ

اس کے لئے سب سے موزوں اور مناسب جگہ یہی تھی، جہاں اہلِ محبت کے پیشوا مخلصین کے امام اور اپنے زمانہ میں اللہ کے سب سے زیادہ محب اور محبوب اور مقرب بندہ نے اخلاص و محبت، وفاداری و جاں نثاری، اور ایثار و قربانی کی ایسی دلآویز اور حیرت انگیز کہانی پیش کی جو پاکیزہ محبت، بے غرض وفاداری اور صدق و اخلاص کی تاریخ میں سب سے زیادہ تابناک اور دل فریب ہے، ان کے بعد جتنے انبیاء کرام، موحّد و مخلص اور عاشق صادق پیدا ہوئے وہ سب اپنے اپنے دور میں انہی کے نقش قدم پر چلتے رہے، ان کی ایک ایک ادا کی نقل کرتے رہے اور صدق و وفا کی وہی کہانی دہراتے رہے، انھوں نے اسی طرح بیت اللہ کا طواف کیا، صفا و مروہ کے درمیان سعی کی، عرفات میں ٹھہرے مزدلفہ میں رات گزاری، جمرات میں کنکریاں ماریں اور منیٰ میں قربانی کی۔

اس طرح زمان و مکان میں، کہانی کی ان فصلوں میں جو برابر دہرائی جا رہی ہیں، ان اعمال میں جن میں ان کی تقلید جاری ہے، محبت کے ان جاں نواز اور روح پرور جھونکوں میں جن سے حجاج از سر نو تازگی حاصل کرتے ہیں، اس ذوق و شوق میں جس میں وہ ہمہ وقت ڈوبے رہتے ہیں، امت کے

www.abulhasanalinadwi.org

ان مختلف طبقوں اور جماعتوں کی صحبت میں جن کی رفاقت ان کو میسر آتی ہے، اس دینی اور روحانی اجتماع میں جس کی نظیر روئے زمین پر کہیں اور نہیں ملتی اور ذکر و دعا، تلبیہ و استغفار کے دلآویز زمزموں میں جو ہر وقت اس فضا میں گونجتے رہتے ہیں اور دل میں بس جاتے ہیں، وہ چیز اب بھی موجود ہے جو مردہ دلوں کو حیاتِ نو بخشتی ہے، پست ہمتوں کی حوصلہ افزائی کرتی ہے، مضمحل و افسردہ نفوس کو نئی زندگی عطا کرتی ہے اور عشق کی اس دبی ہوئی چنگاری کو پھر سے بھڑکا دیتی اور چھیڑ دیتی ہے، جو بجھنے کے قریب تھی یا بجھ چکی تھی، رحمت الٰہی کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے اور اس میں جوش پیدا کرتی ہے۔

مسلمانوں کے اس عظیم الشان اجتماع اور اہلِ ایمان کی دعاؤں میں رحمت الٰہی کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی جو خاصیت ہے اور اس کی بدولت سخت سے سخت دل والوں کو زندگی و حرکت اور ذوق و شوق کی جو کیفیت حاصل ہوتی ہے، اس کی طرف بہت سے اہل نظر و اہل دل علماء اسلام نے متوجہ کیا ہے۔

امام غزالیؒ لکھتے ہیں:۔

"جب ہمتیں کسی خاص نقطہ پر مرکوز ہو جاتی ہیں، دل تضرع و بیتابی میں مشغول ہوتے ہیں، ہاتھ خدا کے سامنے پھیلے ہوتے ہیں، نگاہیں آسمان کی طرف اٹھی ہوتی ہیں اور سب ایک جان اور ایک دل ہو کر پوری توجہ کے ساتھ رحمتِ الٰہی کے امیدوار ہوتے ہیں تو اس وقت ایسا نہ سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ان کو مایوس کر دے گا، ان کی کوششوں کو ضائع فرما دے گا، اور اپنی رحمت سے ان کو محروم و بے نصیب رکھے گا"[1]

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے حج پر بحث کرتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہے کہ:۔

"حج کی حقیقت یہ ہے کہ صالحین کی ایک بڑی جماعت ایک خاص زمانہ میں جمع ہو اور ان لوگوں کا حال یاد کرے جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا، مثلاً انبیاء و صدیقین، شہداء و صالحین،

---

[1] احیاء العلوم ج ۱ ص ۲۴۳

اور اس جگہ جمع ہو جہاں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں موجود ہیں، اور جہاں ائمہ دین اور صالحین امت شعائر اللہ کی تعظیم میں سرشار ہو کر گڑگڑاتے، روتے ہوئے خیر و بخشش کے طالب اور کفارۂ سیئات کے امیدوار بن کر آئے ہیں، اس لئے کہ جب ہمتیں اس کیفیت کے ساتھ جمع ہوتی ہیں تو رحمت و مغفرت کے نزول میں تخلف نہیں ہوتا، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ شیطان اس قدر حقیر، راندۂ درگاہ، ذلیل و خوار اور غصہ سے جلا ہوا کسی دن نہیں ہوتا جتنا عرفہ کے دن ہے۔[۱]

ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

"یہ بات بھی طہارت نفس میں داخل ہے کہ آدمی ان جگہوں میں اترے اور قیام کرے جہاں صالحین اور اولیاء اللہ ہمیشہ سے دل کی تعظیم اور ارادت کے ساتھ اترتے آئے ہیں، اور اس کو خدا کے نام سے معمور کرتے رہے ہیں، یہ اہل خیر کے حق میں ملائکہ اور ملاء اعلیٰ کو متوجہ کرنے کا باعث ہوگا، اور جب وہ وہاں اترے گا تو ان کا رنگ اس پر بھی چڑھ جائے گا"۔[۲]

ملت حنیفی کے امام حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تجدید تعلق حج کے سب سے اہم مقاصد میں ہے

حج کا ایک بڑا اور بنیادی مقصد یہ ہے کہ ملت حنیفی کے امام اور مؤسس حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تجدید تعلق کیا جائے، ان کی میراث کی حفاظت کی جائے، ان کی زندگی اپنے سامنے رکھ کر اپنی زندگی کا موازنہ کیا جائے، مسلمانوں کی حالت کا جائزہ لیا جائے اور ان کی زندگی میں جو غلطیاں، فساد اور تحریف نظر آئے اس کو دور کیا جائے اور اس کے اصل سرچشمہ کی طرف رجوع کیا جائے، اس لئے کہ حج ایک قسم کا سالانہ اجتماع ہے جس کے ذریعہ مسلمان اپنے اعمال اور اپنی زندگی کا احتساب و تجزیہ کر سکتے ہیں، اور ان قوموں اور سوسائٹیوں کے اثرات سے چھٹکارا پا سکتے ہیں، جن کے بیچ میں وہ رہتے ہیں۔

---

[۱] حجۃ اللہ ج ۱ ص ۵۹ [۲] ایضاً

www.abulhasanalinadwi.org

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں:۔

"(حج کے مقاصد میں) اس میراث کی حفاظت بھی ہے جو سیدنا ابراہیمؑ اور سیدنا اسمٰعیلؑ نے ہمارے لئے چھوڑی ہے اس لئے کہ یہ دونوں ملت حنیفی کے امام اور عرب میں اس کے مؤسس اور بانی کہے جاسکتے ہیں، حضورؐ کی بعثت بھی اسی لئے ہوئی تھی کہ ملت حنیفی آپ کے ذریعہ دنیا میں غالب آئے اور اس کا پرچم بلند ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "مِلَّةَ اَبِيكُمْ اِبْرٰهِيمَ"[1] (ملت ہے تمہارے باپ ابراہیمؑ کی) اس لئے یہ ضروری ہے کہ اس ملت کے امام سے جو چیزیں ہم کو ورثہ میں ملی ہیں مثلاً خصائل فطرت[2] اور مناسک حج اس کی ہم حفاظت کریں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

قِفُوا عَلٰى مَشَاعِرِكُمْ فَاِنَّكُمْ عَلٰى اِرْثٍ مِنْ اِرْثِ اَبِيكُمْ۔

اپنے مشاعر (مقامات حج) پر ٹھہرو اس لئے کہ تم اپنے باپ کی ایک وراثت کے وارث ہو۔[3]

حضرت ابراہیمؑ کے قصہ کی حج میں تمثیل

حج کی سب سے نمایاں اور دلکش تصویر اور وہ روح جو اس کے تمام اعمال و مناسک میں جاری و ساری نظر آتی ہے وہ عشق و شوریدگی، مر مٹنے اور قربان ہوجانے کا جذبہ ہے اس میں جسم و عقل کی لگام دل اور جذبات کے حوالہ کردی جاتی ہے اور عشاق و محبین اور ان کے امام و پیشوا ابراہیم خلیل اللہ کی ہر ہر ادا کی

---

[1] سورۂ حج ۷۸ [2] ان خصائل فطرت سے مراد یہ دس چیزیں ہیں۔ مونچھیں ترشوانا، ڈاڑھی بڑھانا، مسواک کرنا، پانی سے ناک صاف کرنا، ناخن کاٹنا، انگلی کے پوروں کا دھونا، بغل کے بال اکھاڑنا، موئے زیر ناف صاف کرنا، پانی سے استنجا کرنا، ختنہ کرنا، ابوداؤد بروایت حضرت عائشہؓ (دسویں چیز کے بارے میں راوی کہتے ہیں میں بھول گیا شاید وہ کلی ہے لیکن قاضی عیاضؒ اور امام نوویؒ نے دسویں چیز ختنہ بتائی ہے) [3] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۴۲۲

www.abulhasanalinadwi.org

نقل کی جاتی ہے کبھی بیت اللہ کے طواف کا شوق ہوتا ہے کبھی حجر اسود کا بوسہ کبھی صفا و مروہ میں ماں کی مامتا اور جوش اضطراب کی اس طرح نقل کی جاتی ہے کہ جہاں وہ دوڑی تھیں اس جگہ دوڑا جاتا ہے اور جہاں وقار و متانت کے ساتھ چلی تھیں وہاں اسی طرح چلا جاتا ہے، پھر یوم الترویہ میں منیٰ روانگی کا حکم ہے اس کے بعد عرفات کے میدان اور پہاڑی کے دامن میں ٹھہرنا اور دل کھول کر اور رو رو کر دعا و مناجات کی ہدایت ہے، رات مزدلفہ میں گزاری جاتی ہے اور اس کے بعد منیٰ واپسی ہوتی ہے، اور یہ سب حضرت ابراہیمؑ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تقلید و پیروی میں کیا جاتا ہے۔

لیکن اس عشق و محبت اور تقلید و نقل کی سب سے واضح تصویر رمی جمرات ہے جو صرف ایک ایسے فعل کی تقلید ہے جو حضرت ابراہیمؑ سے صادر ہوا تھا، عشاق و محبین کی تقلید ایک متعدی طاقت ہے اس کی نقل کرنے والے میں بھی وہی جذبات محبت منتقل ہو جاتے ہیں اور گویا بجلی کے سوئچ یا پاور ہاؤس سے اس کا تعلق ہو جاتا ہے جس سے تمام تاروں میں بجلی دوڑ جاتی ہے اور پورے پورے شہر کو جگمگا دیتی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت کو متوجہ کرنے کا بہترین اور بہت موثر ذریعہ ہے جس نے اس محبت کا مزہ چکھا ہے، اس کے لئے اس منظر سے زیادہ پر کیف اور دلفریب منظر کوئی اور نہیں ہو سکتا، جب وفا شعار اور جاں نثار عشاق و محبین اس کہانی کو دہرانے اور ان واقعات کی نقل کے لئے اس سرزمین میں جمع ہوتے ہیں جو ہزاروں سال پیشتر پیش آئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو بقاء دوام اور قبول عام عطا فرمایا اور تمام مخلصین و محبین سے اس کا مطالبہ کیا کہ وہ شیطان کو ذلیل کرنے، ایمان کو مضبوط کرنے اور ابراہیم خلیل الرحمٰن کی اقتداء و پیروی کے جذبہ کے ساتھ یہ ساری کہانی اسی طرح دہرایا کریں۔

قرآن مجید میں حضرت ابراہیمؑ کا قصہ اور بلد امین سے اس کا تعلق

حضرت ابراہیمؑ شہر کے ایک بڑے مجاور یا پروہت کے گھر میں پیدا ہوئے جس کا پیشہ بت گری

www.abulhasanalinadwi.org

وصنم تراشی تھا اور جو شہر کے سب سے بڑے معبد میں مجاور تھا اور اپنے عقیدہ اور پیشہ دونوں میں اس معبد کے ساتھ منسلک، یہ بڑی دشوار صورت حال تھی، اس لئے کہ جب عقیدہ پیشہ کے ساتھ اور دینی جذبہ مالی منفعت کے ساتھ مل جاتا ہے اور دونوں ساتھ چلنے لگتے ہیں تو اس وقت پیچیدگی اور دشواری پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ جاتی ہے، اس سخت اور تاریک ماحول میں کوئی ایسی چیز نہ تھی جو ایمان و محبت کو ابھار سکے اور اس مشرکانہ اور بت پرستانہ جہالت و حماقت کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر سکے لیکن اس "قلب سلیم" کی بات ہی اور تھی، جس کو نبوت اور عالم نو کی تعمیر کے لئے تیار کیا جا چکا تھا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ۝ (سورۂ انبیاء - ۵۱)

اور بالیقین ہم (اس سے بھی) پہلے ابراہیم کو فہم سلیم عطا کر چکے تھے اور ہم ان کو خوب جانتے تھے۔

وہ اپنی بغاوت اس مرحلہ سے شروع کرتے ہیں، جہاں بعض اوقات دنیا کے بڑے سے بڑے انقلاب کا گزر نہیں ہوتا، یہ گھریلو زندگی کا مرحلہ ہے، اس گھر کا مرحلہ جہاں انسان پیدا ہوتا ہے، پلتا بڑھتا ہے اور جوان ہوتا ہے اور ہر چیز کا یہی تقاضا ہوتا ہے کہ وہ یہیں زندگی گزارے، اب وہ ساری باتیں پیش آتی ہیں، جن کا قرآن مجید نے اپنے صاف، واضح، اور بلیغ و معجزانہ اسلوب میں ذکر کیا ہے، ان میں حضرت ابراہیمؑ کا بتوں کو توڑنا، پجاریوں کی اس پر سخت برہمی، حیرت اور لاچاری اور اس باغی اور حوصلہ مند نوجوان سے انتقام کی کوشش، ان کے لئے الاؤ روشن کرنا اور اس کا حضرت ابراہیمؑ کے حق میں ٹھنڈا اور باعث سلامتی بن جانا، جابر بادشاہ کے سامنے حضرت ابراہیمؑ کا بلیغ مناظرہ اور سوال و جواب سب چیزیں شامل ہیں[1]۔

یہ انکار اور بغاوت اس نتیجہ تک پہونچاتی ہے کہ سارا شہر ان کا دشمن ہو جاتا ہے، پوری سوسائٹی ان سے برہم نظر آتی ہے، حکومت وقت بھی ان کا تعاقب کرتی ہے اور ایذا پہونچاتی ہے لیکن وہ ان میں سے کسی چیز کی بھی پرواہ نہیں کرتے اور اس کو کوئی اہمیت نہیں دیتے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ اس کے منتظر

---

[1] اس قصہ کی تفصیل سورۂ انبیاء کی آیات (۵۱ تا ۷۰) میں بیان کی گئی ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

اور اس نتیجہ کے پہلے ہی سے متوقع ہوں، وہ اپنے شہر سے ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ بہت خوش اور مطمئن ہو کر ہجرت کرتے ہیں، اس لئے کہ ان کی اصل پونجی یعنی دولتِ ایمان ان کے ہاتھ میں ہوتی ہے، وہ بالکل تنہا اور بے یار و مددگار سفر کرتے ہیں، ان کے ساتھ ایک آدمی بھی نہیں ہوتا، اس سفر میں ان کو ہر جگہ انسانوں کا ایک ہی نمونہ نظر آتا ہے، وہی بت پرستی، شرک و جہالت اور خواہشات کی گرم بازاری جس کو چھوڑ کر چلے تھے، ہر جگہ ان کو ملتی ہے، وہ مصر پہونچتے ہیں، اور وہاں بڑی آزمائش اور اہانت سے دوچار ہوتے ہیں، اور اپنی اہلیہ کو جن پر بادشاہ وقت کی بُری نظر تھی لے کر کامیابی کے ساتھ وہاں سے نکل جاتے ہیں، اس کے بعد شام پہونچتے ہیں، یہاں کی آب و ہوا ان کو راس آتی ہے، اور وہیں طرح اقامت ڈال دیتے ہیں، اور توحید کی دعوت اور بت پرستی کی مذمت کا کام دوبارہ شروع کر دیتے ہیں۔

شام میں جہاں سرسبزی و شادابی اور رزق کے وسائل بہت وافر تھے، اور جو قدرتی حسن سے بھی مالا مال تھا، ان کا جی لگتا ہے، لیکن جلد ہی ان کو ایک ایسی سرزمین کی طرف جانے کا حکم ملتا ہے جو سرسبزی و شادابی میں شام کی بالکل ضد ہے، لیکن حضرت ابراہیمؑ اپنا کوئی حق نہیں سمجھتے اور کسی سرزمین اور وطن سے ان کو وابستگی نہیں، وہ حکم کے بندہ اور چشم و ابرو پر چلنے والے ہیں، اور ساری دنیا کو اپنا وطن اور پوری انسانیت کو اپنا خاندان سمجھتے ہیں، ان کو اس کا حکم ملتا ہے کہ اپنی بیوی "ہاجرہ" اور شیر خوار بچہ کو لے کر یہاں سے ہجرت کر جائیں۔

ایک ایسی وادی اور سرزمین میں پہونچنے کے بعد جس کے چاروں طرف جلے ہوئے پہاڑوں کے سوا کچھ نہ تھا، جہاں کی آب و ہوا اور موسم بہت سخت، پانی مفقود اور ہر طرف سناٹا تھا، اور کوئی ایسا مونس و غمخوار بھی نہ تھا جس سے دل کو سکون و اطمینان ہوتا، ان کو یہ حکم ملتا ہے کہ اپنی کمزور و ناتواں بیوی اور اپنے چھوٹے بچہ کو اللہ کے بھروسہ پر اور محض اس کے حکم کی تعمیل میں چھوڑ کر یہاں سے چلے جائیں اور اس طرح کہ راضی برضا ہوں، نہ جزع فزع ہو، نہ ڈر اور گھبراہٹ، نہ بے دلی و اکتاہٹ، نہ عزیمت میں کمزوری، نہ وعدۂ الٰہی میں

www.abulhasanalinadwi.org

شک، بلکہ اس کے بجائے انسانی تجربوں کے خلاف بغاوت، طبعی اسباب کی مخالفت، وسائل سے بے نیازی اور انقطاع کلی، ایمان بالغیب اور خدا پر اس وقت بھروسہ اور اعتماد ہو جب قدم پھسلنے لگیں اور بدگمانی پیدا ہونے لگے۔

ان کے جانے کے بعد قدرتی طور پر وہ سب باتیں پیش آتی ہیں جن کا اندیشہ تھا، بچہ پیاس سے بیتاب ہو جاتا ہے، اور ماں پر بھی پیاس کا غلبہ ہوتا ہے لیکن اس صحرا میں پانی کہاں؟ وہاں تو ان چھوٹے چھوٹے گڑھوں کا بھی وجود نہ تھا جن میں بچا کھچا پانی مل جاتا ہے، اب ماں کی مامتا جوش مارتی ہے، ان کو خطرہ کا احساس ہونے لگتا ہے، اور وہ پانی کی تلاش میں یا کسی ایسے قافلہ کی جستجو میں جس کے پاس پانی مل جائے بے تاب و بے قرار ہو کر والہانہ انداز میں دو پہاڑیوں کے درمیان دوڑنے لگتی ہیں، دوسری پہاڑی کے پاس پہونچنے کے بعد فوراً بچہ کا خیال آتا ہے کہ وہ نہ جانے کس حال میں ہو اس لئے رکے بغیر پھر دوبارہ واپس آکر اطمینان کرتی ہیں کہ وہ زندہ اور بخیریت ہے، اس کے بعد پھر رہا نہیں جاتا اور وہ دوبارہ پھر اسی پہاڑی کی طرف دوڑ جاتی ہیں کہ شاید کہیں کوئی آدمی نظر پڑ جائے یا پانی کی علامت کسی جگہ نظر آجائے، ایک طرف ان کے اندر وہ اضطراب و بے کلی ہوتی ہے، جو اس صورت حال کا قدرتی نتیجہ ہے، دوسری طرف وہ سکینت جو صرف ایمان اور اعتماد علی اللہ سے پیدا ہوتی ہے، باوجود اس کے کہ وہ نبی کی بیوی اور نبی کی ماں ہیں ظاہری اسباب اور سعی و تدبیر کو ایمان اور توکل کے منافی نہیں سمجھتیں، وہ مضطرب ضرور ہیں لیکن مایوسی کے ادنیٰ شائبہ کے بغیر خدا پر پورا بھروسہ بھی رکھتی ہیں لیکن تعطل بے عملی اور سستی کے بغیر ایسا منظر شاید چشم فلک نے کبھی نہ دیکھا تھا، اب رحمتِ الٰہی جوش میں آئی اور معجزانہ طریقہ سے ایک چشمہ وہاں پھوٹ پڑا یہ وہ زمزم کا مبارک اور لافانی چشمہ ہے، جو نہ کبھی خشک ہوتا ہے نہ اس میں کوئی کمی آتی ہے، وہ ساری دنیا اور تمام نسلوں کے لئے کافی ہے، اور آج تک سارا عالم اس سے فیضیاب و سیراب ہو رہا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے شفا بھی رکھی ہے غذائیت بھی، اجر بھی اور برکت بھی۔

www.abulhasanalinadwi.org

اللہ تعالیٰ نے اس اضطراری حرکت کو جو ایک مخلص مومنہ سے صادر ہوئی ایک اختیاری حرکت بنا دیا اور دنیا کے بڑے سے بڑے ذہین، عبقری اور فلسفی انسان کو اور بڑے سے بڑے فرماں روا اور بادشاہ کو اس کا پابند کر دیا، چنانچہ جب تک وہ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان سعی نہ کر لیں ان کا حج ہی پورا نہیں ہو سکتا، یہ دونوں پہاڑیاں دراصل ہر محب و مشتاق کی منزل ہیں، اور یہ سعی اس دنیا میں مومن کے موقف کی بہترین تمثیل ہے، اس لئے کہ وہ بھی عقل اور جذبہ اور احساس اور عقیدہ دونوں کا جامع ہوتا ہے، وہ عقل سے بھی پوری طرح کام لیتا ہے، اور اپنی زندگی کے مصالح و ضروریات میں اس سے فائدہ اٹھاتا ہے، لیکن کبھی کبھی اپنے ان دلی جذبات کے سامنے بھی سر جھکا دیتا ہے، جن کی جڑیں عقل سے بھی زیادہ گہری اور مضبوط ہوتی ہیں، وہ ایک ایسی دنیا میں رہتا ہے، جو ترغیبات، جنسی خواہشات، زینت و آرائش اور مظاہر سے بھری ہوئی ہے، لیکن صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے والے کی طرح وہ کسی طرف نظر اٹھائے اور کسی اور چیز میں اٹکے بغیر اور کسی اور جگہ ٹھہرے بغیر تیزی کے ساتھ وہاں سے گزر جاتا ہے، اس کو سب سے زیادہ فکر اپنی منزل اور اپنے مستقبل کی ہوتی ہے، وہ اپنی زندگی کو چند گنے چنے چکروں کی طرح سمجھتا ہے جو وہ اپنے رب کی اطاعت اور اپنے اسلاف کی اقتدا میں لگاتا ہے، اس کا ایمان بحث و جستجو میں مانع نہیں ہوتا اور اس کی سعی اس کے توکل و اعتماد میں کوئی خلل نہیں ڈالتی، ایک ایسی حرکت جس کی ساری قیمت، روح اور پیام دو لفظوں میں ادا کیا جا سکتا ہے "محبت" اور "تابعداری"۔

اب یہ بچہ کچھ سیانا ہوتا ہے، اور اس عمر کو پہونچتا ہے، جب باپ کو اپنے بچہ سے قدرتی طور پر زیادہ لگاؤ ہوتا ہے، وہ اپنے باپ کے ساتھ باہر جاتا ہے، ان کے ساتھ دوڑتا بھاگتا ہے، اور ان کے ساتھ ساتھ رہتا ہے، اس کے والد جن میں انسانی ہمدردی اور محبت بدرجۂ اتم موجود تھی اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک اور جگر کے ٹکڑے سے بڑا انس اور میلان محسوس کرتے ہیں، اور یہی سب سے بڑی مشکل ہے، اس لئے کہ ان کا قلب وہ قلب سلیم تھا، جو محبتِ الٰہی کے لئے مخصوص ہے، وہ کسی عام انسان کا دل نہیں، خلیل الرحمٰن کا دل تھا، محبت کو سب کچھ

www.abulhasanalinadwi.org

گوارا ہے شرکت گوارا نہیں وہ رقیب کو کبھی برداشت نہیں کر سکتی جب یہ عام انسانی محبت کا حال ہے تو محبت الٰہی کا حال کیا ہوگا یہ وہ موقع ہے جب حضرت ابراہیمؑ کو اپنے محبوب بیٹے کی قربانی کا اشارہ ملتا ہے انبیاء کا خواب وحی کے برابر ہوتا ہے اس لئے جب کئی بار ان کو یہ اشارہ ملا تو وہ سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ کا یہی منشا ہے اور ان کو یہ کام انجام دینا ہے وہ اپنے بیٹے کا امتحان لیتے ہیں اس لئے کہ یہ کام ان کی موافقت صبر اور قوت برداشت کے بغیر انجام دینا مشکل ہے یہ بات سن کر وہ غایت درجہ سعادت و نجابت اور امر الٰہی کے سامنے مکمل تسلیم اور رضا بالقضا کا مظاہرہ کرتے ہیں اور ایسا کیوں نہ ہوتا وہ خود نبی ہیں نبی کے بیٹے ہیں اور نبی کے دادا ہیں۔

قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ	انھوں نے کہا: بیٹا! میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تمہیں
فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۭ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ	ذبح کر رہا ہوں ہو تم بھی سوچ لو تمہاری کیا رائے ہے
مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ	وہ بولے اے میرے باپ آپ کر ڈالئے جو کچھ آپ کو حکم ملا
الصّٰبِرِيْنَ ۝ (سورۃ الصّٰفّٰت ۔ ۱۰۲)	ہے آپ انشاء اللہ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے

اب وہ بات پیش آتی ہے جس کے سامنے عقل عاجز اور حیران ہے باپ اپنے محبوب اور سعید بیٹے کو لے کر باہر نکلتے ہیں وہ خدا کے اشارہ پر اپنے بیٹے کی قربانی کرنے جا رہے ہیں اور یہ بھی اپنے رب کی اور اپنے والد کی اطاعت میں ان کے ساتھ چل رہے ہیں دونوں کا مقصد ایک ہے اپنے مالک کا حکم بجا لانا اور بلاچوں و چرا اس کے آگے اپنا سر رکھ دینا راستہ میں ان کو شیطان ملتا ہے جس نے انسان کو ہمیشہ سعادت سے محروم کرنے کی کوشش کی ہے وہ ان کو اس ارادہ کی تکمیل سے روکتا ہے خدا کی نافرمانی کو بہت ہمدردانہ اور خوبصورت طریقہ پر ان کے سامنے پیش کرتا ہے زندگی کی رغبت دلاتا ہے لیکن وہ اس کی ایک چلنے نہیں دیتے اور حکم الٰہی کی تعمیل کے لئے کمر کس لیتے ہیں اب وہ لمحہ آتا ہے جس کو دیکھ کر فرشتے بھی مضطرب ہو جائیں اور جن و بشر بھی وہ اپنے لڑکے کو زمین پر لٹا دیتے ہیں چھری گلے پر رکھ دیتے ہیں اور ذبح کرنے کی

www.abulhasanalinadwi.org

پوری کوشش کرتے ہیں، اب اللہ تعالیٰ کی مشیت بیچ میں حائل ہوتی ہے، اس لئے کہ مقصود حضرت اسماعیل کا ذبح کرنا نہیں تھا، بلکہ اس محبت کو ذبح کرنا تھا جو خدا کی محبت میں شریک ہو جاتی ہے اور رقیب بننے لگتی ہے، اور یہ محبت گلے پر چھری رکھتے ہی ذبح ہو چکی تھی، حضرت اسماعیلؑ تو اس لئے پیدا ہوئے تھے کہ وہ زندہ رہیں، برگ و بار لائیں ان سے نسل چلے اور سید الانبیاء و ختم المرسلین محمد صلے اللہ علیہ وسلم بھی ان ہی کی اولاد میں ہوں، اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پوری ہونے سے پہلے ذبح کیسے ہو سکتے تھے، اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیلؑ کے فدیہ کے طور پر جنت کا ایک مینڈھا بھیجا کہ اس کو ان کی جگہ ذبح کرو اور اس کو حضرت ابراہیمؑ کے تمام متبعین اور ان کے بعد کی تمام نسلوں کے لئے سنت بنا دیا، ایام نحر میں وہ اسی "عظیم قربانی" کی تجدید کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اپنے مالوں کو خرچ کر کے قربانی دیتے ہیں۔

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ۝ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ۝ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝ (سورۃ الصّٰفّٰت ۱۰۳ تا ۱۰۹)

پھر جب دونوں نے حکم کو تسلیم کر لیا اور (باپ نے بیٹے کو) کروٹ پر لٹا دیا، اور ہم نے انھیں آواز دی کہ اے ابراہیم تم نے خواب کو سچ کر دکھایا (وہ وقت ہی عجب تھا) ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں، بیشک یہ تھا بھی کھلا ہوا امتحان، اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض میں دیا، اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں یہ بات رہنے دی کہ ابراہیمؑ پر سلام ہو۔

حضرت ابراہیمؑ اور شیطان کے اس قصہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے بقاء و دوام بخشا اور ان جگہوں پر جہاں شیطان ان کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا تھا اور ان کو اس فعل سے باز رکھنا چاہا تھا، کنکروں سے

www.abulhasanalinadwi.org

رجم کرنے کا حکم دیا اور اس کو ایک ایسا عمل بنا دیا جو ہر سال حج کے افضل ترین ایام میں کیا جاتا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ شیطان سے نفرت پیدا ہو اس کی نافرمانی اور اس سے بغاوت کا اظہار ہو یہ وہ ادا ہے جس میں ایک مومن کو بڑی لذت، زندگی اور کیف محسوس ہونا چاہیئے بشرطیکہ اس کا ایمان پختہ ہو، فہم صحیح ہو اور امر الٰہی کی اطاعت کا جذبہ دل میں موجزن ہو، کہانی کے اس کردار کو دہراتے وقت اس کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ بدی کی طاقتوں اور شیطان اور اس کے لشکروں کے ساتھ معرکۂ کارزار میں ہے اگرچہ شیطان کو اس سے سوائے رجم اور توہین کے کچھ ملنے والا نہیں۔

اب اس واقعہ پر ایک زمانہ گزر جاتا ہے یہ بچہ اب جوان ہو چکا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو نبوت و سیادت سے سرفراز کیا ہے حضرت ابراہیمؑ کی دعوت بھی رنگ لائی ہے اور اچھی طرح پھیل چکی ہے اب اس کے لئے ایک ایسے مرکز کی ضرورت تھی جس پر پورا اعتماد کیا جا سکتا اور جس سے ایمان کو قوت و غذا حاصل ہوتی اس دنیا میں بادشاہوں کے محل اور بتوں کے معبد تو بہت تھے جہاں خواہش نفس اور شیطان کی پرستش ہوتی تھی لیکن اللہ کی زمین پر اللہ ہی کی عبادت کے لئے اب تک کوئی گھر نہ تھا جس میں اخلاص کے ساتھ صرف اسی کی عبادت ہوتی اور اس کو عبادت کرنے والوں اور زیارت کرنے والوں کے لئے ہر قسم کی آلودگی اور نجاست سے پاک و صاف رکھا جاتا، چنانچہ اب جبکہ دین اپنے پیروں پر کھڑا ہو گیا ہے اور امت مسلمہ کی بنیاد پڑ چکی ہے، حضرت ابراہیمؑ کو بیت اللہ کی تعمیر کی ہدایت کی جاتی ہے، ایک ایسا گھر جو تمام انسانیت کے لئے جائے پناہ اور گہوارۂ امن ہو، اور جہاں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے، باپ بیٹے دونوں مل کر اس مبارک اور پاک گھر کی تعمیر کرتے ہیں، جو ظاہری شکل کے اعتبار سے بہت سادہ اور معمولی ہے لیکن اپنی عظمت کے لحاظ سے بہت مستحکم اور بلند ہے، وہ دونوں پتھر ڈھوتے ہیں اور اس کی دیواریں اٹھاتے ہیں۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ اور (وہ وقت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے) جب

www.abulhasanalinadwi.org

الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ۚ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۭ اِنَّكَ	ابراہیم اور اسماعیل خانۂ (کعبہ) کی بنیادیں بلند
اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا	کر رہے تھے اے ہمارے پروردگار ہم سے (یہ)
مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً	قبول کر یقیناً تو ہی (سب کچھ) سننے والا ہے
مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا	(سب کچھ) جاننے والا ہے اے پروردگار ہم
وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ	دونوں کو اپنا فرمانبردار بنا دے اور ہماری نسل
الرَّحِيْمُ ۝	سے ایک فرمانبردار امت پیدا کر اور ہم کو ہمارے
(سورۂ بقرہ ۔ ۱۲۷-۱۲۸)	دینی قاعدے بتلا دے اور ہمارے حال پر توجہ رکھ
	یقیناً تو تو بڑا توجہ فرمانے والا ہے بڑا مہربان ہے۔

یہ گھر ایمان و اخلاص کی ان بنیادوں پر قائم کیا گیا جس کی نظیر دنیا میں اور کہیں نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو خوب قبول فرمایا، نوازا، اس کے دوام کا فیصلہ فرمایا، اس کو جمال و جلال کا لباس زیبا عطا کیا، دلوں کو اس کی طرف مائل کر دیا اور اس کو تمام انسانوں کی قبلہ گاہ اور ان کے دلوں کے لئے مقناطیس کی طرح باعثِ کشش بنا دیا، لوگ وہاں سر کے بل بلکہ آنکھوں اور پلکوں کے بل آتے ہیں، اور اس پر جان و دل نثار کرتے ہیں یہ گھر ہر قسم کے ظاہری حسن اور مصنوعی آرائش سے خالی اور محفوظ ہے اور ایک ایسے شہر میں واقع ہے جو تہذیب و تمدن کے ہنگاموں اور زندگی کے پرشور دھارے سے بہت دور ہے لیکن پھر بھی اس میں وہ کشش پائی جاتی ہے کہ لوگ اس کی طرف کھنچے کھنچے کر دیوانہ وار پہونچتے ہیں اور اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے بیتاب رہتے ہیں، جب یہ گھر بن کر تیار ہو گیا تو غیب سے یہ صدا آئی:۔

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا	اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو لوگ تمہارے پاس
وَّعَلٰي كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۝	پیدل بھی آئیں گے اور دبلی اونٹنیوں پر بھی جو
لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ	دور دراز راستوں سے پہنچی ہوں گی تاکہ اپنے فوائد

www.abulhasanalinadwi.org

اللّٰهِ عَلَيْهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى	کے لئے آموجود ہوں اور تاکہ ایام معلوم میں
مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا	اللہ کا نام لیں ان چوپایوں پر جو اللہ نے
وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ۝ ثُمَّ لْيَقْضُوْا	ان کو عطا کئے ہیں، پس تم بھی اس میں سے کھاؤ اور
تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا	مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلاؤ پھر لوگوں کو
بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۝	چاہئے کہ اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنے واجبات
(سورۂ حج۔ ۲۷-۲۸-۲۹)	کو پورا کریں اور چاہئے کہ (اس) قدیم گھر کا
	طواف کریں۔

حضرت ابراہیمؑ کے عہد میں یہ دنیا اسباب کی غلام تھی اور لوگ ان پر ضرورت سے زائد اعتماد کرنے لگے تھے، بلکہ یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ وہ مستقل بالذات قائم اور موثر ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان اسباب نے ارباب کا درجہ اختیار کر لیا، اسباب کی اس درجہ تقدیس اور اعتماد نے اس بت پرستی کے پہلو بہ پہلو جس میں لوگ پہلے ہی پوری طرح ڈوبے ہوئے تھے ایک نئی بت پرستی پیدا کر دی، حضرت ابراہیمؑ کی زندگی دراصل ان ہی "بت گروں" اور "بت پرستوں" کے خلاف بغاوت تھی، وہ توحید خالص اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور احاطہ و وسعت پر ایمان کی دعوت تھی، اور اس بات کا اعلان کہ وہی تمام چیزوں کو عدم سے وجود میں لاتا ہے، وہی اسباب پیدا کرتا ہے، اور وہی ان کا مالک ہے، وہ جب چاہتا ہے اسباب کو مسببات سے جدا کرتا ہے، اور اشیاء سے ان کے خواص کو سلب بھی کر لیتا ہے، اور ان سے وہ چیزیں ظاہر فرماتا ہے، جو اس کی ضد ہوتی ہیں، اس کو جب چاہتا ہے اور جس چیز کے لئے چاہتا ہے، استعمال کرتا ہے اور جس کام پر چاہتا ہے لگا دیتا ہے، لوگوں نے حضرت ابراہیمؑ کے لئے آگ کی بھٹی تیار کی اور کہا کہ:۔

حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ	انھیں تو جلا دو اور اپنے ٹھاکروں کا بدلہ لے لو

www.abulhasanalinadwi.org

فَاعِلِيْنَ ۝ (سورۂ انبیاء-۶۸) اگر تمہیں (کچھ) کرنا ہے۔

لیکن حضرت ابراہیمؑ جانتے تھے کہ آگ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے تابع ہے، جلانا اس کی مستقل بالذات صفت نہیں جو کبھی اس سے جدا نہیں ہو سکتی، ایک اضافی صفت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس میں امانت کے طور پر رکھی ہے، اس کی لگام اسی کے ہاتھ میں ہے جب چاہے ڈھیل دے دے اور جب چاہے کھینچ لے اور اسی آگ کو دیکھتے دیکھتے گلستان اور چمنستان بنا دے، اس ایمان و یقین کے ساتھ وہ اس میں اطمینان کے ساتھ داخل ہو گئے اور وہی ہوا جو انھوں نے سوچا تھا۔

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى ہم نے حکم دیا اے آگ تو ٹھنڈی اور بے گزند ہو جا
اِبْرٰهِيْمَ ۝ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ ابراہیمؑ کے حق میں اور (لوگوں نے) ان کے ساتھ برائی
الْاَخْسَرِيْنَ ۝ (سورۂ انبیاء-۶۹-۷۰) کرنا چاہی تھی سو ہم نے انھیں (لوگوں) کو ناکام کر دیا۔

لوگوں کا عام عقیدہ اور تجربہ یہ تھا کہ زندگی و فراوانی، زرخیز مٹی، اور کھیت و باغات پر قائم ہے، چنانچہ وہ اپنے بتوں اور خاندانوں کے لئے ان شہروں اور ملکوں کی تلاش میں رہتے تھے جو وطن بنانے کے لائق ہوں اور وہاں کی زمین بہت زرخیز ہو، سرسبزی و شادابی خوب ہو، پانی وافر مقدار میں ملے، تجارت اور صنعتی کاروبار کے لئے سہولتیں حاصل ہوں، حضرت ابراہیمؑ نے اس عقیدہ و تجربہ اور دستور و رواج کے خلاف بغاوت کی اور خود عمل کر کے دکھایا، انھوں نے اپنے مختصر خاندان کے لئے جو ماں بیٹے پر مشتمل تھا، ایک ایسی وادیٔ غیر ذی زرع (بے آب و گیاہ وادی) کا انتخاب کیا جس میں نہ زراعت کی صلاحیت تھی، نہ تجارت کا موقع وہ دنیا سے منقطع، تجارتی مراکز اور شاہراہوں اور دولت اور خوشحالی کے علاقوں سے بہت دور واقع تھی، یہاں پہونچ کر انھوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان کے رزق میں کشائش پیدا فرمائے، دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور ہر طرح کے پھل بغیر ظاہری اسباب اور عام راستوں کے وہاں پہونچتے رہیں، انھوں نے یہ دعا کی:-

www.abulhasanalinadwi.org

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْٓ اِلَیْھِمْ وَارْزُقْھُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ ۝

(سورۂ ابراہیم۔ ۳۷)

اے ہمارے پروردگار میں نے اپنی کچھ اولاد کو ایک بے زراعت میدان میں آباد کر دیا ہے تیرے معظم گھر کے قریب (یہ اس لئے) اے ہمارے پروردگار کہ وہ لوگ نماز کا اہتمام رکھیں، سو تو کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے اور انھیں کھانے کو پھل دے جس سے یہ شکر گزار رہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ایسی قبول فرمائی کہ رزق اور امن دونوں چیزوں کی ضمانت کر دی اور ان کے شہر کو ہر قسم کے پھلوں اور اپنی مختلف نعمتوں کا مرکز بنا دیا۔

اَوَلَمْ نُمَکِّنْ لَّھُمْ حَرَمًا اٰمِنًا یُّجْبٰٓی اِلَیْہِ ثَمَرٰتُ کُلِّ شَیْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰکِنَّ اَکْثَرَھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝

(سورۂ قصص۔ ۵۷)

کیا ہم نے ان کو امن و امان والے حرم میں جگہ نہیں دی جہاں ہر قسم کے پھل کھنچے چلے آتے ہیں ہمارے پاس سے بطور کھانے کے لیکن ان میں سے اکثر لوگ (اتنی بات بھی) نہیں جانتے۔

فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ ھٰذَا الْبَیْتِ ۝ الَّذِیْٓ اَطْعَمَھُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَھُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝

(سورۂ قریش۔ ۳۔۴)

چاہئے تھا کہ اس خانۂ (کعبہ) کے مالک کی عبادت کریں جس نے ان کو بھوک میں کھانے کو دیا، اور انھیں خوف سے امن دیا۔

انھوں نے اپنے گھر والوں کو ایک ایسی زمین میں لاکر چھوڑ دیا جہاں حلق تر کرنے کے لئے بھی پانی نہ تھا، لیکن ایسی ریگستانی اور پتھریلی زمین سے اللہ تعالیٰ نے ایک چشمہ جاری فرما دیا، ریت سے پانی خود بخود ابلنے لگا اور بغیر کسی توقف کے آج تک اسی طرح جاری ہے، لوگ جی بھر کے اس کو پیتے ہیں اور پیسے بھر کر اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

وہ اپنے گھر والوں کو ایک ایسی ویران و غیر آباد جگہ چھوڑ دیتے ہیں، جہاں آدمی کا سایہ بھی نظر نہیں آتا لیکن دیکھتے دیکھتے وہ جگہ ایسی معمور و آباد ہو جاتی ہے کہ دنیا کے ہر علاقہ کے لوگ وہاں دیکھے جا سکتے ہیں، حضرت ابراہیمؑ کی زندگی ان کے عہد اور ان کی سوسائٹی کی حد سے بڑھی ہوئی مادیت اور اسباب کی پرستش کے خلاف ایک چیلنج تھی، اور خدا کی قدرت مطلقہ پر اعتماد کلی کا اظہار اور یہی اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ ہے، وہ اسباب کو ہمیشہ ایمان کے تابع بنا دیتا ہے اور ان اسباب سے وہ چیزیں ظاہر فرماتا ہے جن کو سمجھنے سے مادی نگاہیں قاصر اور عاجز ہیں۔

حج ابراہیمی اعمال و صفات کی یادگار اور آپ کی دعوت و تعلیم کی تجدید ہے

حج اور اس کے تمام اعمال و مناسک نیز اس سلسلہ کے تمام واقعات و حوادث جو ان اعمال کے ساتھ وابستہ ہیں، مظاہر ہے بے نیازی اور انانیت و خود پرستی سے رہائی و آزادی کا وہ لباس زیبا جو حاجی زیب تن کرتا ہے اور احرام، وقوف، افاضہ، رجم، سعی اور طواف کے تمام وہ اعمال جو وہ بجا لاتا ہے، دراصل توحید، انابت کی نفی، خدا پر توکل، اس کے راستہ میں قربانی اور اس کی اطاعت و خوشنودی کو اپنی زندگی میں موثر، پائدار اور فعال بنانے کی سعی و تدبیر ہے، وہ عادات، رسم و رواج جھوٹے معیار اور مصنوعی قدروں کے خلاف ایک کھلی ہوئی بغاوت اور طاقتور ایمان، سچی محبت، بے نظیر قربانی اور اعلیٰ درجہ کے ایثار و بے غرضی کی تجدید ہے، حج ان اعلیٰ مقاصد، صالح جذبات، روحانی اور ایمانی قدروں، نیز اس انسانی و اسلامی اخوت کی بقا و ترقی کا ضامن ہے، جو مصنوعی قومیتوں اور نسل و وطن کے محدود اور ناقص پیمانوں سے بالاتر ہے، وہ حضرت ابراہیمؑ کے راستہ اور مسلک پر چلنے ان کی روح کو اپنے اندر پیدا کرنے اور ہر جگہ اور ہر دور میں ان کی دعوت کے پرچم کو بلند رکھنے کی دعوت ہے۔

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۭ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت (پر قائم رہو) اسی نے

www.abulhasanalinadwi.org

مِنْ قَبْلُ وَفِي هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۭ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝

(سورۂ حج۔ ۷۸)

تمہیں مسلم قرار دیا، پہلے بھی اور اس (قرآن) میں بھی تاکہ رسول تمہارے اوپر گواہ ہوں اور تم (سب) لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ٹھہرو، سو تم لوگ نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ ہی کو مضبوط پکڑے رہو وہی تمہارا کارساز ہے، سو کیسا اچھا کارساز ہے اور کیسا اچھا مددگار۔

تاریخ کا نیا عنوان اور انسانیت کی حد فاصل

حضرت ابراہیمؑ اور ان کی دعوت اور جد و جہد کتاب انسانیت کا نیا، روشن اور تابناک عنوان ہے، اس سے ایک تاریخ دوسری تاریخ سے جدا ہوتی ہے، پوری انسانیت دو کیمپوں اور دو محاذوں میں بٹ جاتی ہے جو زمانہ کے ساتھ ہمیشہ باقی رہتے ہیں اور ان کی کشمکش بھی جاری رہتی ہے، اس سے پرانا دور ختم ہوتا ہے اور نیا دور شروع ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو لازوال امامت اور ابدی دعوت سے نواز، ان کی نسل کے لئے نبوت اور ولایت اور دنیا کی دینی پیشوائی اور قیادت ہمیشہ کے لئے لکھ دی، اور ان کے خاندان اور متبعین کے لئے فیصلہ فرمادیا کہ حق کے لئے جہاد و سرفروشی باطل کے ساتھ مستقل کشمکش، دعوت الی اللہ، انسانیت کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو تیز و تند دھاروں اور سخت تھپیڑوں کے باوجود پار لگانے کی ذمہ داری اور ہوا کے جھونکوں سے اس چراغِ زندگی کی حفاظت ہمیشہ ان ہی کے سر رہے گی جس پر انسانیت کے پورے قافلہ کی نجات کا انحصار ہے۔

انسانیت کا سہارا

حج اور اس موسم کے تمام مناسک اور ملت ابراہیمی کے فرزندوں کا مکہ میں یہ سالانہ اجتماع حضرت

www.abulhasanalinadwi.org

ابراہیمؑ اور ان کے نام لیواؤں و روحانی فرزندوں کے باہمی ارتباط اور ان معانی، عقائد اور مقاصد کی تجدید کے لئے بالکل کافی ہے اور اس میں نہ صرف اس ملت بلکہ ساری انسانیت کی بقا ہے۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا	اللہ نے کعبہ کے مقدس گھر کو انسانوں کے باقی رہنے
لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ	کا مدار ٹھہرایا ہے (نیز) حرمت والے مہینہ کو اور
ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي	حرم میں قربانی کو، اور گلے میں پٹہ پڑے ہوئے
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ	جانوروں کو، یہ اس لئے کہ تم یقین کرلو کہ جو کچھ آسمانوں
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝	میں اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ اس سب کا علم رکھتا
(سورۂ مائدہ ۔ ۹۷)	ہے اور بیشک اللہ ہر چیز کا پورا علم رکھتا ہے۔

ہدایت وارشاد اور اصلاح وجہاد کا ابدی مرکز

عہد اسلامی اور رسالت محمدیؐ کے دور میں یہ گھر ہدایت وارشاد، روحانیت وللّٰہیت، دل کی غذا اور طمانیت وسکینت کا ایک مستقل اور ابدی مرکز بن گیا، جہاں مناسک حج ادا کئے جاتے ہیں، روح ودل کو غذا اور قوت پہونچائی جاتی ہے، دل کے سرد خانہ کو پھر سے گرم اور روشن کیا جاتا ہے اور گویا اس کے استعمال شدہ "سلز" کی جگہ نئے اور طاقتور "سلز" لگائے جاتے ہیں، پوری امت یہاں سے دینی پیغام حاصل کرتی ہے، سارا عالم اسلام ہر سال یہاں جمع ہو کر اپنی محبت واطاعت اور تسلیم وانقیاد کا خراج ادا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی اس مضبوط رسی اور اس رکن رکین کے ساتھ اپنی گہری وابستگی کا ثبوت دیتا ہے، دنیا کے بڑے سے بڑے فضلا وعلماء، بادشاہ وامرا، اغنیا وفقراء، سیاست داں اور حکمراں عشق ومحبت اور جوش وارفتگی کے ساتھ اس کا طواف کرتے ہیں، لیکن فہم وبصیرت اور احساس وشعور لئے ہوئے، وہ اس کا عملی ثبوت دیتے ہیں کہ وہ اختلاف کے باوجود متحد، تنوع کے باوجود ہم رنگ وہم خیال، انتشار کے باوجود

www.abulhasanalinadwi.org

شانہ بشانہ اور صف بصف، فقر کے باوجود غنی اور ضعف کے باوجود قوی ہیں، وہ اگرچہ پورے عالم اسلام میں منتشر اور اپنے مسائل اور زندگی کے مطالبات میں منہمک ہیں، مختلف نسلوں اور مختلف قوموں سے تعلق رکھتے ہیں، اور متنوع تہذیبوں اور ثقافتوں سے وابستہ ہیں تاہم ایک خاص نقطہ پر پہونچ کر وہ سب ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں اور ایک ہو جاتے ہیں، ان کی زندگی طواف و سعی، عبادت و قربانی، ایمان و عقیدہ اور ان کے سفر کی منزلیں منیٰ اور عرفات اور حج کے مقامات ہیں، وہ ہر وقت اپنی منزل مقصود کی طرف رواں دواں رہتے ہیں، مستقل پیش قدمی اور ترقی، نئی نئی ملاقاتیں اور تعارف، نئی نئی منزلیں اور راہیں، یہ سفر در سفر ان کے دم واپسیں تک جاری رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ اپنے مالک سے جا ملتے ہیں۔

اے خُنک شہرے کہ آنجا دلبر است

یہ بات بالکل قدرتی اور فطری ہے کہ ایک مسلمان کو (خاص طور پر وہ جو بہت دور دراز مقام سے آیا ہو) مناسک حج کی تکمیل کے بعد اس جگہ کا شوق دامنگیر ہو جو خاتم المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم کی جائے ہجرت اور آخری آرام گاہ اور اسلام کی آغوش رحمت اور جائے پناہ ہے، اس کی نگاہیں اس مسجد کے لئے بیقرار ہوں، جہاں سے روشنی کی کرنیں اس طرح پھوٹیں کہ سارا عالم اس کی روشنی سے جگمگا اٹھا، جہاں سے ہدایت، علم و روحانیت اور اسلام کی قوت و شوکت کے چشمے جاری ہوئے، اور انھوں نے ساری دنیا کو گل و گلزار بنا دیا یعنی اس "مدینہ" کا شوق اس کے دل میں چٹکیاں لینے لگے جہاں اسلام نے پناہ لی، جہاں تاریخ اسلام کی پہلی فصلیں مرتب ہوئیں، جہاں کی خاک پاک صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے آنسو اور خون دونوں سے تر ہے، وہ اس مسجد میں نماز ادا کرے جہاں کی ایک رکعت دوسری جگہ کی ایک ہزار رکعت کے برابر ہے[1] ان

---

[1] حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "میری مسجد میں نماز اس کے علاوہ کسی اور مسجد کی ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے سوائے مسجد حرام کے" متفق علیہ۔

www.abulhasanalinadwi.org

جگہوں پر ٹھہر ٹھہر کر اور رُک رُک کر آگے بڑھے جہاں کبھی سابقین اولین اور شہداء و صدیقین ٹھہرا کرتے تھے، یہاں سے صدق و اخلاص عشق و محبت اور اسلام کے راستہ میں شجاعت و مردانگی اور شہادت کی دولت حاصل کرے جو یہاں کا سب سے بڑا تحفہ اور سب سے قیمتی سوغات ہے اور اس نبی پر درود بھیجے جن کی دعوت کے طفیل اس کو ظلمتوں سے روشنی میں انسانوں کی غلامی سے اللہ تعالیٰ کی غلامی و بندگی میں، دنیا کی تنگی سے اس کی کشادگی میں پہونچنا نصیب ہوا اور اس کو پہلی بار ایمان کی حلاوت حاصل ہوئی اور انسان کی قیمت معلوم ہوئی۔

تحریف و فساد سے حفاظت کے لئے اس سالانہ اجتماع کی اہمیت

حج ملت کا ایک ایسا سالانہ اجتماع یا دوسرے الفاظ میں پریڈ ہے جس کا ملت اسلامی کی سچائی و پاکیزگی اور اس کی اصلی اور حقیقی بنیادوں کی حفاظت میں بڑا اہم حصہ ہے، اس دین کو تحریف، ابہام و التباس سے محفوظ رکھنے اس امت کو اپنے حقیقی سرچشمہ اور اپنی جڑوں سے وابستہ اور پیوست رکھنے اور ان سازشوں اور مغالطوں کا پردہ چاک کرنے میں (جن کا شکار گذشتہ قومیں ہو چکی ہیں) اس اجتماع سے جو مدد ملتی ہے، وہ کسی اور چیز سے نہیں ملتی، اس عظیم سالانہ اجتماع اور اس کے مخصوص اعمال و مناسک کی بدولت یہ عظیم اور لافانی امت اس ابراہیمی ذوق و مزاج کی اب بھی حامل ہے (جس کو ہم پرسوز و دردمند، مومنانہ و عاشقانہ، مخلص و یکسو اور سادہ و عمیق جیسے الفاظ سے تعبیر کر سکتے ہیں) اور اس نے اس ورثہ کو اپنی آئندہ نسلوں تک بحفاظت پہونچانے کا کام جاری رکھا ہے، اس لحاظ سے حج ایک ایسے زندہ، طاقتور اور دھڑکتے ہوئے دل کی طرح ہے جو اس امت کی رگوں میں برابر تازہ خون تقسیم کرتا رہتا ہے، اس کی وجہ سے یہ امت مجموعی طور پر ایک ہی وقت میں اور ایک ہی جگہ اپنا جائزہ لینے کے قابل ہے اور اس کے علماء و مصلحین کو اس کا موقع حاصل ہے کہ وہ اس کو اہل غلو کی تحریف، اہل باطل کے فریب، جاہلوں کی تاویل اور ہر قسم کے خرافات اور افسانوں سے پاک و صاف کرتے رہیں اور اس کو اس کی اصل ابراہیمی، شریعت محمدی اور دین خالص کے معیار پر رکھ کر برابر جانچتے رہیں،

www.abulhasanalinadwi.org

اس کے ذریعہ سے یہ امت اپنی دینی، عقلی اور ثقافتی وحدت کی بخوبی حفاظت کر سکتی ہے اور اس علاقائیت اور قومیت کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کر سکتی ہے جو ابراہیمی وحدت اور اسلامی و محمدی رنگ و مسلک کی حریف ہے، اور جس نے گذشتہ مذاہب اور مذہبی اقوام کو بھی سخت نقصان پہونچایا تھا۔

یہ امت مختلف قسم کے ماحول اور زمین کے مختلف خطوں میں رہتی ہے اور اس کو مختلف ادوار سے گزرنا پڑتا ہے، کبھی اس میں زندگی و حرکت کے آثار نظر آتے ہیں کبھی جمود و غفلت کے کبھی تشدد اور سختی کے، کشمکش اور مقابلہ کے کبھی تہذیب و تمدن کے مسائل اس کے سامنے ہوتے ہیں کبھی مادی و سیاسی ترغیبات اس کو آزمائش میں ڈالتی ہیں کبھی مادیت اور مال و دولت کا غلبہ ہوتا ہے، کبھی تنگ دستی و افلاس کا کبھی اس پر کوئی جابر بادشاہ، ظالم حکمراں یا بے رحم سیاست داں مسلط کر دیا جاتا ہے اور کبھی اُسے مختلف اور برعکس حالات سے واسطہ پڑتا ہے لیکن ان سب حالات میں اس کو اس کی ضرورت ہمیشہ باقی رہتی ہے کہ ایمان کی اس دبی ہوئی چنگاری کو برابر بھڑکایا جائے، جذبۂ عشق و محبت کو ہوا دی جائے اور ملت کے ہر جز اور ہر وحدت کو وفا و جاں نثاری کا سبق ملے، اللہ تعالیٰ نے حج کو ایک موسم بہار بنایا ہے جس میں امت کا یہ سدا بہار درخت خوب پھل پھول لاتا ہے اور مسلمانوں کا یہ عالمی خاندان اپنے پرانے لباس کو اتار کر ایک نیا اور خوشنما لباس زیب تن کرتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے جو مقاصد اسلام اور اسرار شریعت پر بڑی گہری نظر اور بصیرت رکھتے ہیں اس پہلو کی بڑی اچھی وضاحت کی ہے، وہ "حجۃ اللہ البالغہ" میں لکھتے ہیں:۔

"جس طرح حکومت کو ہر تھوڑے عرصہ کے بعد ایک عام جائزہ اور معائنہ کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ اس کو معلوم ہو جائے کہ کون وفادار ہے، کون باغی، کون فرض شناس ہے، کون کام چور، نیز اس کے ذریعہ اس کی ایمانداری کی شہرت ہو اور اس کا نام اونچا رہے، اس کے کارندے اور باشندے ایک دوسرے سے تعارف حاصل کریں، اسی طرح ملت کو حج کی ضرورت ہے تاکہ منافق و غیر منافق میں تمیز ہو سکے،

www.abulhasanalinadwi.org

اللہ تعالیٰ کے دین میں اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں جوق جوق جماعتیں حاضر ہوں، لوگ ایک دوسرے سے تعارف حاصل کریں اور ہر شخص اس چیز میں جو اس کے پاس نہیں ہے، دوسرے سے استفادہ کرے، اس لئے کہ بہترین و مرغوب اشیاء بالعموم صحبت و رفاقت سے اور ایک دوسرے کو دیکھ کر ہی حاصل ہوتی ہیں[1]۔

نیز وہ فرماتے ہیں:۔

"حج چونکہ ایک ایسا موقع ہے جس میں سب ہی جمع ہوتے ہیں، اس لئے وہ غلط قسم کی رسوم سے حفاظت کے لئے بہت مفید ہے، ملت کو اماموں اور پیشواؤں کے حالات یاد کرنے اور ان کی اتباع کا جذبہ دل میں پیدا کرنے کے لئے کوئی چیز اس درجہ کی نہیں جو اس کا مقابلہ کر سکے"[2]۔

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:۔

"(حج کے) مقاصد میں وہ بات بھی ہے جس کے لئے حکومتیں نمائش یا سرکاری جشن کیا کرتی ہیں جس کو دیکھنے کے لئے قریب و دور ہر جگہ کے آدمی جمع ہوتے ہیں، ایک دوسرے سے ملتے ہیں، اپنی حکومت اور اپنی ملت کی تعلیمات سے آشنا ہوتے ہیں، اور اس کے مقدس مقامات کی تعظیم بجالاتے ہیں، اسی طرح حج مسلمانوں کی نمائش یا سرکاری جشن ہے جس میں ان کی شوکت ظاہر ہوتی ہے، ان کی قوتیں مجتمع ہوتی ہیں، ان کی ملت کا نام روشن ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا (سورۂ بقرہ - ۱۲۵) اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے خانۂ (کعبہ) کو لوگوں کے لئے ایک مقام رجوع اور مقام امن مقرر کیا"[3]۔

بین الاقوامی ہدایت و رہنمائی کا ابدی مرکز

اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ اس امت کے نازک سے نازک دور اور تاریک سے تاریک زمانہ میں بھی

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۶۰،۱۵۹ [2] ایضاً [3] ایضاً ج ۲ ص ۴۲

www.abulhasanalinadwi.org

وہ حج کو ان بابرکت ہستیوں سے کبھی محروم نہ رکھے گا جن کو ہم علماء حق، مقبولین بارگاہ، اہل دعوت و اصلاح اور اہلِ باطن و اہل قلوب کہتے ہیں، اور جن کی وجہ سے حج کی فضا روحانیت اور نورانیت سے اس قدر بھر جاتی ہے کہ سخت سے سخت دل بھی موم اور پتھر جیسے جگر بھی پانی ہو جاتے ہیں، باغی و نافرمان بھی توبہ و انابت کی طرف مائل ہونے لگتے ہیں، وہ آنکھیں جن سے کبھی خوف یا محبت کے دو قطرے بھی نہ ٹپکتے تھے یہاں پہونچ کر بے ساختہ اشکبار ہو جاتی ہیں، دل کی سرد انگیٹھیاں ایک بار پھر سلگ اٹھتی ہیں، رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے، اور سکینت پورے ماحول کو اپنے آغوش میں لے لیتی ہے، اور شیطان کو منہ چھپانے کی بھی جگہ نہیں ملتی، حدیث شریف میں آتا ہے کہ "شیطان عرفہ کے دن سے زیادہ حقیر و ذلیل، راندۂ درگاہ اور غصہ سے جلا بھنا ہوا کبھی نہیں دیکھا گیا، اور یہ صرف اس وجہ سے کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے کہ رحمتِ الٰہی نازل ہو رہی ہے، اور اللہ تعالیٰ بڑے بڑے گناہوں کو معاف فرما رہا ہے"[1]

اس وقت کی فضا ایک خاص کیف رکھتی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی کرنٹ نے اس کو چھو لیا ہے، وہ مسلمان جو دور دراز مقامات سے یہاں آتے ہیں اپنے ویران اور خالی دلوں کو پھر سے آباد کرتے ہیں اور ایمان و محبت، جوش و حمیت اور علم و تفقہ کا وہ زادِ سفر حاصل کرتے ہیں، جو ان کی واپسی کے بعد بھی کام دے سکے اور اس کی مدد سے وہ ہر قسم کی ترغیب، دباؤ، لالچ، اور خوف کا مقابلہ کر سکیں، وہ اپنے اپنے ملکوں میں لوٹ کر اپنے ان بھائیوں کو بھی اس دولت یا اس تحفہ میں شریک کرتے ہیں جو ضعف یا بیماری یا کسی عذر کی وجہ سے یہاں حاضر نہیں ہو سکے، اس طریقہ سے ایمانی بجلی کا یہ کرنٹ امت مسلمہ کے پورے جسم میں دوڑ جاتا ہے، اس سے جاہلوں میں علم کا شوق پیدا ہوتا ہے، کمزوروں و پست ہمتوں کی ہمت بلند ہوتی ہے، افسردہ اور مایوس انسانوں میں گرمجوشی اور حوصلہ مندی پیدا ہوتی ہے، امت کو اپنا پیغام پہونچانے اور فریضۂ دعوت ادا کرنے کی نئی طاقت حاصل ہوتی ہے، اور اس کے نئے سفر کا آغاز ہوتا ہے۔

---

[1] روایت مالک (مرسل)

www.abulhasanalinadwi.org

اسلامی وانسانی اخوت اور عالمی برادری کا مظاہرہ

حج ان وطنی، نسلی، لسانی اور علاقائی قومیتوں کے خلاف اسلامی قومیت کی جیت ہے، جن کے بہت سے اسلامی ممالک (مختلف عوامل اور دباؤ کے ماتحت) شکار ہیں، وہ اسلامی قومیت کا مظہر اور اعلان ہے، یہاں پہونچ کر تمام اسلامی قومیں اپنے ان قومی وملکی لباسوں سے آزاد ہوکر جو ان کی پہچان بن گئے تھے، اور جن سے بہت سی قومیں تعصب کی حد تک وابستہ ہیں، اسلام کا ایک قومی لباس اختیار کرلیتی ہیں جس کو دین وفقہ اور حج وعمرہ کی اصطلاح میں "احرام" کہا جاتا ہے، سب عاجزی وانکساری احتیاج ولاچاری اور گریہ وزاری کے ساتھ ایک زبان میں ایک ترانہ اور ایک ہی نعرہ لگاتے ہیں۔

لبّیک اللھم لبّیک، لبّیک لاشریک لک	اے میرے اللہ میں حاضر ہوں، حاضر ہوں، تیرا کوئی
لبّیک، اِنّ الحمدَ والنِّعمۃَ لکَ وَالْمُلْکَ	شریک نہیں، میں حاضر ہوں ساری تعریفیں اور نعمتیں
لاشریکَ لکَ۔	تیرے ہی لئے زیبا ہیں اور حکومت وبادشاہت
	بھی تیرا کوئی شریک نہیں۔

ان میں حاکم ومحکوم، آقا ونوکر، امیر وفقیر اور چھوٹے بڑے کی کوئی تفریق نہیں ہوتی، ان کے لباس اور صدا دونوں میں اسلامی قومیت جلوہ گر نظر آتی ہے، یہی حال حج کے دوسرے اعمال، عبادات، مناسک اور شعائر ومقامات کا ہے، جہاں ہر قوم وملک کے لوگ دوش بدوش نظر آتے ہیں، اور قریب وبعید اور عرب وعجم کے سارے فرق مٹ جاتے ہیں، صفا ومروہ کی دو پہاڑیوں کے درمیان سب ساتھ دوڑتے ہیں، منیٰ ساتھ سفر کرتے ہیں، عرفات ساتھ جاتے ہیں، اور جبل رحمت پر ایک ساتھ حاضر ہوکر دعا کرتے ہیں، اور سب ایک ہی جگہ رات گزارتے ہیں۔

فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْکُرُوا	پھر جب تم جوق در جوق عرفات سے واپس ہونے لگو تو

www.abulhasanalinadwi.org

اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۖ وَاذْكُرُوهُ	اللہ کا ذکر مشعرِ حرام کے پاس کیا کرو، اور اس کا ذکر
كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَإِنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ	اس طرح جیسا اس نے تمہیں بتایا ہے، اور اس سے
لَمِنَ الضَّالِّينَ ۝ (سورۂ بقرہ۔۱۹۸)	قبل تم یقیناً محض ناواقفوں میں تھے۔

سب ایک ساتھ واپس آتے ہیں، ایک ساتھ متحرک ہوتے ہیں، اور ایک ساتھ ساکن ہوتے ہیں۔

ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ	ہاں تو تم وہاں جا کر واپس آؤ جہاں سے لوگ واپس
وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ	آتے ہیں اور اللہ سے مغفرت طلب کرو، بیشک اللہ
(سورۂ بقرہ۔۱۹۹)	بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

منیٰ میں بھی قیام ایک ساتھ کرتے ہیں، اور نحر (قربانی) حلق (سر منڈانا) اور رمی (شیطان کو پتھر مارنا) کے سارے کام ایک ساتھ انجام دیتے ہیں۔

جب تک حج باقی ہے (اور وہ انشاء اللہ قیامت تک باقی رہے گا) اس وقت تک مسلمانوں کو یہ قومیتیں اور غیر اسلامی دعوتیں نگل لینے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتیں، اور وہ ان کا لقمۂ تر نہیں بن سکتے اور اپنے اپنے ملکوں میں (جن سے ان کو اپنے فطری جذبات اور قومی عصبیت کے لحاظ سے فطری محبت ہوتی ہے) کوئی ایسا نیا کعبہ بنانے میں کامیاب نہیں ہو سکتے جو حج کی جگہ لے لے اور سارے مسلمان اس کے گرد جمع ہو جائیں، قبلہ ہمیشہ ایک ہی رہے گا، جہاں مشرق و مغرب اور عرب و عجم کے تمام رہنے والے اپنا رخ کریں گے، بیت اللہ بھی ہمیشہ ایک رہے گا، جس کے حج کے لئے ہندی و افغانی اور یورپی و امریکی مسلمان سب برابر جاتے رہیں گے۔

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِلنَّاسِ وَأَمْنًا ۖ	اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے خانۂ (کعبہ) کو
وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرٰهِيمَ مُصَلًّى ۖ	لوگوں کے لئے ایک مقامِ رجوع اور مقامِ امن مقرر
(سورۂ بقرہ۔۱۲۵)	کیا اور مقامِ ابراہیم کو نماز کی جگہ بنا لو۔

روئے زمین کے ایک ایک دور افتادہ اور دشوار گزار گوشہ سے لوگ کھنچ کھنچ کر یہاں پہونچیں گے اس دن کے لئے

www.abulhasanalinadwi.org

نعمتیں مانیں گے اور دن گنیں گے اور اس دربار میں حاضری کو اپنی سب سے بڑی تمنا اور سب سے بڑی سعادت وخوش نصیبی سمجھیں گے۔

حج کے منافع

حج میں اس کے علاوہ بھی بہت سے فوائد و منافع ہیں جن میں بہت سی باتوں سے ہم واقف ہیں اور بہت سی باتوں سے ناواقف اور شاید جن چیزوں کا ہمیں علم نہیں وہ ان چیزوں سے کہیں زیادہ ہیں جن کو ہم جانتے اور سمجھتے ہیں اور جن کی طرف حکماء اسلام اور علماء راسخین نے اپنی کتابوں میں توجہ دلائی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ (سورۂ حج۔ ۲۸) تاکہ اپنے فوائد کے لئے آموجود ہوں۔

اس موقع پر "منافع" کو مطلق بولا گیا ہے اور اس کے لئے نکرہ کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے اس بلیغ تعبیر سے منافع کے کثرت اور تنوع اور ہر دور میں اس کی بدلتی ہوئی قسموں، راستوں، طریقوں اور پہلوؤں کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے جن کا شمار نا ممکن ہے[1]۔

---

[1] حج بلاشبہہ ایک ایسا موسم اور ایسی تقریب ہے جس میں پورے عالم اسلام بلکہ ساری دنیا کے مسلمان جمع ہو کر اس کے مختلف فوائد اور منافع میں حصہ لیتے ہیں، وہ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے اہم مسائل پر مفید تبادلۂ خیال کر سکتے ہیں، ایک دوسرے سے تعارف حاصل کر سکتے ہیں اور اپنے مشترک مفاد کے لئے ایک پلیٹ فارم پر جمع بھی ہو سکتے ہیں لیکن حج کی یہی حکمت اور سب سے بڑی افادیت نہیں ہے جیسا کہ بعض جدید اہل قلم کی تحریروں اور بیانوں سے اندازہ ہوتا ہے، وہ صرف ایک سیاسی کانفرنس بھی نہیں جیسا کہ بہت سے معاصر اہل فکر و اہل سیاست اور مسلمانوں کے رہنما اور زعماء اس کی یہی تصویر پیش کرنے کے عادی ہیں اگر حج کا مقصد یہی ہوتا تو حج میں سکون کی ایک فضا ہوتی اور زیادہ تر ایک جگہ قیام ہوتا تاکہ اس سے غور و فکر، مطالعہ و جائزہ، بحث و مباحثہ اور تبادلۂ خیال میں سہولت ہو، لیکن اس کے برعکس یہ ایک مستقل سفر اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہنے کا ایسا سلسلہ ہے جس میں (باقی صفحہ ۳۳۰ پر)

www.abulhasanalinadwi.org

اسلامی زندگی کا صحیح نمونہ پیش کرنا بلد امین کی ذمہ داری ہے

چونکہ حج ملت کا ایک ایسا سالانہ اجتماع ہے جس میں سب مسلمان ایک خاص عقیدہ، مقصد اور جذبہ کے ساتھ بہترین دینی و روحانی فضا اور ایمانی ماحول میں ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا ہوتے ہیں اور اس سے نئی قوت اور نئی روح حاصل کرتے ہیں ان کے عقائد میں ان عجمی تہذیبوں اور اجنبی فلسفوں کے اثر سے یا اپنے پڑوسی ممالک اور قوموں کی تقلید کے نتیجہ میں جو کجی اور ان کے طرز زندگی اور عادات و اطوار میں جو فساد یا کسی قسم کی کوئی کمزوری پیدا ہو جاتی ہے، وہ اس کی روشنی میں اس کی اصلاح کرتے ہیں اور ان کو اس کا موقع حاصل ہوتا ہے کہ وہ دین کو اس "چشمۂ صافی" سے اخذ کر سکیں جو ہر قسم کی آلودگی، کج روی اور تحریف سے پاک اور

(باقی صفحہ ۳۲۷ کا) ان چیزوں کا موقع ہی نہیں اس کے علاوہ اول الذکر صورت میں حج کی یہ دعوت صرف علماء و زعماء و اہل فکر و تدبیر اور مسلمانوں کے طبقۂ خواص تک محدود ہونی چاہئے اس لئے کہ وہی لوگ اس طرح کے مسائل حل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، اس قسم کے متفرق منافع بلاشبہہ حج کے ثمرات اور اس کی برکتوں میں سے ہیں لیکن حج محض انہی مقاصد کی تکمیل کے لئے نہیں ہے وہ عامی و جاہل ہر قسم کے مسلمان پر فرض ہے بشرطیکہ وہ استطاعت رکھتا ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ	اور لوگوں کے ذمہ ہے حج کرنا اللہ کے لئے اس مکان کا
إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ	(یعنی) اس شخص کے ذمہ جو وہاں تک پہنچنے کی طاقت رکھتا
الْعٰلَمِيْنَ ۝ (سورۂ آل عمران - ۹۷)	ہو اور جو کوئی کفر کرے تو اللہ سارے جہان سے بے نیاز ہے

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جس کے پاس زاد راحلہ یعنی اتنا سامان سفر ہو جو بیت اللہ تک پہونچا سکے پھر بھی وہ حج نہ کرے تو وہ چاہے یہودی ہو کر مرے یا نصرانی"

اس کے علاوہ اگر حج صرف ان ہی چیزوں کے لئے ہوتا تو اس کی شکل ہی دوسری ہونی چاہئے تھی اور اس کو ایسے دور دراز اور صحرائی علاقہ میں نہ ہونا چاہئے تھا۔

www.abulhasanalinadwi.org

محفوظ ہے، اس لئے عقل و منطق کی رو سے بھی اور اسلام کی روح اور حج کی حکمت کے لحاظ سے بھی یہ ضروری ہے کہ یہ بلد امین جس سے یہ سارا حج متعلق ہے حقیقی، سچی، نکھری اور دھلی ہوئی اسلامی زندگی کی امانت ہمیشہ محفوظ رکھے اور اس کے تمام پہلوؤں اور تمام خصوصیات اور مظاہر کی تصویر اس طرح پیش کرسکے کہ ہر زائر اور حاجی (خواہ اس کو بہت محدود وقت ملا ہو) اس فرق و امتیاز کو اچھی طرح محسوس کرلے بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں اس کا ذائقہ چکھ لے، اور اس کو چھو کر اور برت کر دیکھ لے، اللہ تعالیٰ نے اس مبارک شہر کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حج کا مرکز بنایا ہے، اور ہر مسلمان کی جائے پناہ اور مقام امن قرار دیا ہے، وہ اس شہر میں بجا طور پر یہ تصور لے کر آتے ہیں کہ وہ اس شہر میں جا رہے ہیں جو تقدیس و پاکیزگی کا سرچشمہ اور اسلام کا روحانی پایۂ تخت ہے، اور اس سے دین نکل کر سارے عالم میں پھیلا ہے، ایک عام مسلمان جو مرکز اسلام سے بہت دور رہتا ہے یہاں پہونچ کر قدرتی طور پر ہر چیز کو حجت سمجھتا ہے، جو بات اس کے کان میں پڑتی ہے، اور اس کی آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے وہی اس کے نزدیک سب سے بڑا صحیح اور آخری معیار ہے، اس لئے کہ عام مسلمانوں کے لئے اہل مکہ اور اہل مدینہ کے عمل سے بڑھ کر اب بھی کسی کا عمل دلیل و حجت اور معیار صداقت نہیں۔

یہ انسانی فطرت ہے جو منطق و فلسفہ کی موشگافی یا خطابت و بلاغت کے زور سے بدل نہیں سکتی، کوئی مذہب یا تہذیب ہو اس کے ماننے والے ہمیشہ اس کے مرکز پر نظر رکھتے ہیں، اور اسی کی بات کو حجت اور قول فیصل سمجھتے ہیں، تہذیب و قانون اور زبان و ادب ہر شعبہ میں بھی یہی چیز کارفرما ہے، چنانچہ لغت قریش اول درجہ کی قرار دی گئی، اس کے بعد اہل بادیہ کی زبان ہے جو تمام اہل عرب اور ان کے لہجوں، محاوروں، تعبیروں اور اسالیب کلام کے لئے حجت ہے، اسی طرح اہل مدینہ کا عمل مالکی مذہب میں حجت سمجھا جاتا تھا، اندلس کے علمی اور ثقافتی عروج کے زمانہ میں اہل قرطبہ کا عمل مغرب کے بہت سے فقہا کے نزدیک معیار تھا، اس لئے کہ وہ علماء و قضاۃ کا مرکز بن گیا تھا، اس کے علاوہ لوگ ہمیشہ سے اپنے اپنے ملکوں کے دارالحکومت کو قابل حجت اور تہذیب کا آئڈیل سمجھتے ہیں، اس کی پیروی و تقلید میں ایک دوسرے سے سبقت

www.abulhasanalinadwi.org

لے جانے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کو فیشن، تمدن، معاشرت کے اصول اور زندگی کے طور طریقوں کا سب سے بڑا مرکز سمجھتے ہیں، چنانچہ دعوت و اصلاح کا کام کرنے والوں کے لئے وہ وقت سخت کشمکش اور آزمائش کا ہوتا ہے، جب حاجی مرکز اسلام سے واپس آنے کے بعد یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تو وہاں اس کے خلاف دیکھا ہے۔[1]

بلد امین کو اپنی خصوصیات برقرار رکھنا چاہئے

اس سے زیادہ نازک اور اہم پہلو یہ ہے کہ بلد امین کو (تاریخ کے ہر دور اور تہذیب و تمدن اور معیارِ زندگی کے نشیب و فراز میں) اس سادگی و جفاکشی اور زہد و احتیاط کو کسی نہ کسی درجہ میں ضرور برقرار رکھنا چاہئے، جو دنیا کے کونہ کونہ سے آنے والے حجاج کو اس فضا اور اس ماحول سے کچھ قریب کردے جس فضا اور ماحول میں قرن اول کے مسلمان مناسک حج ادا کرتے تھے، اس ماحول میں آکر ان کو محسوس ہو کہ وہ ایک نئے عالم میں قدم رکھ چکے ہیں، اور ایک بالکل نئے ماحول اور نئی فضا میں سانس لے رہے ہیں، یہ احساس و شعور ان کو گذشتہ زندگی کے سایہ سے ہٹا کر کچھ نئی چیزیں اور نئی قدریں قبول کرنے اور نئی دولت حاصل کرنے پر آمادہ کرسکے گا، اور ان کو وہ روحانی مسرت نصیب ہوگی جو ان کو اپنے گھر اور اپنے مستقر میں نہیں مل سکتی تھی، اب اگر بیت اللہ اور حرم شریف تو اپنی قدیم وضع پر باقی رہے اور اس کے گرد و پیش کی ہر چیز بالکل تبدیل ہو جائے اور یہ بلد امین اور اس کے قریبی شہر یورپ و امریکہ کا ایک ٹکڑہ معلوم ہونے لگیں، اور مغربی تہذیب اپنی تمام خوبیوں اور خامیوں اور اپنی تمام خرافات اور آلودگیوں کے ساتھ یہاں بھی مسلط ہو جائے، اور حاجی جس کو شرع کی زبان میں (الشعث النقل) یعنی غبار آلود اور پراگندہ بال کہا گیا ہے، جدید تہذیب کی تن آسانی اور وسائل کی فراوانی سے دل کھول کر لطف اندوز ہونے لگے، راحت و تنعم اور آسائش و آرائش کی بھرپور زندگی گزارنے لگے، جدید سے جدید تر سہولتوں اور وسائل میں ہر وقت ڈوبا رہے تو وہ کوئی ایسی نئی اور طاقتور چیز

---

[1] یہ اس تقریر کا اقتباس ہے جو ۱۳۸۴ھ میں رابطہ عالم اسلامی کے اجلاس منعقدہ مکہ میں مصنف نے کی تھی۔

www.abulhasanalinadwi.org

محسوس نہ کرسکے گا جو اس کی زندگی میں انقلاب لانے کی صلاحیت رکھتی ہو اور اس کے اندر سچی روحانیت پیدا کرسکتی ہو۔

اسی لئے حج کو جہاد ہی کی ایک قسم قرار دیا گیا ہے، بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سب سے افضل اور سب سے اچھا جہاد حج مقبول ہے" حضرت عائشہؓ ہی سے ایک اور روایت میں ہے، فرماتی ہیں کہ "میں نے کہا یا رسول اللہ ہم جہاد کو افضل عمل سمجھتے ہیں تو ہم کیوں نہ جہاد ہی کریں، آپ نے فرمایا لیکن افضل جہاد حج مبرور (مقبول) ہے" حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضورؐ سے روایت کرتے ہیں کہ "حج کا سامان اور تیاری کرو اس لئے کہ وہ بھی ایک جہاد ہے"

اس لحاظ سے اگر مکہ ہی پوری طرح بدل جائے اور مغربی تہذیب کو اس کی پوری معاشرت اور وسائل کے ساتھ قبول کرلے اور حج میں راحت و آسائش کے وہ سارے انتظام مہیا ہوجائیں جو صرف یورپ کے بڑے بڑے شہروں میں پائے جاتے ہیں تو حجاج کو بجا طور پر ایک قسم کا روحانی خلا، ایک طرح کی بے کیفی و بے لطفی اور حج کے فوائد و اثرات میں کھلا ہوا انحطاط محسوس ہوگا۔

حج کو زیادہ سے زیادہ موثر اور مفید بنانے کے لئے شریعت کے حکیمانہ انتظامات

وحی الٰہی اور شریعت آسمانی نے حج کے لئے ایک ایسی سازگار فضا اور موافق ماحول فراہم کردیا ہے جس میں سنجیدگی اور عزم خود بخود پیدا ہوتا ہے، اور دل و دماغ بیدار ہونے لگتے ہیں، اس نے اس کو عبادت روحانیت اور تقدس کے حصار سے گھیر دیا ہے، حج کا سفر اکثر لوگوں کے لئے ایک طویل اور دور دراز کا سفر ہے جس میں حاجی کو مختلف ملکوں، مختلف فضاؤں اور طرح طرح کے دلفریب مناظر اور فتنہ انگیز ترغیبات سے گزرنا ہوتا ہے، مختلف مشغولیتیں اور کاروباری فکریں اس کو گھیرے رہتی ہیں، اس کی مدت کبھی کم ہوتی ہے کبھی زیادہ، وہ نئے نئے شہر میں داخل ہوتا ہے اور مختلف ملکوں کے لوگوں سے ملتا جلتا ہے، ان میں مرد بھی ہوتے ہیں، اور عورتیں بھی، جوان بھی اور بوڑھے بھی، کبھی وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ

www.abulhasanalinadwi.org

حج کرتا ہے اور اس کے بیوی بچے ہر جگہ اس کے ساتھ ہوتے ہیں، یہ سب چیزیں ایسی ہیں جو حج کے تقدس اور رعب اور اس کی عظمت و شان اور عبادت و جہاد کی اسپرٹ کو ختم کر سکتی تھیں اس صورت میں اس کا اندیشہ تھا کہ یہ سفر بھی ایک عام سفر یا پکنک اور تفریح بن جاتا، جہاں حاجی سیاح کی طرح جاتا اور تاریخی مقامات کی سیر کے بعد اسی طرح خالی ہاتھ واپس آتا۔

اس خطرہ کے سدباب کے لئے شریعت نے حج کو سنجیدگی اور تقدس کا ایک ایسا رنگ عطا کیا ہے جو کبھی اتر نہیں سکتا، اس نے اس کے چاروں طرف ایسی فصیل کھڑی کر دی ہے اور ایسی حفاظتی خندقیں کھود دی ہیں جن کی وجہ سے غفلت و ذہول اور لایعنی اور فضول چیزوں کو اس کے اندر داخل ہونے کا موقع ہی نہیں ہے اس کے لئے اس نے ایسے حکیمانہ اور دقیق احکام دیئے ہیں جو زندگی پر حج کی گرفت کو مضبوط کرنے اور اس کو اصلاح و تربیت کے ایک رکن اور تقرب الی اللہ کے ذریعہ کی حیثیت سے باقی رکھنے کے پوری طرح ضامن اور ذمہ دار ہیں۔

اس نے سب سے پہلے اس کو اسلام کا چوتھا رکن قرار دیا ہے اور جو اس کی شرطیں پوری کر سکے اس کے لئے اس کو ایک ایسا فریضہ قرار دیا ہے جس سے نہ کسی حالت میں صرف نظر کیا جا سکتا ہے نہ اس کا کوئی بدل ممکن ہے۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ	اور لوگوں کے ذمہ ہے حج کرنا اللہ کے لئے اس مکان کا
إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ	(یعنی) اس شخص کے ذمہ جو وہاں تک پہنچنے کی طاقت رکھتا
عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (سورۂ آل عمران۔ ۹۷)	ہو اور جو کوئی کفر کرے تو اللہ سارے جہان سے بے نیاز ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جس کے پاس اس قدر زاد و راحلہ ہو جو اس کو بیت اللہ تک پہونچا سکے پھر بھی وہ حج نہ کرے تو وہ چاہے یہودی ہو کر مرے یا نصرانی"

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے اس بات کی شہادت کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اس کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا زکوٰۃ دینا،

www.abulhasanalinadwi.org

رمضان کے روزے رکھنا اور حج کرنا جس کو اس کی استطاعت ہو۔"

لسان نبوت نے حج کی فضیلت اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کے بلند درجہ کا بہت اہتمام اور تاکید کے ساتھ ذکر کیا ہے، اس لئے کہ اسی سے دل میں طلب و شوق اور ایمان و احتساب کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور جب تک یہ دونوں چیزیں کسی عمل کے ساتھ وابستہ نہ ہوں اور اس کا محرک نہ بنیں اس عمل میں اللہ کے نزدیک کوئی قیمت نہیں، حضرت ابوہریرہؓ سے ایک دوسری حدیث میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اللہ کے لئے حج کیا اور بدکلامی و بدگوئی اور فسق و فجور سے اپنے کو محفوظ رکھا تو وہ ایسا ہو جائے گا جیسا اس دن تھا جس دن ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا، عبداللہ بن مسعودؓ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ حج اور عمرہ کے درمیان متابعت کرو اس لئے کہ یہ دونوں گناہوں کو اس طرح دور کرتے ہیں جس طرح بھٹی لوہے یا سونے چاندی کے میل کو صاف کرتی ہے اور حج مبرور کا بدلہ جنت سے کم کوئی چیز نہیں اور جب مومن احرام میں ہوتا ہے تو سورج غروب ہونے کے ساتھ اس کے تمام گناہ بھی زائل ہو جاتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی دن ایسا نہیں جس میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اتنی بڑی تعداد میں جہنم سے آزاد کرتا ہو جتنا عرفہ کے دن[1]۔"

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کون سا عمل افضل ہے، آپ نے فرمایا "اللہ اور اس کے رسول پر ایمان، عرض کیا گیا اس کے بعد کیا، فرمایا اللہ کے راستہ میں جہاد، دریافت کیا گیا اس کے بعد کون سا، فرمایا حج مبرور[2]۔"

ان دور رس اور حکیمانہ قوانین میں میقات حج کا تعین بھی شامل ہے، اس سے حاجی میں ایک نیا

---

[1] مسلم [2] متفق علیہ۔

www.abulhasanalinadwi.org

شعور اور فکری و روحانی بیداری پیدا ہوتی ہے اس کو محسوس ہوتا ہے کہ وہ شاہی دربار سے قریب ہو گیا ہے اور اس کی مقدس اور محفوظ حدود میں داخل ہو گیا ہے اگر یہ مواقیت نہ ہوں تو حجاج بیت اللہ تک بلا کسی شعور و احساس کے اس طرح پہونچ جائیں جس طرح دیہاتی اور گنوار لوگ سلاطین و امراء کے دربار میں بلا سمجھے بوجھے گھس جاتے ہیں، اور ذلت کے ساتھ دھکے دے کر نکال دیئے جاتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ مواقیت کی حکمت اور مختلف جہات سے آنے والوں کے لئے اس کی خاص جہت کے تعین کا راز بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"مواقیت کا اصل راز یہ ہے کہ چونکہ ایک طرف مکہ میں آشفتہ حال اور پراگندہ بال حاضر ہونے کی تاکید ہے، دوسری طرف اپنے شہر سے احرام باندھ کر سفر کرنے میں کھلی ہوئی دشواری ہے کسی کا راستہ ایک ماہ کا ہے، کسی کی مسافت دو مہینے یا اس سے بھی زیادہ کی ہے، اس لئے مکہ کے اردگرد خاص مقامات متعین کر دیئے گئے ہیں، جہاں سے احرام باندھنا ضروری ہے، اس کا لحاظ بھی رکھا گیا ہے کہ یہ مقامات معروف ہوں اور عام گزرگاہوں کی حیثیت سے مشہور ہوں، اہلِ مدینہ کے لئے جو میقات (ذوالحلیفہ) ہے وہ نسبتاً سب سے زیادہ دور ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مدینہ وحی کا مرکز، ایمان کا قلعہ اور دارالہجرت ہے، اور پہلا شہر ہے جس نے اللہ اور اس کے رسول کی دعوت پر ایمان قبول کیا، اس لحاظ سے اس کے باشندے اس کے زیادہ حقدار ہیں کہ اعلاء کلمۃ اللہ میں سب سے زیادہ کوشاں اور عبادات میں سب سے آگے رہیں، جو ثقیف طائف اور یمامہ وغیرہ کے برعکس سب سے پہلے ایمان لانے والے اور سب سے زیادہ اخلاص کا ثبوت دینے والے شہروں اور قریوں میں اس کا شمار ہے، اس لئے اس کے میقات کی دوری میں کوئی مضائقہ نہیں[1]۔"

جہاں تک احرام کا تعلق ہے، وہ حاجی میں شعور اور بیداری پیدا کرنے اور غفلت و ذہول دور کرنے

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۴۴۷

www.abulhasanalinadwi.org

کے لئے ہے، وہ اس کے اندر یہ احساس پیدا کرتا ہے کہ وہ کسی بڑی مہم کو سر کرنے کے لئے جا رہا ہے اور سب سے مقدس شاہی دربار میں حاضر ہو رہا ہے، اس کے علاوہ اس میں مظاہر اور مصنوعی آرائش وزیبائش سے بالکلیہ آزادی ہے، اس لحاظ سے یہ احرام حج کے لئے وہ حیثیت رکھتا ہے جو نماز کے لئے تکبیر تحریمہ، جو نمازی کو ایک نئی فضا میں پہونچا دیتی ہے، اور آزادی سے نکال کر تھوڑی دیر کے لئے قید و پابندی میں ڈال دیتی ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں:۔

"حج و عمرہ میں جو احرام باندھا جاتا ہے، وہ نماز کی تکبیر تحریمہ کی طرح ہے، وہ اخلاص و تعظیم اور عزیمتِ مومن کی ایک ظاہری و عملی صورت آرائی ہے، اس کا مقصد لذتوں اور عادتوں اور آرائش وزیبائش کی تمام قسموں کو ترک کر کے نفس کو حقیر اور اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز و سرنگوں بنانا اور اللہ تعالیٰ کے لئے آشفتہ سری، پریشان حالی اور کلفت و تعب کا مظاہرہ کرنا ہے"[1]

اسی طرح احرام سے باہر آنے اور اس کے قیود و احکام سے رہائی پانے کے لئے بھی ایک خاص طریقہ مقرر ہے، جو نفس کو متنبہ اور بیدار رکھتا ہے، ایسا نہیں ہوتا کہ حاجی احرام سے بالکل اچانک باہر آجائے اور تمام چیزوں سے فوراً لطف اندوز ہونے لگے، وہ ایک خاص عمل اور نیت و ارادہ کے ساتھ احرام اتارتا ہے، وہ نماز میں سلام کے ذریعہ اس کی فضا سے باہر آتا ہے، اور احرام میں حلق (یعنی سر منڈوانے) کے ذریعہ، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں:۔

"حلق کا راز یہ ہے کہ اس سے احرام سے نکلنے کا ایک ایسا طریقہ متعین ہوتا ہے، جو وقار کے منافی نہیں ہے، اگر لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو ہر شخص جو طریقہ چاہتا اختیار کر لیتا، اس کے علاوہ اس میں پراگندہ بال اور ژولیدہ سر ہونے کی حالت کا خاتمہ ہے جو پہلے مطلوب تھی، یہ ایسا ہے جیسا نماز میں سلام پھیرنا"[2]

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۴۴۴ [2] ایضاً ص ۴۵۵

www.abulhasanalinadwi.org

اس کے علاوہ حج کو مفید و موثر بنانے کے لئے جو اقدامات و انتظامات کئے گئے ہیں ان میں تلبیہ بھی داخل ہے جس کی شریعت میں بہت ترغیب آئی ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے زیادہ سے زیادہ بلند آواز کے ساتھ تلبیہ کو مستحسن قرار دیا ہے، آپ سے دریافت کیا گیا کہ "کون سا حج افضل ہے؟ آپ نے فرمایا" العج والثج" (بلند آواز سے تلبیہ اور قربانی کے خون بہانے کی کثرت)۔

نفس کو بیدار و ہشیار اور مقاصد حج سے آشنا اور آگاہ رکھنے میں اور اس کو ایمان و محبت، ذوق و شوق اور اللہ تعالیٰ کے دربار عالی میں جبہہ سائی اور ناصیہ فرسائی کے جذبات و کیفیات سے مست و سرشار کرنے میں تلبیہ کا بڑا حصہ ہے اس سے حاجی کے جسم و جان اور اعصاب میں ایمان و روحانیت کا کرنٹ اس طرح طاقت اور تیزی کے ساتھ دوڑ جاتا ہے جس طرح برقی لہر تاروں میں، وہ اس کو اسلام کے اس رکن عظیم (حج) کے لئے تیار کرتا ہے جس کی طلب و استعداد، احساس و شعور اور اہتمام و تیاری کا موقع اس کو بعض اوقات نہیں ملتا، جب وہ "لبیک اللھم لبیک، لبیک لاشریک لک لبیک، ان الحمد والنعمۃ لک والملک، لاشریک لک"[1] کی صدا لگاتا ہے تو حج کے بلند مقاصد اور اس کی روح اور اسپرٹ اس کے سامنے پوری رعنائی و دلربائی کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے، صبر و ضبط کا دامن اس کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے، اور محبت و شوق کا سا غر بے ساختہ چھلکنے لگتا ہے، توحید کا شعلہ اس کی رگوں میں آتش سیال کی طرح دوڑ جاتا ہے، اور اس کے سارے وجود کو بے قرار و سیماب وش بنا دیتا ہے، اور وہ حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ اور سیدنا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام اور حاملین دعوت کے ساتھ فکری و روحانی طور پر وابستہ ہو جاتا ہے، اور ان کی جماعت میں گھل مل جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حج کو دو حرمتیں یا دو عزتیں اور خصوصیتیں عطا کی ہیں، زبان کی حرمت اور مکان کی حرمت، اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس رکن عظیم کی عظمت و جلال اور اپنی ذمہ داری اور فرض منصبی کا استحضار

---

[1] روایت حضرت ابن عمرؓ (سنن ابن ماجہ)

www.abulhasanalinadwi.org

اور احساس حاجی کے اندر پوری قوت کے ساتھ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اپنی تمام نقل و حرکت اور قیام و سفر میں ذکی الحس، حاضر دماغ اور بیدار و ہوشیار رہتا ہے، اور ایک لمحہ کے لئے بھی اس روحانی فضا سے غافل اور بے پرواہ نہیں ہوتا جو اس کے گرد و پیش میں محیط ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ	بیشک مہینوں کا شمار اللہ کے نزدیک بارہ ہی مہینہ ہیں
شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ	کتاب الٰہی میں (اس روز سے) جس روز کہ اس نے
وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذَٰلِكَ الدِّينُ	آسمان اور زمین پیدا کئے اور ان میں سے چار (مہینے)
الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ	حرمت والے ہیں یہی دین مستقیم ہے سو تم ان (مہینوں)
(سورۂ توبہ۔ ۳۶)	کے باب میں اپنے اوپر ظلم نہ کرو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ	اور آپ سے حرمت والے مہینہ کی بابت (یعنی) اس
قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ	میں قتال کی بابت دریافت کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ
(سورۂ بقرہ۔ ۲۱۷)	اس میں قتال کرنا بڑا (گناہ) ہے۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "بیشک زمانہ اپنی اصل شکل پر لوٹ گیا ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین پیدا کئے ان میں چار حرمت والے مہینے ہیں، ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب مضر جو جمادی اور شعبان کے درمیان ہے"[1]

جہاں تک مکان کی حرمت کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هَٰذِهِ الْبَلْدَةِ	(آپ کہہ دیجئے) مجھے تو یہی حکم ملا ہے کہ میں عبادت کروں

---

[1] مسلم، رجب مضر اس لئے فرمایا کہ قبیلۂ مضر خاص طور پر اس کا احترام کرتا تھا۔

www.abulhasanalinadwi.org

الَّذِیْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَیْءٍ وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ (سورۂ نمل۔ ۹۱)

اس شہر کے مالک (حقیقی) کی جس نے اسے محترم بنایا ہے اور سب چیزیں اسی کی ملک ہیں اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں فرماں بردار ہوں۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر فرمایا کہ "آج سے ہجرت نہیں لیکن جہاد اور نیت باقی ہے اور جب تمہیں دین کے لئے پکارا جائے تو فوراً نکل کھڑے ہو" آپ نے فتح مکہ کے دن یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے اسی دن سے حرمت بخشی ہے جس دن اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس لئے اللہ تعالیٰ کی یہ حرمت اس کے ساتھ قیامت تک وابستہ ہے، مجھ سے پہلے بھی کسی کے لئے اس میں جنگ جائز نہیں ہوئی اور میرے لئے بھی صرف دن کی ایک گھڑی کے لئے اس کی رخصت ملی ہے اب یہ قیامت تک کے لئے اللہ تعالیٰ کی حرمت کے ساتھ حرام ہے، نہ اس میں کوئی کانٹا یا تنکا توڑا جا سکتا ہے، نہ شکار ہنکایا جا سکتا ہے، نہ اس کی گری ہوئی چیز اٹھائی جا سکتی ہے ابن عباسؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ کیا اذخر بھی؟[1] اس لئے کہ لوگوں کے لئے اس کی ضرورت پڑتی ہے آپ نے فرمایا کہ ہاں سوائے اذخر کے۔"

حرم میں معصیت یوں بھی سخت چیز ہے لیکن بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ حرم میں ارادۂ معصیت بھی معصیت میں داخل ہے بخلاف دوسری جگہوں کے، وہ اس کے ثبوت میں یہ آیت پیش کرتے ہیں۔

وَمَنْ یُّرِدْ فِیْهِ بِاِلْحَادٍۭ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ (سورۂ حج۔ ۲۵)

اور جو کوئی بھی اس کے اندر کسی بے دینی کا ارادہ ظلم سے کرے گا ہم اسے عذاب دردناک چکھائیں گے۔

ابن کثیر نے لکھا ہے کہ یہ حرم کی خصوصیت ہے کہ یہاں ظلم کا ارادہ کرنے والا بھی قابل مواخذہ

---

[1] ایک خوشبودار گھاس کا نام ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

اور لائقِ عتاب ہے خواہ وہ اس ارادہ کو عملی جامہ پہنا سکے یا نہیں۔

زمان و مکان کی حرمت کے ساتھ احرام کی حرمت کے بھی بہت سے احکام اور خصوصی آداب ہیں مثلاً حالت احرام میں شکار کی ممانعت اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ	اے ایمان والو شکار کو مت مارو جب کہ تم
وَأَنتُمْ حُرُمٌ (سورۂ مائدہ۔۹۵)	حالتِ احرام میں ہو۔

دوسری جگہ آتا ہے :۔

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ	تمہارے لئے دریائی شکار اور اس کا کھانا جائز کیا گیا
وَلِلسَّيَّارَةِ ۖ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ	تمہارے نفع کے لئے اور قافلوں کے لئے اور تمہارے اوپر
مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي	جب تک تم حالتِ احرام میں ہو خشکی کا شکار حرام کیا گیا
إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝[1] (سورۂ مائدہ۔۹۶)	اللہ سے ڈرتے رہو جس کے پاس جمع کئے جاؤ گے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں :۔

"ان اشیاء کی ممانعت" محرم یعنی احرام باندھنے والے کے لئے اس لئے ہے کہ تذلل، ترک تجمل، پراگندہ بال اور غبار آلود ہونے کی کیفیت حاصل ہو، اور اللہ تعالیٰ کی عظمت اور خوف کا غلبہ اور مواخذہ کا ڈر اس پر غالب رہے اور وہ اپنی خواہشات اور دلچسپیوں میں پھنس کر نہ رہ جائے، ان ممنوعات میں شکار اس لئے شامل ہے کہ وہ بھی ایک قسم کے توسع میں داخل ہے اور دلچسپی اور تفریح خاطر کی چیز ہے"[2]

حج کا سفر اکثر اوقات ایک طویل سفر ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

---

[1] ان دونوں آیتوں کی تفسیر سے مستنبط ہونے والے فقہی احکام و مسائل نیز اس کے اختلاف کو جاننے کے لئے تفسیر اور احکام قرآن کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے۔ [2] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۴۴

www.abulhasanalinadwi.org

وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا	اور لوگوں میں حج کا اعلان کردو لوگ تمہارے پاس
وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ۝	پیدل بھی آئیں گے اور دبلی اونٹنیوں پر بھی، جو
(سورۂ حج۔ ۲۷)	دور دراز راستوں سے پہنچی ہوں گی۔

اس میں انسان کو مختلف حالات پیش آتے ہیں، مختلف لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے، نئے نئے لوگوں کی طویل عرصہ تک صحبت و رفاقت رہتی ہے، طرح طرح کے معاملات سامنے آتے ہیں، اور یہ سب چیزیں بہت سے ممنوعات، غلط قسم کی ترغیبات اور ایک دوسرے کے ساتھ کشمکش اور لڑائی جھگڑے کی حد تک پہونچا سکتی ہیں، حاجی اس سفر میں بہت سی چیزوں سے تنگ دل ہوتا ہے، بعض اوقات کسی ناگوار بات سے اس کی طبیعت میں سخت اشتعال پیدا ہوتا ہے، اور اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگتا ہے، اور اس کے نتیجہ میں بعض اوقات اس سے ایسی باتیں سرزد ہو جاتی ہیں جن کو وہ اپنے وطن اور اپنے گھر میں بھی برا سمجھتا تھا، اور حتی الامکان ان سے بچتا تھا، وہ بعض ایسی معصیتوں اور اخلاق قبیحہ میں گرفتار ہو جاتا ہے جو حج کی روح اور مقاصد کے یکسر منافی ہیں، حج میں ان چیزوں کی ممانعت خاص طور پر اسی لئے آئی ہے کہ اس میں اس کا احتمال اور بڑھ جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُومٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ	اہم حج کے (چند) مہینے معلوم ہیں، جو کوئی ان میں اپنے
فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ[1]	اوپر حج مقرر کرے تو پھر حج میں نہ کوئی فحش بات ہونے
وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ وَتَزَوَّدُوْا	پائے اور نہ کوئی بے حکمی اور نہ کوئی جھگڑا اور جو کوئی بھی
فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي	نیک کام کروگے اللہ کو اس کا علم ہو کر رہے گا، اور زادِ راہ
الْاَلْبَابِ ۝	لے لیا کرو اور بہترین زادِ راہ تو تقویٰ ہے، سو اے
(سورۂ بقرہ۔ ۱۹۷)	اہلِ فہم! میرا ہی تقویٰ اختیار کئے رہو۔

---

[1] ان الفاظ کی تشریح کے لئے احکام و تفسیر کی کتابیں دیکھی جائیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

ان قوانین، احکام اور تعلیمات نے (جن کا تعلق قلب و جوارح، نیت و عمل اور زمان و مکان سے براہ راست ہے) حج کو تقدس و طہارت، تورع و زہد، مراقبہ و حضور، محاسبۂ نفس اور مجاہدہ و جہاد کی ایک ایسی خلعت عطا کی ہے جو دوسرے مذہبوں اور ملتوں کے اس قسم کے اعمال میں ہرگز نہیں ملتی، ان کی وجہ سے نفسِ انسانی، اخلاق عامہ اور نظامِ زندگی پر جو اثرات پڑتے ہیں اس کو دیکھ کر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث قدسی کی تصدیق ہوتی ہے:۔

مَنْ حَجَّ لِلّٰہِ فَلَمْ یَرْفُثْ وَلَمْ یَفْسُقْ رَجَعَ کَیَوْمِ وَلَدَتْہُ اُمُّہٗ۔[1]	جس نے خالص اللہ کے لئے حج کیا اور پھر دوران حج نہ بری بات زبان سے نکالی نہ فسق و فجور اختیار کیا تو ایسا ہو کر لوٹا جیسا کہ اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔

دوسرے مذاہب میں حج و زیارت اور اسلامی حج سے اس کا موازنہ

دنیا کی کوئی قوم اور ملت ایسی نہیں جو کچھ نہ کچھ مقدس مقامات نہ رکھتی ہو اور اس کے متبعین اور پیرو کسی خاص مذہبی موقع پر ایک جگہ جمع نہ ہوتے ہوں، ان مذہبی مقامات کی زیارت یا مذہبی سفر کے لئے کچھ اصول و طریقے اور رسوم و روایات ہیں، اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ عمل فطرت بشری کے عین مطابق اور ضمیر کی آواز کے ساتھ ہم آہنگ ہے، انسان جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں برابر کسی ایسی چیز کی جستجو اور آرزو میں رہتا ہے، جس سے قریب ہو کر وہ اپنے جذبۂ عقیدت و محبت کی تسکین کر سکے، وہ ایک ایسا طویل اور بڑا عمل چاہتا ہے جس سے اس کے بڑے بڑے گناہوں اور مہلک غلطیوں کی تلافی ہو سکے اور وہ ضمیر کی چبھن، مذہبی حس کی کھٹک اور سوسائٹی کی ملامت سے چھٹکارا پا سکے، اس کے اندر ایک ایسے عظیم اور عام دینی اجتماع کی طلب پوشیدہ ہے جہاں صرف دینی اخوت اور روحانی رشتہ کارفرما ہو، کوئی دوسری اساس اور دوسرا جذبہ اس میں شامل نہ ہو،

---

[1] صحاح ستہ باستثنائے ابوداؤد (روایت حضرت ابوہریرہؓ)

www.abulhasanalinadwi.org

جب ہم تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی کوئی قوم اور تہذیب کا کوئی دور ان مذہبی سفروں، زیارت گاہوں اور مقدس و متبرک مقامات سے خالی نہیں، جہاں لوگ جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور یا اپنے خود ساختہ معبودوں اور دیوی دیوتاؤں کے لئے قربانیاں کرتے ہیں، نذریں مانتے ہیں اور چڑھاوے چڑھاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ	اور ہم نے ہر ایک امت کے لئے قربانی کا دستور مقرر کر دیا تھا تاکہ وہ لوگ
عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۗ فَإِلَٰهُكُمْ	اللہ کا نام ان چوپایوں پر لیں جو اس نے انہیں عطا کر رکھے
إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا ۗ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ ۝	ہیں، سو تمہارا خدا تو خدائے واحد ہی ہے تم اسی کے آگے
(سورۂ حج۔ ۳۴)	جھکو اور آپ خوشخبری سنا دیجئے گردن جھکانے والوں کو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا	ہم نے ہر امت کے واسطے ایک طریقہ (ذبح و عبادت کا)
يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ	مقرر کر رکھا ہے کہ وہ اس پر چلنے والے ہیں، سو انہیں
إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُسْتَقِيمٍ ۝	نہ چاہئے کہ آپ سے جھگڑا کریں (اس) امر میں اور
(سورۂ حج۔ ۶۷)	آپ ان کو اپنے پروردگار کی طرف بلاتے رہئے بیشک
	آپ ہی سیدھے راستے پر ہیں۔

آثار قدیمہ کی دریافت اور تاریخی مقامات کی کھدائی سے دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں اور تہذیبی کھنڈرات میں بھی ایسے مذہبی مقامات کا پتہ چلا ہے، تاریخ نے اس طرح کی بہت سی چیزوں کی نشان دہی کی ہے، لیکن اس کی حقیقت تک رسائی اور اس کے قوانین و احکام، آداب و تعلیمات کا علم بہت مشکل ہے، ہمیں اس سلسلہ میں اب تک جو معلوم ہو سکا اس کی حیثیت چند قیاسات یا ان منتشر اور غیر مربوط کڑیوں سے زیادہ نہیں جن سے کوئی واضح تصویر بنانا ناممکن ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

یہودی اور اس کے بعد مسیحی مذہب اس سلسلہ میں ہم سے سب سے زیادہ قریب ہیں، انھوں نے تاریخ اور علم کی روشنی کا ایک طویل زمانہ پایا ہے، مورخین و مصنفین نے بھی ان کے ساتھ اپنی پوری دلچسپی کا ثبوت دیا ہے، اور وہ اب بھی دو ایسی بڑی اور زندہ قوموں کا مذہب ہے جو تہذیب و تمدن، علم و ادب، اور سیاسی قوت تینوں چیزوں میں بہت آگے ہیں "بیت المقدس" اور اس کے قرب و جوار کے آثار و مقامات اب بھی ان قوموں کی زیارت گاہ اور مرکز عقیدت ہیں، اس کا حج ان کے ہاں بہت قدیم زمانہ سے رائج اور معروف ہے لیکن جب اس کا مقابلہ ہم اسلامی حج سے کرتے ہیں، (جس کے احکام و تفصیلات کا ایک ایک جزیہ مرتب اور منضبط ہے) تو ہمیں اس کی تصویر بہت دھندلی، مبہم اور ناتمام نظر آتی ہے۔

اس سلسلہ میں یہودیوں کے سب سے مستند ماخذ (JEWISH ENCYCLOPAEDIA) کی دسویں جلد میں جو کچھ لکھا گیا ہے، اس کا خلاصہ یہاں پیش ہے:۔

"بیت المقدس کا حج جس کو (REYIAH) یعنی حاضری کہا جاتا تھا، تین تہواروں کے موقع پر ہوتا تھا جو عید الحصاد[1] (HARVEST FESTIVAL) عید الفصح (EASTER) اور عید المظال (FEAST OF TABERNACLES) کے نام سے موسوم تھے، یہودی ہدایات کے مجموعہ (MISHNAH) میں ہے کہ نابالغوں، عورتوں، اندھوں اور ضعفاء اور جسمانی یا دماغی امراض میں مبتلا لوگوں کے علاوہ سب کو حاضر ہونا ضروری ہے، نابالغ سے مراد ایسا بچہ ہے جس کو اس کا باپ بیت المقدس نہ لے جا سکے۔

شریعت موسوی کے بموجب ہر شخص کو کچھ نہ کچھ چڑھاوا پیش کش (OFFERING) بھی لے جانا چاہئے لیکن اس پیش کش کا تعین نہیں کیا گیا ہے۔

---

[1] جویش انسائیکلوپیڈیا میں ہے کہ اس حج میں بیت المقدس میں تمام مردوں کی حاضری ضروری تھی، دیکھئے عنوان (PENTECOS)۔

www.abulhasanalinadwi.org

اگرچہ عورتوں اور چھوٹے لڑکوں کی حاضری لازمی نہ تھی، تاہم وہ اپنے شوہروں اور والدین کے ساتھ پہونچتے ہی تھے جیسا کہ عام میلوں میں ہوتا ہے۔

"GESIUS FLORUS" نے جو کہ ۶۳ء تا ۶۶ء میں وہاں رہا اس طرح کہا ہے کہ "PASSOVER" کے ایک تیوہار کے موقع پر اس نے یہودی قربانی کے میمنوں کی تعداد ۲۵۶,۵۰۰ پائی، اگر ایک میمنہ کی قربانی دس افراد کی جانب سے ہوئی ہو تو زائرین کی تعداد پچیس لاکھ پینسٹھ ہزار ہوئی (یعنی ۲۵,۶۵,۰۰۰)۔

"TOSEFFA" کے ذکر کے مطابق ایک موقع پر بارہ لاکھ میمنوں کی ٹانگیں کاٹی گئیں جبکہ پجاری کو ہر میمنہ کی ایک پچھلی ٹانگ کے لینے کا حکم تھا، یہ تعداد غالباً ایک مبالغہ ہے۔

TEMPLE (عبادت گاہ) کی بربادی کے بعد بھی حج کا سلسلہ بند نہیں ہوا، جب مسلمانوں نے صلاح الدین کی سرکردگی میں ۱۱۸۷ء میں بیت المقدس کا علاقہ فتح کر لیا تو مشرقی علاقے کے یہودیوں کو بیت المقدس اور دوسرے متبرک مقامات (دمشق سے بابل اور مصر تک) کی زیارت کی سہولت حاصل ہو گئی، مشرق کے یہودیوں بالخصوص بابل اور کردستان کے یہودیوں میں چودھویں صدی سے یہ رسم رہی ہے کہ سال میں کم از کم ایک بار "حج" کو جایا جائے اور بہت سے تو یہ حج پاپیادہ کرتے تھے، صلیبی جنگوں کے زمانہ میں یورپ کے یہودیوں کی بھی حج کے لئے یورپ سے آنے کی حوصلہ افزائی ہوئی۔

۱۴۹۲ء میں جب کہ یہودیوں کو "SPAIN" سے نکال دیا گیا اور جلاوطن یہودی کثرت سے ترکوں کے علاقہ میں آ بسے تو یہودی زائرین کی تعداد بہت بڑھ گئی، اکثر اس کا اجتماع مقام "RAMAH" پر پیغمبر "SAMUEL" کے مزار پر ہوتا تھا، جہاں ان کے سالانہ عید کے میلے ہوتے اور مذہبی رسوم ادا کی جاتیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

یہودیوں کو شکایت ہے کہ ان کے دوسرے ملکوں میں بسنے والے ہم مذہب ذوقِ حج وزیارت سے عاری ہیں، ان کے مقابلہ میں عیسائی ارضِ مقدس کی زیارت کرتے ہیں۔

حج معینہ تاریخوں میں ہوتے ہیں، شمالی افریقہ اور مشرق کے یہودی ان دنوں کو "ایام زیارت" کہتے ہیں، ان ایام میں ایسی عظیم ہستیوں کی قبروں یا ان کی یادگاروں کی زیارت کی رسم قائم ہوگئی ہے جو یا تو کوئی بڑے بادشاہ، یا نبی، یا ولی اللہ (درویش) کی حیثیت سے مشہور ہیں۔

ان ایام حج وزیارت کو دعاؤں، خوشیوں اور عام تیوہاروں کی شکل میں مناتے ہیں، بیت المقدس میں ہر جمعہ کی شام کو نیز ہر روزے کے دن کی شام کو اور "تموز" کی سترہویں کی شام کو ماہ (آب) کی نویں تک متواتر ۲۳ روز تک ہر روز یہودیوں کے گروہ ہیکل سلیمانی کی مغربی دیوار کے سامنے جمع ہوتے ہیں، موخر الذکر تاریخ (یعنی آب کی نویں تاریخ کو) یہ عبادت نصف شب کے بعد ادا کی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ بھی کچھ مقامی قسم کی زیارت گاہیں اور تیوہار ہیں جہاں تقریباً ہر ملک اور شہر میں یہودی جمع ہوتے ہیں[1]۔

جہاں تک عیسائیوں کے حج وزیارت کا تعلق ہے اس کا خلاصہ دائرۃ المعارف مذاہب واخلاق سے پیش کیا جارہا ہے:-

"حج ایسے سفر کو کہتے ہیں جو متبرک مقامات کی زیارت کے لئے کیا جائے، مثلاً ہمارے آقا (حضرت عیسیٰؑ) کی دنیوی زندگی کے مناظر فلسطین میں، یا رہنمایان مذہب کے آستانے روما میں یا خدا رسیدہ درویشوں اور شہداء کے متبرک مقامات (آستانے)۔

---

[1] دیکھئے "جولیش انسائیکلوپیڈیا" عنوان (PILGRIMAGE)

www.abulhasanalinadwi.org

عیسائیوں کی نسل اول نے متاخرین کے مقابلہ میں حضرت عیسیٰ (نجات دہندہ) کی زندگی کے راستوں پر چلنے (ان کی زندگی سے متعلق مقامات کو دیکھنے) کی ضرورت کو زیادہ محسوس نہیں کیا، تیسری صدی (عیسوی) سے یقیناً متبرک مقامات کی زیارت ہونے لگی، بہت سے عیسائیوں کو اپنے آقائے نامدار (حضرت عیسیٰ) کے بیتابانہ ذوق (حق جوئی) اور دفن کئے جانے کے بعد قبر سے نمودار ہونے سے متعلق مقامات سے کہیں زیادہ دلچسپی رہی ہے، بمقابلہ ان کی تعلیمات نبوی کے۔

تیرہویں صدی سے ارض مقدس کے مقابلہ میں روما کی زیارتیں زیادہ بڑھتی گئیں، اگرچہ ارض مقدس کی زیارت کا سلسلہ بھی جاری رہا۔

بیت المقدس کے بعد روما (ROME) ہی وہ شہر تھا جہاں زیادہ سے زیادہ زائرین پہونچتے تھے، جن اسباب نے پاپائیت کو عروج بخشا انھیں نے روما (ROME) کو ایک زیارت کا مقام بنا دیا، بالخصوص سینٹ پیٹر اور سینٹ پال کی قبروں نے تو اس کو وہ عظمت بخشی کہ یہ رومن کیتھولک عیسائیوں کا مرجع بن گیا، اور وہ وہاں بکثرت جمع ہونے لگے، (CATACOST) جو کہ شہداء کی ہڈیوں کے باعث متبرک مقام بن گیا ہے، زائرین کی خصوصی دلچسپی کا مرکز ہے، زائرین نے روما کی زیارت کبھی ترک نہیں کی، گرجاؤں اور متبرک یادگاروں کی کثرت نے اس کو متواتر ایک خصوصی توجہ کا مرکز رکھا ہے[1]۔

یہ صرف چند زیارت گاہوں اور متبرک مقامات کا ذکر تھا، نہ صرف فلسطین بلکہ ان تمام جگہوں پر جہاں یہودی اور عیسائی آباد ہیں، ان قبروں، آستانوں اور درگاہوں کی اس قدر کثرت ہے کہ آدمی گھبرا جاتا ہے، اور اس کی طبیعت اکتانے لگتی ہے۔

---

[1] ENCYCLOPAEDIA OF RELIGION AND ETHICS اور JEWISH ENCYCLOPAEDIA

www.abulhasanalinadwi.org

کے "حج وزیارت" کے مقالہ نگاروں نے ان تمام درویشوں اور اولیاء کے آستانوں اور قبروں کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے، اور یورپ وایشیا میں ایسی جتنی درگاہیں ہیں، ان کی پوری فہرست پیش کردی ہے، انھوں نے ان دنوں کا بھی ذکر کیا ہے جو زیارت کے لئے مقرر تھے، نیز ان رسوم وعادات اور طور طریقوں کی تفصیل بھی بیان کی ہے جو ان تیوہاروں اور متبرک مقامات کے لئے ضروری سمجھے جاتے تھے۔

ان متبرک مقامات اور آستانوں کے ساتھ اہلِ کتاب (یہودیوں اور عسائیوں) کی اس درجہ وابستگی بلکہ شیفتگی، اس کے لئے طویل سفر کرنے اور ہر طرح مشقت برداشت کرنے کی ان کے اندر تعظیم وتقدیس کی جو مبالغہ آمیز کیفیت پیدا کردی تھی، اور ان کے دل ودماغ اور احساسات وجذبات سب کو اس میں جکڑ لیا تھا، اور ان کو بالآخر شرک اور غیر اللہ کی پرستش تک پہونچا دیا تھا، ان سب چیزوں کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا اس سلسلہ کو شدت کے ساتھ بند کرنے کا راز یہی ہے، آپ کو اس کا اندیشہ تھا، کہ کہیں یہ عادت توحید کے علمبرداروں اور دنیا کی اس آخری امت میں بھی سرایت نہ کرجائے جس پر قیامت تک پوری انسانیت کی ذمہ داری ہے، آپ نے اپنی آخری آرام گاہ کو بھی ہر قسم کے شرک وبدعت اور غلو سے پاک رکھنے کا حکم دیا، اپنے مرض وفات میں آپ کو سب سے زیادہ فکر اسی بات کی تھی۔

حضرت عائشہؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے:۔

لما نزل برسول اللہ صلی اللہ علیہ	جب آپ بیمار ہوئے تو اکثر چادر مبارک کو چہرے
وسلم طفق یطرح خمیصۃ لہ علی	پر ڈال لیتے اور جب گھبرانے لگتے تو چہرے سے
وجھہ فاذا اغتم بھا کشفھا عن وجھہ	ہٹا دیتے آپ نے اس حال میں فرمایا اللہ یہود و
فقال، وھو کذلک، لعنۃ اللہ علی	نصاریٰ پر لعنت کرے جنھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں
الیھود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیائھم	کو سجدہ گاہ بنا دیا آپ امت کو ان کے اعمال سے

www.abulhasanalinadwi.org

مساجد یحذر ما صنعوا[1] ڈرا رہے تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا "اللہ یہود کو ہلاک کرے انھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں بنالیا" حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ ام سلمہؓ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے ایک کنیسا کا ذکر کرتے ہوئے جو انھوں نے حبشہ میں دیکھا تھا اور جس کا نام ماریہ تھا ان تصویروں کا ذکر کیا جو اس کے اندر تھیں آپ نے یہ سن کر فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان میں سے اللہ کا کوئی نیک بندہ یا اچھا آدمی مرجاتا تو وہ لوگ اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے تھے، یہ لوگ اللہ کی بدترین مخلوق میں ہیں[2]

آپ سے یہ حدیث بھی ثابت ہے کہ "اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنا جس کی پوجا ہونے لگے اللہ تعالیٰ کا ان لوگوں پر سخت غصہ ہے جنھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنا دیا"[3]

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مقابر اور آستانوں کی زیارت کے لئے باقاعدہ سفر کرنا اور اہتمام، تیاری اور نیت کے ساتھ متبرک مقامات اور درگاہوں میں حاضری ممنوع قرار دی ہے مشہور حدیث ہے کہ

لا تشد الرحال إلا الى ثلاثة مساجد	اہتمام و ارادہ کے ساتھ باقاعدہ سفر صرف تین مسجد
المسجد الحرام ومسجد الرسول والمسجد الاقصیٰ[4]	کے لئے جائز ہے مسجد حرام مسجد الرسول اور مسجد اقصیٰ۔

آپ نے اس ذریعہ سے اس امت کو درگاہوں اور قبروں کے اس فتنہ سے محفوظ رکھا جس نے ان کو کھلی ہوئی بت پرستی میں مبتلا کر دیا تھا۔

لیکن مسلمانوں کی بہت سی جماعتوں نے آپ کی اس اہم وصیت پر پوری طرح عمل نہیں کیا جس کو آپ نے اپنے مرض وفات میں بھی فراموش نہ فرمایا تھا، وہ بھی ان درگاہوں، آستانوں اور مزاروں کے فتنہ میں پڑ گئیں، لوگ بہت دور دور سے اور بڑی مشقتیں برداشت کر کے ان مزارات پر جانے لگے ان قبروں

---

[1] صحیح بخاری [2] روایت حضرت ابوسعید خدریؓ و حضرت ابوہریرہؓ (مرفوع) صحیح بخاری۔

[3] روایت حضرت ابوسعید خدریؓ (مرفوع) صحیح بخاری [4] صحیح بخاری۔

www.abulhasanalinadwi.org

کے سامنے تعظیماً جھکنے لگے، نذریں ماننے اور مرادیں مانگنے لگے اور ان مزاروں کے ساتھ اس قدر شیفتگی اور تعظیم کا مظاہرہ کرنا شروع کیا جو یہود و نصاریٰ کا شعار تھا، اور آپ کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف صحیح ثابت ہوگئی کہ "تم اپنے پہلے لوگوں کی پوری پوری اتباع کروگے وہ ایک بالشت چلیں گے تو تم بھی ایک بالشت چلوگے وہ ایک ہاتھ چلیں گے تو تم بھی ایک ہی ہاتھ چلوگے"[1]

ان مزاروں اور آستانوں نے (جن میں بہت سے جعلی اور نقلی بھی تھے) نہ صرف مسجدوں کا حق غصب کیا بلکہ بعض اوقات انھوں نے مسجد حرام اور بیت اللہ کی جگہ لینے کی کوشش کی، بہت سے جاہلوں نے ان مزاروں اور درگاہوں کو خانۂ کعبہ کی طرح اہم اور مقدس سمجھ لیا، دور دور سے کھنچ کر وہاں جمع ہونے لگے ان کا عرس ہونے لگا اور ایک میلہ سا لگ گیا۔

ابن تیمیہؒ نے ان جماعتوں کی تصویر ایک مختصر، بلیغ اور تاریخی جملہ میں کھینچ دی ہے، وہ ان لوگوں پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "ان کے مزار آباد و معمور، اور مسجدیں خالی اور ویران ہیں"[2]

ایک سیاح جب عالم اسلام کا دورہ کرتا ہے تو اس کو جگہ جگہ ایسے قبے، آستانے اور ضریحیں نظر آتی ہیں جن کے ساتھ بڑی بڑی زمین اور جائدادیں وابستہ ہیں، اور وہاں مشرکانہ اعمال اور بدعات مثلاً سجدۂ تعظیمی، منتیں اور نذریں، چڑھاوے اور قربانیاں وغیرہ بدعتوں کا بازار گرم رہتا ہے، اور صاحبِ مزار سے اس طرح سوال و جواب کیا جاتا ہے کہ اس کو سن کر اسلام کی پیشانی عرق آلود ہونے لگتی ہے۔

جہاں تک ہندوستان کے مذاہب کا تعلق ہے (جن میں بودھ مت، جینی مذہب اور برہمن ازم

---

[1] حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تم اگلے لوگوں کی اتباع کروگے ایک ایک بالشت اور ایک ایک ہاتھ، یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے بل میں گھس جائیں گے تو تم بھی اس میں گھس جاؤ گے کہا گیا کہ یا رسول اللہ کیا یہود و نصاریٰ کی؟ فرمایا اور کس کی؟" (متفق علیہ)۔

[2] منہاج السنۃ ج ۱ ص ۱۳۰-۱۳۱۔

(ہندو مت) سب شامل ہیں) ان میں ایسے مندروں، معبدوں، استھانوں اور زیارت گاہوں کی بڑی کثرت ہے، جو بعض تاریخی و مذہبی واقعات کی وجہ سے بابرکت سمجھے جاتے ہیں، یا جہاں ان کے رشیوں، منیوں کو الہام معرفت، فیضان یا ان کے الفاظ میں نروان حاصل ہوا، یا ان کے عقیدہ کے مطابق ان کے دیوتاؤں نے وہاں خاص طور پر "تجلی" کی (پرکٹ ہوئے) ان مذاہب میں میلوں ٹھیلوں، عرسوں اور نہان و اشنان وغیرہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

یہ مقدس مقامات، یا متبرک مزارات زیادہ تر گنگا کے کنارے واقع ہیں، جہاں ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں لوگ اشنان کے لئے جمع ہوتے ہیں، بعض نہان سال میں صرف ایک بار، بعض سال میں کئی مرتبہ اور کچھ ہر دو سال کے بعد ہوتے ہیں، بعض نہان اور میلے ایسے ہیں جن کی نوبت کئی کئی سال کے بعد آتی ہے مثلاً کمبھ کا میلہ جو بارہ سال کے بعد آتا ہے، اور جس میں لاکھوں کی تعداد میں زائرین پریاگ میں جمع ہوتے ہیں۔

مذہبی مقامات گھاٹ مندروں اور معبدوں کی تعداد بہت ہے، اور ان سب کے رسوم و رواج بھی (مذہبی فرقوں کے اختلاف کی وجہ سے) بہت مختلف ہیں۔

یہ میلے دیوی دیوتاؤں کے واقعات اور میتھالوجی اور علم الاصنام کے ساتھ ملوث ہیں، ان کو دیکھ کر قرآن مجید کا اعجاز نظر آتا ہے کہ اس نے تعمیر بیت اللہ کے وقت سب سے پہلے شرک باللہ اور افسانوی روایات پر کاری ضرب لگائی ہے، جس سے دوسری قوموں کے حج و زیارت کے اعمال و رسوم پوری طرح آلودہ ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ	یہ بات ہو چکی اور جو کوئی بھی اللہ کے محترم احکام کا
خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۗ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ	ادب کرے گا سو یہ اس کے حق میں اس کے پروردگار
الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا	کے پاس بہتر ہوگا، اور اللہ نے حلال کر دیئے ہیں تمہارے
الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ	لئے چوپائے بجز ان کے کہ جو تم کو پڑھ کر سنا دیئے گئے

www.abulhasanalinadwi.org

الزُّوْرِ ۝ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ (سورۂ حج ۔ ۳۰۔۳۱)

سو تم بچے رہو بتوں کی گندگی سے اور بچے رہو جھوٹی بات سے، جھکے رہو اللہ کی طرف اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرکے۔

یہ دنیا کے ان اہم اور مشہور مذاہب میں حج (PILGRIME) کے طریقوں اور روایات و رسوم کی ایک اجمالی تصویر تھی، جن کے پیروؤں کی تعداد کروروں تک پہونچتی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے حج کے موضوع پر کلام کرتے ہوئے اپنی کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں بالکل صحیح لکھا ہے کہ:۔

"حج کی اصل بنیاد ہر ملت میں موجود ہے، ان سب کے لئے ایک ایسے مقام کی ضرورت تھی جو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کے طور پر اور اپنے اسلاف کی طرف منسوب قربانیوں اور اعمال و مناسک کی وجہ سے ان کی نظر میں متبرک ہوں اس لئے کہ ان سے ان مقربین اور ان کے اعمال کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

اور بیت اللہ اس کا سب سے زیادہ مستحق ہے اس لئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی کھلی ہوئی نشانیاں پائی جاتی ہیں، اس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا ہے جو اکثر اقوام کے روحانی مورث ہیں، انھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک غیر آباد ویران مقام پر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور حج کے لئے یہ پہلا گھر تعمیر کیا، اب اگر اس کے علاوہ کہیں اور کچھ ہے تو اس میں شرک، بدعت اور اختراع ضرور شامل ہے جس کی کوئی اصل نہیں[1]"

اگر کوئی شخص اسلامی حج کا موازنہ اور تقابل دوسرے مذاہب کے ساتھ کرے گا تو وہ بھی

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۵۹

www.abulhasanalinadwi.org

بآسانی اسی نتیجہ تک پہونچے گا اور یہ آیت اس کی زبان پر جاری ہو جائے گی :۔

لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُسْتَقِيمٍ ۝ (سورۂ حج - ۶۷)	ہم نے ہر امت کے واسطے ایک طریقہ (ذبح و عبادت کا) مقرر کر رکھا ہے وہ اس پر چلنے والے ہیں، سو انھیں نہ چاہئے کہ آپ سے جھگڑا کریں (اس) امر میں اور آپ ان کو اپنے پروردگار کی طرف بلاتے رہئے بیشک آپ ہی سیدھے راستے پر ہیں۔

حج میں اسلام کا اصلاحی کردار

اسلام نے گذشتہ تین ارکان کی طرح حج میں بھی اپنا اصلاحی و تجدیدی کارنامہ انجام دیا ہے، اہل جاہلیت نے حج میں بہت سی جاہلی عادات اور بہت سی بے اساس رسمیں اور بدعتیں شامل کر دی تھیں، جو حج میں کھلی ہوئی تحریف تھی، اس نے حج کے فوائد و مقاصد کو بیحد نقصان پہونچایا، جاہلی حمیت، قبائلی نخوت، قریش کا فخر و تکبر اور امتیازی برتاؤ ان تحریفات و اضافات کا سب سے بڑا محرک تھا، قرآن مجید اور شریعت اسلامی نے اس بدعت و تحریف کا خاتمہ کیا ایک ایک بدعت کی بیخ کنی کی، اور جاہلیت کی ایک ایک خصوصیت اور ایک ایک نشان کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور اس سے بہتر چیز عطا کی۔

جاہلیت میں قریش حاجیوں کے ساتھ عرفات نہیں جاتے تھے بلکہ حرم ہی میں رُکے رہتے تھے، وہ کہتے تھے کہ ہم اہل اللہ میں سے ہیں اور بیت اللہ کے محافظ و مجاور ہیں، ان کا منشا یہ تھا کہ وہ بقیہ لوگوں سے ممتاز رہیں، اپنی پوزیشن اور حیثیت اور جو امتیاز و فوقیت ان کے خیال میں ان کو حاصل تھی، اس کو برقرار رکھ سکیں، اللہ تعالیٰ نے اس جاہلی اور نسلی امتیاز کو ختم کیا اور ان کو حکم دیا کہ

www.abulhasanalinadwi.org

جس طرح اور لوگ کرتے ہیں، وہی وہ بھی کریں اور عرفات میں قیام کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ،	ہاں تو تم وہاں جا کر واپس آؤ جہاں سے لوگ واپس
(سورۂ بقرہ۔۱۹۹)	آتے ہیں۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ قریش اور وہ لوگ جو ان کے طریقہ پر تھے مزدلفہ میں ٹھہرتے تھے اور ان کو "حُمس" کہا جاتا تھا، بقیہ سب عرب عرفات میں قیام کرتے تھے، جب اسلام آیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو حکم دیا کہ عرفات جائیں اور وہاں قیام بھی کریں، پھر سب کے ساتھ وہاں سے واپس ہوں اور یہی اللہ تعالیٰ کا قول ہے (من حیث افاض الناس) ابن کثیر، ابن عباس، مجاہد، عطاء، قتادہ، سُدّی اور دوسرے اکابر کا یہی خیال ہے، ابن جریر سے بھی یہی مروی ہے اور سب کا اس پر اجماع ہے۔

عہدِ جاہلیت میں حج کا موسم ایک دوسرے پر فخر کرنے اور مناظرہ و مقابلہ کا اسٹیج بن گیا تھا، جس طرح "عُکاظ" "ذوالمجنۃ" اور "ذوالمجاز" کے بازار اور میلے تھے، اہلِ جاہلیت ہر ایسی تقریب اور ایسے موقع کی تلاش میں رہتے تھے جہاں قبائل کو جمع ہو کر قصیدہ خوانی اور لن ترانی کا موقع مل سکے اور اپنے آباء و اجداد کے کارنامے بڑھ چڑھ کر بیان کئے جائیں، "منیٰ کا اجتماع" اس جاہلی جذبہ کی تسکین کا بہترین ذریعہ تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو منع فرمایا اور اس کا بہترین بدل عنایت فرمایا، ارشاد ہوا۔

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ	پھر جب تم اپنے مناسک ادا کر چکے ہو، تو اللہ کی
كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا	یاد کرو، اپنے باپ دادوں کی یاد کی طرح، بلکہ
(سورۂ بقرہ۔۲۰۰)	یہ یاد اس سے بھی بڑھ کر ہو۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ "اہلِ جاہلیت حج کے موسم میں ایک دوسرے سے مفاخرت

www.abulhasanalinadwi.org

کرتے تھے، کوئی یہ کہتا تھا کہ میرے باپ اس طرح کھلاتے پلاتے تھے، اور اس طرح دوسروں کا بوجھ اٹھاتے تھے، اور دوسروں کی طرف سے خوں بہادے دیتے تھے، اپنے آباو اجداد کے کارناموں کی توصیف کے سوا ان کا کوئی کام نہ تھا، اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا"[1]

حج نے مرورِ زمانہ کی وجہ سے اپنا تقدس، پاکیزگی اور سادگی و صفائی بڑی حد تک کھو دی تھی، اور جاہلیت کے میلوں کی طرح ایک میلہ بن کر رہ گیا تھا، جس میں ہر طرح کی تفریح کھیل، تماشے اور لڑائی جھگڑے ہونے لگے تھے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کی مذمت فرمائی اور ارشاد ہوا۔

فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ — تو پھر حج میں نہ کوئی فحش بات ہونے پائے اور نہ کوئی بے حکمی اور نہ کوئی جھگڑا۔ (سورہ بقرہ۔۱۹۷)

ابن کثیر کہتے ہیں کہ عبداللہ بن وہب نے بیان کیا وہ کہتے ہیں مالک نے کہا کہ "اللہ تعالیٰ کا یہ قول "وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ" یہ تھا کہ قریش مزدلفہ میں مشعر حرام کے پاس قیام کرتے تھے، اور ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے تھے، ایک گروہ کہتا تھا ہم حق پر ہیں، دوسرا کہتا تھا، ہم حق پر ہیں، ہمارے خیال میں یہی بات تھی، باقی صحیح علم اللہ کو ہے" محمد بن کعبؒ کہتے ہیں کہ قریش جب منیٰ میں جمع ہوتے تھے تو ایک دوسرے سے کہتا تھا کہ ہمارا حج تم سے زیادہ مکمل ہوا، دوسرے لوگ بھی اسی طرح جواب دیتے تھے:

اسی طرح عہدِ جاہلیت میں عرب جب اپنے معبودوں کے لئے قربانیاں کرتے تھے تو گوشت ان معبودوں کے سامنے رکھ دیتے تھے اور خون ان کے اوپر چھڑک دیتے تھے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی:۔

لَنْ يَنَالَ اللّٰهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا — اللہ تک نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون۔ (سورۂ حج۔۳۷)

---

[1] سورۂ بقرہ۔۲۰۰

www.abulhasanalinadwi.org

ابن کثیر ابن حاتم سے روایت کرتے ہیں، وہ علی بن الحسین سے، وہ محمد ابن ابی حماد سے، وہ ابراہیم بن المختار سے، وہ ابن جُریج سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اہل جاہلیت اونٹوں کا خون اور گوشت بیت اللہ پر ڈال دیا کرتے تھے، صحابۂ کرام نے یہ دیکھ کر حضورؐ سے عرض کیا کہ ہم اس کے زیادہ حق دار ہیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا	اللہ تک نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون
وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (الحج - ۳۷)	البتہ اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

عہدِ جاہلیت میں ایک رواج یہ تھا کہ جب حج کی نیت کر لیتے تھے، تو گھروں میں دروازہ سے ہرگز داخل نہیں ہوتے تھے، اور اس کو بہت بڑا گناہ اور حج کو مجروح کرنے کے مرادف سمجھتے تھے، جب تک حالتِ احرام میں رہتے پیچھے سے دیوار پھاند کر گھر آتے، اللہ تعالیٰ نے اس کی بھی نفی فرمائی اور فرمایا کہ ایسا کرنا کوئی نیکی کا کام نہیں ہے۔

لَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا	یہ تو (کوئی بھی) نیکی نہیں کہ تم گھروں میں ان کی پشت
وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ	کی طرف سے آؤ، البتہ نیکی یہ ہے کہ کوئی شخص تقویٰ
اَبْوَابِهَا (سورۂ بقرہ - ۱۸۹)	اختیار کرے اور گھروں میں ان کے دروازوں ہی
	سے آؤ۔

بخاری میں عبید اللہ بن موسیٰ سے روایت ہے، وہ اسرائیل سے وہ ابو اسحٰق سے وہ براء سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اہلِ جاہلیت جب احرام میں ہوتے تو گھر کے پیچھے سے داخل ہوتے تھے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

لَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا	یہ تو (کوئی بھی) نیکی نہیں ہے کہ تم گھروں میں
وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ	ان کی پشت کی طرف سے آؤ، البتہ نیکی یہ ہے کہ

www.abulhasanalinadwi.org

اَبْوَابِهَا (سورۂ بقرہ - ۱۸۹) کوئی شخص تقویٰ اختیار کرے، اور گھروں میں ان کے دروازوں ہی سے آؤ۔

ابوداؤد طیالسی نے شعبہ ابواسحٰق براء سے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "انصار میں سے کوئی شخص جب سفر سے واپس آتا تو گھر میں دروازہ سے داخل نہ ہوتا تھا اس پر یہ آیت اتری"۔

ایک رواج یہ تھا کہ بعض لوگ حج کے لئے زادِ سفر کا انتظام کرنا اور اپنے ساتھ سامان لے جانا گناہ سمجھتے تھے، وہ توکل کا مظاہرہ کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ ہم اللہ کے مہمان ہیں اس لئے ہم کو زادِ سفر و راحلہ کی کیا ضرورت؟ البتہ سوال کرنے اور بھیک مانگ کر اپنی ضرورت پوری کرنے میں ان کو کوئی عار نہ ہوتا تھا، بلکہ اس کو وہ اللہ تعالیٰ کے راستہ کا ایک مجاہدہ سمجھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی منع فرمایا اور ارشاد ہوا۔

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى، (سورۂ بقرہ - ۱۹۷) اور زادِ راہ لے لیا کرو اور بہترین زادِ راہ تو تقویٰ ہے۔

ابن کثیر عوفی سے روایت کرتے ہیں، وہ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ کچھ لوگ اپنے گھر سے اس حالت میں نکلتے کہ ان کے ساتھ کچھ بھی نہ ہوتا اور یہ کہتے کہ ہم بیت اللہ کا حج کرتے ہیں، کیا اللہ ہمیں نہ کھلائے گا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (تَزَوَّدُوْا) یعنی اتنا ضرور اپنے ساتھ رکھو جس سے کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے"۔

بخاری میں ہے کہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ "اہلِ یمن حج کے لئے جاتے تھے تو اپنے ساتھ زادِ سفر نہ لیتے تھے، اور کہتے تھے ہم متوکلین میں سے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی "وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى"۔

اسی طرح اہلِ جاہلیت اس موسم میں تجارت کرنا بھی گناہ سمجھتے تھے، اور ایک حلال چیز کو

www.abulhasanalinadwi.org

حرام سمجھ بیٹھے تھے، بخاری میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ عکاظ، ذوالمجنہ اور ذوالمجاز جاہلیت کے مشہور بازار تھے، لیکن حج کے موسم میں تجارت جرم تھی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ (سورۂ بقرہ۔۱۹۸)

تمہیں اس باب میں کوئی مضائقہ نہیں کہ تم اپنے پروردگار کے ہاں سے تلاش معاش کرو۔

مجاہد ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ اہل عرب حج کے ایام میں بیع وشرا اور تجارت وکاروبار سے پرہیز کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ یہ ذکر الٰہی کے دن ہیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی "لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ"

ایک بہت بُرا رواج یہ تھا کہ بیت اللہ کا طواف بعض لوگ برہنہ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم ان کپڑوں میں طواف نہیں کرتے جن میں ہم معصیت کرتے ہیں، یہ فساد عظیم کا دروازہ اور خالص جاہلی عادت تھی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (سورۂ اعراف۔۳۱)

اے اولاد آدم ہر نماز کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو۔

مسلم اور نسائی میں ابن جریر سے روایت ہے وہ اپنے الفاظ میں ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ اہل جاہلیت کعبہ کا طواف برہنہ ہو کر کرتے تھے، مرد دن میں، عورتیں رات میں، عورتیں یہ شعر پڑھتی تھیں۔

اليوم يبدو بعضه او كله

وما بدا منه فلا احله

اس پر یہ آیت نازل ہوئی "خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ"

www.abulhasanalinadwi.org

عوفی ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ (خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ) کا مطلب یہ ہے کہ کچھ لوگ کعبہ کا طواف عریانی کی حالت میں کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو زینت کا حکم دیا، زینت وہ لباس ہے جو جسم کے قابل ستر حصوں کو چھپائے اور اس سے خوش پوشاکی بھی نمایاں ہو۔ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ مجاہد، عطاء، ابراہیم نخعی، سعید بن جبیر، قتادہ، سدی، ضحاک، مالک اور زہری نے اس آیت کی تفسیر میں یہی مسلک اختیار کیا ہے اور ان سب کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت مشرکین کے ان طبقوں کے لئے نازل ہوئی جو کعبہ کا طواف برہنہ کرتے تھے۔

اس کے ساتھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عملی طور پر اس کو ختم فرمایا اور حجۃ الوداع سے ایک سال قبل حضرت ابوبکرؓ کو وہاں بھیجا کہ وہ اس بات کا اعلان کریں کہ کوئی برہنہ شخص کعبہ کا طواف نہ کرے۔

بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حجۃ الوداع سے ایک سال قبل جس وفد پر حضرت ابوبکرؓ کو آپؐ نے امیر بنا کر بھیجا اس کو یہ ہدایت کر دی کہ قربانی کے روز یہ اعلان کر دے کہ اس سال کے بعد اب کوئی مشرک حج نہ کرے اور کوئی برہنہ شخص بیت اللہ کا طواف نہ کرے[1]۔

بعض اہلِ جاہلیت کا عقیدہ یہ تھا کہ صفا و مروہ کا طواف نہ کرنا چاہئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ	صفا و مروہ بیشک اللہ کی یادگاروں میں سے
فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ	ہیں، سو جو کوئی بیت (اللہ) کا حج کرے یا

[1] صحیح بخاری کتاب "باب حج ابی بکر رضی اللہ عنہ بالناس"

www.abulhasanalinadwi.org

عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۔ عمرہ کرے اس پر (ذرا بھی) گناہ نہیں کہ

(سورۂ بقرہ۔۱۵۸) ان دونوں کے درمیان آمد و رفت

کرے۔

عروہؒ حضرت عائشہ رضؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضؓ نے ایک مرتبہ ان سے پوچھا کہ آیت "اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا" کا مطلب کیا ہے؟ میں نے کہا کہ اس کا مطلب یہی ہے کہ جو ان کا طواف کرے اس پر کوئی گناہ نہیں، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میرے بھانجے! تم نے بالکل غلط کہا، اگر اس کو اس مفہوم پر محمول کیا جائے جو تم کہہ رہے ہو تو آیت کو اس طرح ہونا چاہئے تھا "فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ لَّا يَطَّوَّفَ بِهِمَا" یہ آیت اس طرح نازل ہوئی کہ انصار اسلام سے پہلے اس (مناۃ) کے لئے تہلیل کرتے تھے، جو (مشلل) کے پاس واقع ہے جو اس کی تہلیل کرتا تھا صفا و مروہ کے طواف کو بُرا سمجھتا تھا، پھر انھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارہ میں دریافت کیا اور کہا ہم جاہلیت میں صفا و مروہ کا طواف کرنا برا سمجھتے تھے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی "اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا" حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے طواف کی سنت جاری فرمائی اب کوئی اس کو ترک نہیں کر سکتا" (صحیحین) امام بخاری محمد بن یوسف سے وہ سفیان سے وہ عاصم بن سلیمان سے روایت کرتے ہیں کہ "میں نے انسؓ سے صفا و مروہ کے بارہ میں دریافت کیا انھوں نے جواب دیا کہ ہم اس کو پہلے جاہلیت کی نشانیوں میں سمجھتے تھے، جب اسلام آیا تو ہم نے اس کو جاہلیت کی بات سمجھ کر ترک کر دیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی "اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ"۔

www.abulhasanalinadwi.org

شریعت اسلامی نے ان دور رس اور اہم اصلاحات کے ذریعہ اس عظیم رکن کو وہ ابراہیمی اصل اور حقیقی و پاکیزہ شکل در حقیقت دوبارہ عطا کی ہے جو ہر قسم کی تاویل و تحریف، آمیزش، ملاوٹ اور فریب کی دسترس سے دُور اور ہر طرح مکمل اور محفوظ ہے۔[1]

---

[1] حج کی اسلامی اصلاحات کے باب میں "سیرۃ النبیؐ" جلد پنجم سے استفادہ کیا گیا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

INDEX

اشاریہ

"ارکانِ اربعہ"

مرتبہ

محمد غیاث الدین ندوی

www.abulhasanalinadwi.org

اشخاص

الف

(سیدنا حضرت) ابراہیمؑ ۵۰، ۵۱، ۹۳، ۱۰۶، ۱۱۰، ۱۲۳
۲۹۱، ۲۹۳، ۲۹۹، ۳۰۱، ۳۰۷، ۳۰۲-۳۲۴، ۳۰۹
۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۲۹، ۳۳۶، ۳۵۱

(سیدنا حضرت) آدمؑ ۳۲، ۷۸، ۲۰۷، ۲۶۵، ۳۵۷

(سیدنا حضرت) اسحاقؑ ۹۳

(سیدنا حضرت) اسماعیلؑ ۵۰، ۱۷۶، ۲۴۱، ۳۱۱، ۳۱۳

ابراہیم بن المختار ۳۵۵

ابراہیم نخعی ۳۵۸

(شیخ الاسلام) ابن تیمیہؒ ۱۱۰، ۱۱۴
۲۱۴، ۲۹۱

(حضرت) ابن ام مکتومؓ ۲۷۳

ابن بطال ۱۳۸

ابن جریج ۳۵۵

ابن جریر ۳۵۳، ۳۵۷

(علامہ) ابن جوزی ۱۱۵، ۱۲۵، ۲۰۹

ابن حاتم ۳۵۵

(علامہ) ابن حجر عسقلانی ۱۱۸، ۲۴۷

ابن الخطاب ← ملاحظہ ہو ← عمرؓ

ابن خزیمہ ۱۳۸

(حضرت) ابن ربیعہ بن الحارث ۱۹۰

(علامہ) ابن رجب حنبلی ۱۱۵

ابن شداد ۲۱۵

ابن شہاب ۲۶۸

(حضرت عبداللہ) ابن عباسؓ ۶۹، ۱۰۹، ۱۴۴، ۱۴۶
۱۴۸، ۲۴۶، ۲۴۴، ۲۵۰، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۶۱
۲۸۳، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۵۳، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸

(حضرت عبداللہ) ابن عمرؓ ۹۱، ۱۰۷، ۱۰۹، ۱۳۸
۱۹۳، ۲۱۰، ۲۷۳، ۲۷۷، ۳۳۶

ابن القاسمی ۱۱۵

(علامہ) ابن القیم ۶۸، ۸۵، ۸۸، ۸۹، ۱۰۹
۱۱۱، ۱۱۴، ۱۱۵، ۲۲۳، ۲۵۳، ۲۷۵

ابن کثیر ۵۴، ۱۱۵، ۱۳۸، ۳۳۸، ۳۵۳، ۳۵۴
۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۸

www.abulhasanalinadwi.org

(امام) ابن ماجہ ۱۴۱، ۲۰۲
ابن مزدویہ ۲۴۹
(علامہ) ابن منظور ۲۴۵، ۲۵۴
ابن النجار ۱۱۵
(علامہ) ابن الہمام ۲۰۰
(حضرت) ابو اسحاقؒ ۲۵۵، ۳۵۵، ۳۵۶
(حضرت) ابو امامہؓ ۲۰۳
(حضرت) ابو بکرؓ ۷۰، ۸۱، ۱۲۰، ۱۲۵، ۱۲۷، ۱۲۶، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۱، ۲۰۸، ۳۵۸
(قاضی) ابو بکر ابن العربی ۱۴۴، ۱۴۶، ۱۸۹
(امام) ابو بکر جصاص ۱۴۴، ۱۸۹، ۱۹۹
(مولانا) ابو الجلال ندوی ۲۵۲
(مولانا) ابو الحسن علی ندوی ۱۸
(حضرت) ابو حمزہؓ ۔۔۔ خادم ہو حضرت انسؓ
(امام) ابو حنیفہؒ ۸۷، ۱۴۴
(علامہ) ابو حیان اندلسی ۱۶۰
(امام) ابو داؤد ۳۸، ۴۶، ۶۳، ۸۹
ابو داؤد طیالسی ۳۵۶
(حضرت) ابو الدرداءؓ ۴۶
(حضرت) ابو ذر غفاریؓ ۱۰۹
(حضرت) ابو رافعؓ ۱۸۹
ابو الریحان بیرونی ۲۴۴، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۹، ۲۵۰
(حضرت) ابو سعید خدریؓ ۲۰۶، ۲۸۲، ۳۴۸، ۳۴۹
(حضرت) ابو سفیانؓ ۱۴۱
(حضرت) ابو سلمہؓ ۱۳۷
(حضرت) ابو عبیدہ بن الجراحؓ ۶۹، ۲۶۷
(حضرت) ابو عمیر بن انسؓ ۷۴
(حضرت) ابو طلحہؓ ۱۳۹
(حضرت) ابو فراس ربیعہ ابن کعب الاسلمیؓ ۱۱۷
ابو المظفر ۱۱۵
(حضرت شاہ) ابو المعانی انبیٹھوی ۲۱۳
(حضرت) ابو موسیٰ اشعریؓ ۲۴۸
(حضرت) ابو ہریرہ ۲۱، ۲۷، ۶۹، ۷۶، ۸۱، ۱۹۱، ۱۰۹، ۱۱۶، ۱۳۹، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۶۶، ۱۸۹، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۵، ۱۹۶، ۲۵۵، ۲۶۲، ۲۶۵، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۶، ۲۷۹، ۲۸۲، ۳۲۰، ۳۳۳، ۳۴۱، ۳۴۸، ۳۵۸
(امام) ابو یوسف ۸۷، ۱۵۸، ۲۰۰

www.abulhasanalinadwi.org

(حضرت) ابی بشرؓ ـــــــ ۲۴۴

(حضرت سید) احمد شہیدؒ ـــــــ ۷۱، ۱۱۴

(امام) احمدؒ ـــــــ ۴۴، ۱۶۶

احمد بن خزیمہ ـــــــ ۱۴۱

("نبی") ارمیا ـــــــ ۹۳

ازہری ـــــــ ۲۴۵

(محمد) اسد ـــــــ ۲۱۷

(حضرت) اسرائیلؓ ـــــــ ۳۵۵

اسکندر ـــــــ ۲۴۵، ۲۴۶

(مولانا) اسمٰعیل شہیدؒ ـــــــ ۱۹۴

اسود عنسی ـــــــ ۱۹۶

اُشَوَدات ـــــــ ۱۷۱

اشوک (شہنشاہ) ـــــــ ۱۷۱

(علامہ) اقبال ـــــــ ۶۷

(خواجہ) اقبال (خادم حضرت نظام الدین) ـــــــ ۲۱۳

الزبیتھ ـــــــ ۲۴۰

(علامہ) آلوسی ـــــــ ۱۰۵

(حضرت) ام حبیبہؓ ـــــــ ۱۰۸

(حضرت) ام سلمہؓ ـــــــ ۳۴۸

(حضرت) انس ابن مالکؓ ـــــــ ۴۶، ۷۹، ۸۳، ۸۹
۱۰۹، ۱۲۰، ۲۴۶، ۲۵۵، ۲۷۳، ۳۵۹

(مولانا) انور شاہ کشمیری ـــــــ ۲۵۶

ایڈورڈ شِشم ـــــــ ۲۴۰

ایرینس ـــــــ ۲۳۹

(ب)

(علامہ) الباجی ـــــــ ۵۴

(علامہ عبد العلی) بحر العلوم ـــــــ ۸۷، ۱۱۱، ۱۵۰

(امام) بخاریؒ ـــــــ ۳۳، ۳۸، ۱۰۹، ۱۵۴
۱۸۹، ۱۹۲، ۲۱۰، ۲۴۴، ۲۴۸، ۲۵۵، ۲۶۶
۲۷۳، ۲۸۲، ۳۵۳، ۳۵۹

(حضرت) براءؓ ـــــــ ۳۵۵، ۳۵۶

(حضرت) بریدہؓ ـــــــ ۳۹، ۱۰۸، ۱۶۵

بستانی ـــــــ ۲۴۹، ۲۵۰

(حضرت) بلالؓ ـــــــ ۴۵، ۷۴، ۱۱۷، ۲۷۳

بودھ (بانی بدھ مت) ـــــــ ۱۷۰، ۱۷۱

بیرونی ـــــــ ملاحظہ ہو ـــــــ ابوالریحان

(پ)

پال ـــــــ دیکھئے ـــــــ سینٹ پال

www.abulhasanalinadwi.org

پطرس ـــــــ ۹۷

پولس ـــــــ ۹۷

ت

(امام) ترمذیؒ ـــــــ ۳۸

(مولوی) تقی الدین ندوی ـــــــ ۱۷

ج

(حضرت) جابر بن سمرہؓ ـــــــ ۸۵، ۸۶

(حضرت) جابر بن عبداللہؓ ـــــــ ۳۹، ۴۷، ۱۰۹، ۱۹۰

(حضرت) جبریلؑ ـــــــ ۱۶۶، ۲۶۱

(امام) جصاص ـــــــ ملاحظہ ہو ـــــــ ابوبکر

(حضرت) جعفر بن ابی طالبؓ ـــــــ ۱۴۰

جیمس اول ـــــــ ۲۴۰

جین (بانی جین دھرم) ـــــــ ۱۷۰، ۱۷۱

ح

(حضرت) حارثؓ ـــــــ ۲۵۵

حافظ ابن فضل اللہ العمری ـــــــ ۲۱۴، ۲۱۵

(امام) حاکم ـــــــ ۱۴۱

حجاج ـــــــ ۲۵۵

(حضرت) حذیفہؓ ـــــــ ۴۶

(حضرت امام) حسنؓ ـــــــ ۱۳۸، ۱۸۹، ۲۱۰

(امام) حسن بصریؒ ـــــــ ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۲۵، ۲۱۰

(سید) حسین کرمانی ـــــــ ۲۱۳

(حضرت) حفصہؓ ـــــــ ۱۰۷

خ

(حضرت) خارجہ ابن حذیفہؓ ـــــــ ۱۰۸

(حضرت) خالد الحذاءؓ ـــــــ ۲۵۵

(حضرت) خبیبؓ ـــــــ ۱۰۹

(علامہ) خطابی ـــــــ ۱۹۵، ۱۹۷

ر

(ڈاکٹر) رادھا کرشنن ـــــــ ۱۰۱

(علامہ) راغب اصفہانی ـــــــ ۲۵۴

(حضرت) ربعی بن عامرؓ ـــــــ ۵۴

(حضرت) ربیع بن انسؓ ـــــــ ۱۳۸

رستم (ایرانی سپہ سالار) ـــــــ ۵۴

(سید) رشید رضا ـــــــ ۲۵۶

روح القدس ـــــــ ۹۷، ۹۸، ۲۷۶

(نواب) روشن الدولہ ـــــــ ۲۱۳، ۲۱۴

www.abulhasanalinadwi.org

ز

(امام) زہری ۳۵۸

(حضرت) زیاد بن حجر ۴۶

(حضرت) زید بن ثابتؓ ۲۷۳

(حضرت) زید بن خالد الجہنیؓ ۲۶۸

(حضرت) زید بن علی ۱۴۴

(حضرت) زین العابدین دیکھئے علی بن حسینؓ

س

(حضرت) سالمؒ ۱۳۸

سدی ۳۵۳، ۳۵۸

(حضرت) سعد بن معاذؓ ۵۴، ۱۳۷، ۱۳۸

(حضرت) سعید بن جبیرؒ ۱۳۸، ۲۵۵، ۳۵۸

(ڈاکٹر) سعید رمضان ۱۶

(محمد) سعید افریقی ۱۷

(حضرت سید محمد) سعید انبالوی (سید میراں بھیک) ۲۱۳

(حضرت) سفیانؒ ۳۵۹

سلطان المشائخ دیکھئے نظام الدین

(حضرت) سلمان فارسیؓ ۲۶۸

(مولانا سید) سلیمان ندوی ۳۶، ۱۷۵، ۱۹۲، ۲۳۶، ۲۵۶، ۲۸۳

سندباد جہازی ۱۶۴

(حضرت) سہل بن سعدؓ ۲۶۶، ۲۷۲

(حضرت) سہیل بن سعدؓ ۲۷۳

سینٹ پال ۱۸۵، ۱۸۶، ۲۳۹، ۳۴۶

سینٹ پیٹر ۳۴۶

سینٹ جان ۱۸۷

سینٹ جیمس ۱۸۷

ش

(امام) شافعیؒ ۸۷، ۱۴۴

شاکیہ منی ۱۷۰

(پروفیسر) شاہد علی ۱۷

(حضرت) شرحبیل بن مسلمؓ ۲۰۹

(مخدوم شیخ) شرف الدین یحییٰ منیری بہاری ۴۳

(حضرت) شعبہؒ ۳۵۶

(حضرت) شعیبؑ ۷۳

شلادتیہ (ہرش اردھن) ۱۷۱

(مولانا) شمس الحق ڈیانوی ۲۵۶

شنکراچاریہ ۱۰۵، ۱۰۶

(شیخ) شہاب الدین سہروردی ۱۱۴

www.abulhasanalinadwi.org

شیخین ـــــ ملاحظہ ہو ـــــ امام بخاری و مسلم

شیطان ـ ابلیس ـــ ۵۷، ۱۲۰، ۱۶۴، ۱۸۴، ۲۲۹، ۲۳۶

۲۳۲، ۲۶۳، ۲۷۱، ۲۷۸، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۳

۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۲۴، ۳۲۶

ص

(سلطان) صلاح الدین ایوبی ـــــ ۲۱۵، ۳۴۴

(حضرت) صہیب رومیؓ ـــــ ۱۳۷

ض

(امام) ضحاک ـــــ ۳۵۸

(حضرت) ضرار بن ضمرہؓ ـــــ ۲۰۹

(حضرت) ضمام بن ثعلبہؓ ـــــ ۱۴۱، ۱۹۲

ط

(امام) طبرانی ـــــ ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۴۴

(امام) طحاوی ـــــ ۲۵۵

ظ

(مفتی) ظہور ندوی ـــــ ۱۷

ع

(حضرت) عاصم بن سلیمانؒ ـــــ ۳۵۹

(حضرت) عائشہؓ ـــ ۸۰، ۱۰۸، ۱۱۳، ۱۲۰، ۱۲۵، ۱۵۵

۱۶۱، ۲۰۲، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۹، ۲۵۱، ۲۶۸، ۲۷۷

۳۰۴، ۳۳۱، ۳۳۳، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۵۳، ۳۵۹

(حضرت) عبادہ بن صامتؓ ـــــ ۳۸

(حضرت) عباسؓ ـــــ ۱۹۰، ۲۰۲

(مولانا) عبدالباری ندوی ـــــ ۲۲۸

(حضرت) عبدالرحمن بن عوفؓ ـــــ ۱۳۷

(خواجہ) عبدالرحیم ـــــ ۲۱۳

(حضرت شیخ) عبدالقادر جیلانیؒ ـــــ ۱۱۴، ۲۱۲

عبدالقیس ـــــ ۱۴۱

(حضرت) عبداللہ بن عباسؓ دیکھئے ـــــ ابن عباسؓ

(حضرت) عبداللہ ابن عمرؓ ـــــ ملاحظہ ہو ـــــ ابن عمرؓ

(حضرت) عبداللہ بن جعفرؓ ـــــ ۲۱۰

(حضرت) عبداللہ بن زید انصاریؓ ـــــ ۷۴

(حضرت) عبداللہ بن شدادؓ ـــــ ۱۲۵

(حضرت) عبداللہ بن شخیرؓ ـــــ ۶۳

(حضرت) عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ ـــــ ۲۶۷

(حضرت) عبداللہ بن مسعودؓ ـــ ۷۹، ۸۱، ۱۰۹، ۳۲۳

(حضرت) عبداللہ بن وہب ـــــ ۳۵۴

(نواب) عبداللہ خاں ـــــ ۲۱۴

www.abulhasanalinadwi.org

(مولانا) عبدالماجد دریابادی ـــــ ۱۸

(حضرت) عبیداللہ بن موسیٰ ـــــ ۳۵۵

(حضرت) عثمان بن عفانؓ ۱۱۹، ۱۳۷، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۹

عزیٰ ـــــ ۹۵

(حضرت) عروہؓ ـــــ ۲۶۸، ۳۵۹

(شیخ الاسلام) عزالدین بن عبدالسلام ـــــ ۵۴، ۵۵

(حضرت) عطاءؒ ـــــ ۱۳۸، ۲۵۵، ۳۵۳، ۳۵۸

عطاخراسانی ـــــ ۱۳۸

(حضرت) عقبہ بن الحارثؓ ـــــ ۲۰۵

(حضرت) عقبہ بن عامرؓ ـــــ ۱۱۹

(حضرت) عکرمہ بن جہلؓ ـــــ ۱۲۱، ۱۳۸، ۲۵۵

(علامہ) علاءالدین ابوبکر الکاسانی ـــــ ۱۹۹

(حضرت) علقمہ بن وقاصؒ ـــــ ۱۲۵

(سیدنا) علی مرتضیٰؓ ۱۸۷، ۱۹۰، ۱۹۶، ۲۰۹، ۲۵۵، ۳۳۲

(مولوی) علی آدم افریقی ـــــ ۱۷

(حضرت) علی بن حسینؒ ـــــ ۲۱۰، ۲۱۱، ۳۵۵

(حضرت) عمار بن یاسرؓ ـــــ ۱۱۹

(حضرت) عمر بن الخطاب ۱۵، ۷۴، ۱۰۹، ۱۲۰، ۱۲۵، ۱۹۵، ۱۹۷، ۱۹۹، ۲۰۴، ۲۰۸، ۲۴۹، ۳۳۱

(حضرت) عمرو بن العاصؓ ـــــ ۶۳، ۱۲۱، ۲۷۳

(علامہ) عوفی ـــــ ۳۵۶، ۳۵۸

(حضرت) عیسیٰؑ ـــــ ۹۳، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۷، ۲۳۸، ۲۴۰، ۳۴۵، ۳۴۶

غ

(امام) غزالی ـــــ ۲۲۳، ۲۷۰، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۷، ۳۰۲

غیاث الدین ندوی ـــــ ۱۷

ف

(حضرت) فاطمہ بنت قیسؓ ـــــ ۲۰۱

(شاہ) فرخ سیر ـــــ ۲۱۴

فرشتہ ـ ملائکہ ـــــ ۹۱، ۹۵، ۱۵۴، ۲۰۲، ۲۲۴، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۷۶، ۲۷۸، ۲۸۹، ۳۰۳، ۳۱۰

فرعون ـــــ ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۹، ۲۵۰

(حضرت) فضالہؓ ـــــ ۱۲۱

ق

(حضرت مولانا محمد) قاسم نانوتویؒ ـــــ ۷۰

القاسم ـــــ ۱۳۸

قاضی عیاض ـــــ ۳۰۴

قاضی فاضل ـــــ ۲۱۵

www.abulhasanalinadwi.org

قتادہ ۱۳۸، ۳۵۳، ۳۵۸

قسطلانی ۱۱۱

(نواب) قطب الدین خاں دہلوی ۱۹۲

(شیخ) قطب الدین منور ۵۶

(حضرت) قیس بن عبادہؓ ۱۴۱

(حضرت) قیس بن مسلمؒ ۲۴۸

قیصر ۲۰۴

(ک)

کرشن ۱۰۱

(حضرت) کریب بن سعدؒ ۲۴۹

کسریٰ ۲۰۴

(گ)

گاندھی جی ۲۴۱

گولڈزیہر ۹۴

(ل)

لوقا ۱۸۴

لیث (عرب شاعر) ۲۵۴

لیکی ۲۳۰

(م)

(سیدنا ونبینا حضرت) محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ۱۲، ۲۷-۳۶، ۴۷-۴۵، ۵۶-۵۹، ۶۳، ۷۰، ۶۵ ۷۴، ۸۱-۷۶، ۸۳، ۸۵، ۹۱-۸۹، ۹-۱۰۷ ۱۳-۱۱۱، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۲۱-۱۱۹، ۱۲۴، ۱۳۳-۱۳۷ ۱۴۶، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۷، ۱۶۱، ۱۶۵ ۱۶۶، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۵-۱۹۲، ۱۹۹، ۲۰۱، ۲۰۳، ۲۰۸ ۲۱۰، ۲۱۴، ۲۱۶، ۲۱۸، ۲۲۱، ۲۳۴، ۲۴۹-۲۴۴ ۲۵۱، ۲۵۳، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۵، ۲۶۹-۲۶۷ ۲۷۴-۲۷۲، ۲۷۸-۲۷۶، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۹۸، ۳۰۳ ۳۰۵، ۳۱۱، ۳۲۰، ۳۱۸، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۴۸-۳۴۵ ۳۴۱، ۳۴۹-۳۴۷، ۳۵۵، ۳۵۸، ۳۵۹

(امام) مالک بن انسؒ ۱۲۶، ۳۲۴، ۳۵۴

(امام) مالکؒ ۱۴۴

مالک بن نویرہ ۱۹۷

(امام) مجاہد ۱۳۸، ۲۵۵، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۸

(امام) ربانی) مجدد الف ثانیؒ ۱۱۴، ۲۶۱، ۲۷۵

(امام) محمد ۸۷

محمد بن ابی حماد ۳۵۵

www.abulhasanalinadwi.org

محمد بن اسحاق ـــــ ۲۱۱

(حضرت) محمد بن کعبؒ ـــــ ۱۳۸، ۳۵۴

(شیخ) محمد بن مبارک کرمانی ـــــ ۵۶

محمد بن نصر المروزی (محدث) ـــــ ۱۱۴

(حضرت) محمد بن یوسف ـــــ ۳۵۹

(سلطان) محمد تغلق ـــــ ۵۶

(مولوی) محمد الحسنی ـــــ ۱۸

(مفتی) محمد عبدہ ـــــ ۲۵۶

(مولانا) محمد منظور نعمانی ـــــ ۶۸

(حضرت) مریمؑ ـــــ ۹۳، ۹۷، ۹۸

(امام) مسلم ـــــ ۶۹، ۱۵۴، ۱۸۹، ۱۹۲، ۲۴۸، ۲۶۶، ۲۷۳، ۲۸۲

(حضرت) مسیحؑ ـــــ ملاحظہ ہو ـــــ حضرت عیسیٰؑ

المسیح الدجال ـــــ ۶۹

مسیلمہ کذاب ـــــ ۱۹۶

(ڈاکٹر) مصطفےٰ سباعی ـــــ ۲۱۱

(حضرت) مطرفؒ ـــــ ۱۲۴

(حضرت) معاذ بن جبلؓ ـــــ ۱۴۶

(حضرت) مغیرہ بن شعبہؓ ـــــ ۱۱۲

(مولانا سید) مناظر احسن گیلانی ـــــ ۱۰۶

منوّ (ہندو دھرم کا ترجمان) ـــــ ۱۶۸، ۱۶۹

(سیدنا حضرت) موسیٰؑ ـــــ ۳۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۸۰

(سید) میران بھیک ـــــ ملاحظہ ہو ـــــ سعید

(حضرت) میکائیلؑ ـــــ ۹۷

ن

(مولوی) نثار الحق ندوی ـــــ ۱۷

نجاشی ـــــ ۱۴۰

(الملک الصالح) نجم الدین ایوب ـــــ ۵۵

(مولوی) نذر الحفیظ ندوی ـــــ ۱۷

(امام) نسائی ـــــ ۱۴۱

(حضرت) نضرؓ ـــــ ۴۶

(حضرت) نظام الدین اولیاءؒ ـــــ ۲۱۲، ۲۱۳

(حضرت) نعمان بن بشیرؓ ـــــ ۸۳

(حضرت) نوحؑ ـــــ ۶۹

نورالدین ـــــ ۵۶

(امام) نوویؒ ـــــ ۳۰۴

و

(حضرت شاہ) ولی اللہ دہلویؒ ـــــ ۱۲، ۳۷، ۳۸، ۵۱، ۵۲، ۶۳، ۷۵، ۸۳، ۱۹۰، ۱۴۱، ۱۴۴، ۱۴۸، ۱۵۶، ۱۹۴، ۲۴۱

www.abulhasanalinadwi.org

۲۴۳، ۲۵۶، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۳، ۲۷۳، ۲۷۵، ۲۷۷
۲۹۴، ۳۰۲، ۳۰۴، ۳۲۲، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۹، ۱۵۱

ہ

(حضرت) ہاجرہؑ ۳۰۷
(حضرت) ہارونؑ ۱۷۷
(خلیفہ) ہارون رشید ۱۵۸
ہرقل ۱۱۳، ۱۴۱
ہمادری (ہندو دھرم کا ترجمان) ۱۷۰
ہوئن سیانگ (چینی سیاح) ۱۷۱

ی

(حضرت) یحییٰؑ ۲۹۰
(حضرت) یعقوبؑ ۹۳
یوحنّا ۹۷
(حضرت) یوسفؑ ۱۲۵

کتابیات

قرآن مجید

الف

(سنن) ابن ماجہ ۳۸، ۴۵، ۴۶، ۹۰، ۱۶۶، ۱۹۵، ۲۰۵، ۳۳۶
(سنن) ابی داؤد ۶۳، ۶۹، ۷۴، ۸۰، ۸۱، ۸۷، ۸۹، ۹۰، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۲۰، ۱۲۴، ۱۴۸، ۱۵۴، ۱۹۵، ۲۰۶، ۲۴۶، ۲۵۴، ۲۶۷، ۲۷۳، ۳۰۴، ۳۴۱
الآثار الباقیہ عن القرون الخالیہ ۲۴۴، ۲۴۶
احکام القرآن (ابن العربی) ۱۴۴، ۱۴۶، ۱۸۹، ۱۹۲
احکام القرآن (جصاص) ۱۴۴، ۱۸۹، ۱۹۲
احیاء العلوم ۲۱۰، ۲۳۳، ۲۷۱، ۲۹۴، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۲
اجبار ← ملاحظہ ہو ← سفر الاجبار
الأدب المفرد ۲۱۰
ازالۃ الخفا ۱۹۴
اشتراکیۃ الاسلام ۲۱۱
اصحاح ۲۵۰
الف لیلہ ۱۵۸
انجیل ۹۹، ۱۰۰، ۱۸۴
انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ۲۳۰
انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ۱۷۷، ۲۳۶
انسائیکلوپیڈیا مذاہب و اخلاق ۹۶، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۶۸، ۱۸۴، ۲۳۹، ۲۴۵

www.abulhasanalinadwi.org

اوسط طبرانی ـــــ ۱۶۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۶۸

(ب)

البحر المحیط ـــــ ۱۶۰

(صحیح) بخاری ۳۳، ۳۸، ۷۰، ۷۷، ۷۹، ۸۰، ۸۳
۹۱، ۱۱۲، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۵، ۱۴۶، ۱۹۳،
۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۷، ۲۴۴، ۲۵۵، ۲۶۶، ۲۶۷
۲۶۹، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۸۳، ۳۳۱، ۳۳۳
۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۸

البدائع والصنائع ـــــ ۲۰۰

البدایہ والنہایہ ـــــ ۵۴، ۱۱۵، ۲۰۹

البرہان ـــــ ۲۷۶

برہان (ماہنامہ) ـــــ ۱۸

البعث الاسلامی (ماہنامہ) ـــــ ۱۸

بیہقی ـــــ ۲۶۸

(ت)

تاج العروس ـــــ ۲۵۴

التاج المکلل ـــــ ۱۱۵

تاریخ دعوت وعزیمت سوم ـــــ ۴۴

تاریخ عمر بن الخطاب ـــــ ۱۲۵

ترجمہ مناجات مقبول ـــــ ۱۸

(جامع) ترمذی ـــ ۲۷، ۳۸، ۳۹، ۵۹، ۶۳، ۶۹، ۸۰
۹۱، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۹۵، ۲۰۱
۲۰۲، ۲۰۳، ۲۲۱، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۷۳، ۲۸۲، ۲۸۳

تفسیر ابن کثیر ـــــ ۱۰۵، ۱۸۲

تفسیر ماجدی ـــــ ۱۸

تفسیر المنار ـــــ ۲۵۶

تلمود ـــــ ۲۳۷

توریت ۹۲، ۹۳، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۸۳، ۲۱۲، ۲۴۵
۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۹، ۲۵۰

تأملات فی سورۃ الکہف ـــــ ۶۹

(ج)

جامع صحیح ـــــ ملاحظہ ہو ـــــ بخاری

جلاء الافہام فی الصلاۃ والسلام ـــــ ۶۸

جیوش انسائیکلوپیڈیا ـــــ ۹۵، ۹۶، ۲۵۰، ۳۴۳

(ح)

حجۃ اللہ البالغہ ۱۲، ۳۷، ۳۹، ۵۱، ۵۲، ۷۵، ۸۲، ۹۰
۱۴۲، ۱۴۵، ۱۴۸، ۱۵۰، ۱۵۷، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۴۳، ۲۶۰
۲۶۱، ۲۶۳، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۸۸، ۲۹۴، ۳۲۳

www.abulhasanalinadwi.org

۳۰۴، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۳۵، ۳۳۹، ۳۵۱

(خ د)

خروج ——— ۲۵۰

دارقطنی ——— ۲۵۵

(سنن) داری ——— ۲۰۲

دائرۃ المعارف (للبستانی) ——— ۲۴۹

دائرۃ المعارف مذاہب و اخلاق ملاحظہ ہو انسائیکلوپیڈیا

(ر)

رسائل الارکان ——— ۸۷، ۱۱۱، ۱۵۰

روح المعانی ——— ۱۰۵

(ز)

زاد المعاد ——— ۸۵، ۸۶، ۸۸، ۹۰، ۱۰۹، ۱۱۱، ۱۳۸، ۱۴۲

۱۴۴، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۵۳، ۲۷۵

(س)

سفر الاجبار ——— ۱۷۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۸۰

سفر تثنیہ ——— ۹۳

سفر الحذقیل ——— ۹۴

سفر مزامیر ——— ۹۳

(کتب) سنن ——— ۸۶

سیر الاولیاء ——— ۵۶، ۲۱۳

سیرت ابن ہشام ——— ۱۴۰

سیرۃ النبی ——— ۳۶، ۱۷۵، ۱۷۷، ۱۹۲، ۲۳۶، ۲۸۳

(ص)

صحیح بخاری ——— ملاحظہ ہو ——— بخاری

صحاح ستہ ——— ۷۸، ۸۱، ۹۱، ۱۰۸، ۱۴۶، ۱۵۴، ۱۹۵

۲۰۴، ۲۵۴، ۲۶۵، ۲۷۹، ۲۸۳، ۳۴۱

صحیحین ——— ۸۱، ۱۰۸، ۱۲۴، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۱، ۳۵۹

صدق جدید (ہفتہ وار) ——— ۱۸

الصراع بین الایمان والمادیۃ ——— ۶۹

صفوۃ الصفوہ ——— ۲۰۹

(ط)

طبرانی فی الاوسط ——— ۲۰۷

طبرانی فی الکبیر ——— ۴۶

طبقات الحنابلہ ——— ۱۱۵

طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ——— ۵۵

الطریق الی مکہ ——— ۲۱۷

(ع)

عمیداہ ——— ۹۴، ۹۵، ۹۶

www.abulhasanalinadwi.org

ف

فتح الباری ——— ۱۱۸، ۲۴۷

فتح القدیر ——— ۲۰۰

الفوز الکبیر ——— ۲۵۶

ق

قبلہ نما (رسالہ) ——— ۷۰

قلائد الجواہر ——— ۲۱۲

ک

کتاب الخراج ——— ۱۵۸، ۲۰۰

کتاب قیام اللیل ——— ۱۱۴

کتاب مقدس ——— ۲۴۸، ۲۸۰

کنز العمال ——— ۱۶۶، ۲۴۹

گ ل

گنتی ——— ۲۴۸، ۲۸۰

لاویین ——— ۲۴۷

لسان العرب ——— ۳۶، ۲۴۵، ۲۵۴

م

مثنوی پس چہ باید کرد ——— ۶۷

مدارج السالکین ——— ۱۱۱

المستدرک للحاکم ——— ۱۶۶، ۲۰۹

(صحیح) مسلم ——— ۲۱، ۳۹، ۴۷، ۷۷، ۸۶ — ۱۰۸، ۱۷۹

۱۱۲، ۱۱۷، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۳۹، ۱۵۰، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۳

۱۹۵، ۲۰۴، ۲۰۷، ۲۴۴، ۲۵۱، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۷۳

۲۷۶، ۲۷۷، ۳۳۳، ۳۳۷، ۳۴۹، ۳۵۰

المسلمون (ماہنامہ) ——— ۱۶

مسند ابن حنبل (مسند احمد) ——— ۱۶۱، ۲۰۵

مشکوٰۃ ——— ۱۹۲

مظاہر حق (ترجمہ مشکوٰۃ) ——— ۱۹۲

معارف (ماہنامہ) ——— ۱۸، ۲۵۲

معارف الحدیث ——— ۶۸

معجم ——— ۲۴۴

معرکۂ ایمان و مادیت ——— ۶۹

مفردات غریب القرآن ——— ۲۵۴

مکتوبات امام ربانی ——— ۲۶۲، ۲۷۵

مکتوبات مسعودی ——— ۴۴

مناجات مقبول ——— ۱۸

منصب امامت ——— ۱۹۴

منہاج السنہ ——— ۳۴۹

www.abulhasanalinadwi.org

مؤطا ۹۱، ۱۵۰، ۲۷۳

(ن)

نزہۃ الخواطر ۲۱۳

(سنن) نسائی ۴۵، ۶۳، ۸۰، ۸۱، ۸۴، ۸۵، ۹۱

۱۰۷، ۱۰۸، ۱۱۲، ۱۲۰، ۱۶۶، ۱۹۳، ۲۶۸، ۲۷۳، ۳۵۷

نظام تعلیم وتربیت ۲۱۴

(و ی)

الوابل الصیب ۱۱۵

وید ۱۶۹

الیہودیۃ والاسلام ۲۳۸

مقامات

(الف)

ارض مقدس ← ملاحظہ ہو ← فلسطین

اسپین ۳۴۴

اسکندریہ ۲۴۰

اعظم گڑھ ۲۵۲

افریقہ ۲۱۵، ۳۴۵

امریکہ ۹۲، ۹۹، ۳۳۰

انارکلی (لاہور) ۲۸۰

اندلس ۳۲۹

انگلستان ۲۴۰

ایران ۱۸۰

ایشیا ۲۱۵، ۳۴۷

(ب)

بابل ۲۴۹، ۲۵۰، ۳۴۴

بدر ۱۳۷

برک غدان ۱۳۸

برما ۱۰۰، ۱۷۵

بلدامین ← دیکھئے ← مکہ ومدینہ

بمبئی ۱۰۵

بغداد ۷۲

بنارس ۱۷۴

بیروت ۱۷

(پ)

پاکستان ۲۶۹

www.abulhasanalinadwi.org

پریاگ ——— ۳۵۰

ج

جابیہ ——— ۲۰۸

جبل رحمت ——— ۳۲۵

جزیرۂ عرب ——— ۶۶، ۶۷

جمرات ——— ۳۰۱، ۳۰۵

جمرۂ عقبہ ——— ۳۰۳، ۳۰۴

جوائی ——— ۳۳۴

جوڈیا ——— ۱۸۰

جنیوا ——— ۱۶

ح خ

حبشہ ——— ۳۴۸

حجاز ——— ۱۸۲، ۲۱۶، ۲۴۳، ۲۵۲

حرم ——— ۱۰۹، ۳۳۰، ۳۵۲

خانۂ کعبہ ——— ملاحظہ ہو ——— بیت اللہ

د

دائرہ شاہ علم اللہؒ ——— ۱۸

دمشق ——— ۲۱۷، ۳۴۴

دہلی ——— ۵۶

ذ

ذوالحلیفہ ——— ۳۳۴

ذوالمجاز ——— ۳۵۳، ۳۵۷

ذوالمجنہ ——— ۳۵۳، ۳۵۷

ر ز

رائے بریلی ——— ۱۸

رنگون ——— ۱۷۵

روما ——— ۳۴۶

زمزم ——— ۳۰۸

س ش

سیلون ——— ۱۰۰

سوشلسٹ ممالک ——— ۲۱۹

شام ——— ۲۱۵، ۳۰۷

ص

صفا ——— ۲۹۷، ۳۰۱، ۳۰۵، ۳۰۹، ۳۲۵، ۳۵۸، ۳۵۹

صنعا ——— ۱۹۶

ط ع

طائف ——— ۳۳۴

عالم اسلام ——— اسلامی ممالک ۱۴۱، ۱۴۲، ۲۶۲، ۲۸۲، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۷، ۳۴۹

www.abulhasanalinadwi.org

عجم ـــــــ ۱۴۲، ۳۲۵، ۳۲۶

عرب ـــــــ ۶۷، ۱۴۲، ۱۹۰، ۲۵۲، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۹، ۳۵۷

عرفات ـــــــ ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۳، ۳۰۵، ۳۲۰، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۵۲، ۳۵۳

عکاظ ـــــــ ۳۵۲، ۳۵۷

ف ق

فلسطین ـــــــ ۳۴۵، ۳۴۶

قادسیہ ـــــــ ۵۴

قرطبہ ـــــــ ۳۲۹

قنوج ـــــــ ۱۷۱

قونیہ ـــــــ ۱۸

ک

کردستان ـــــــ ۳۴۴

کعبہ ـــــــ ملاحظہ ہو ـــــــ بیت اللہ

کعبہ ـــــــ ۳۵۰

کینسا ماریہ ـــــــ ۳۴۸

گ ل

گنگا ـــــــ ۳۵۰

لاان ـــــــ ۲۴۰

لاہور ـــــــ ۱۱۴، ۲۴۸، ۲۸۰

لکھنؤ ـــــــ ۱۷، ۱۱۱

م

مانڈلے (برما) ـــــــ ۱۷۵

مثلث (حجاز) ـــــــ ۳۵۹

مدراس ـــــــ ۱۰۱

مدینہ منورہ ـــــــ ۸۹، ۱۲۵، ۱۳۷، ۲۰۵، ۲۱۱، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۵۱، ۲۵۳، ۳۲۰، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۴

مروہ ـــــــ ۲۹۷، ۳۰۱، ۳۰۵، ۳۰۹، ۳۲۵، ۳۵۸، ۳۵۹

مزدلفہ ـــــــ ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۵، ۳۵۳، ۳۵۴

مشعر حرام ـــــــ ۳۲۶، ۳۵۴

مصر ـــــــ ۵۵، ۱۱۱، ۲۵۰، ۲۵۶، ۳۰۷، ۳۴۴

مغرب ـــــــ ۱۷۰

مقام ابراہیم ـــــــ ۳۲۶

مقدونیہ ـــــــ ۱۸۶

مکہ معظمہ ـــــــ ۵۰، ۱۳۷، ۱۴۶، ۲۰۳، ۲۱۶، ۲۵۳، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۴

منا ـــــــ ۳۵۹

منی ـــــــ ۸۰، ۳۰۱، ۳۰۵، ۳۲۰، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۵۳، ۳۵۴

www.abulhasanalinadwi.org

ن و

(صحراء) نوبہ ——— ۲۱۶

نیقا ——— ۹۶

نیویارک ——— ۲۳۸

وٹیکن ——— ۹۶، ۹۷

ہ

ہندوستان ۱۸، ۸۸، ۹۱، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۴۳، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴

ہیکل سلیمانی ——— ۳۴۵

ی

یروشلم ——— ۱۸۶

یمامہ ——— ۱۹۶، ۳۳۴

یمن ——— ۳۵۶

یورپ ۱۷۲، ۲۱۷، ۲۳۰، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۴۴، ۳۴۷

یونان ——— ۲۳۶

ادارے

برٹش اینڈ فارن بائیبل سوسائٹی لاہور ۲۴۸، ۲۸۰

بمبئی یونیورسٹی ——— ۱۰۵

دارالعلوم ندوۃ العلماء ——— ۱۷

دارالفتح (بیروت) ——— ۱۷

رابطہ عالم اسلامی (مکہ) ——— ۳۳۰

سعودی ریڈیو اسٹیشن ——— ۱۶

عبرانی دارالعلوم (امریکہ) ——— ۹۱

کالون کالج (لکھنؤ) ——— ۱۷

مدراس یونیورسٹی ——— ۱۰۱، ۲۳۵

مطبع المنار (مصر) ——— ۱۱۱

وٹیکن کیتھی ——— ۹۶

www.abulhasanalinadwi.org

متفرقات

طبقات وفرق۔ قبائل وخاندان:

انبیاء کرام ۶۶، ۹۲، ۹۳، ۱۲۱، ۱۷۷، ۱۸۲، ۱۸۸، ۱۹۰
۲۶۴، ۲۶۵، ۲۸۶، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۱۰، ۳۴۷، ۳۴۸

اجار ۹۲، ۹۴

اخفاف ۲۷۶

آرین ۱۷۷

ازواج مطہرات ۲۰۵

اسرائیلی۔ بنی اسرائیل ۹۲، ۹۵، ۱۷۶، ۱۸۲، ۲۴۴، ۲۴۹، ۲۵۰

اشراقی صوفیاء ۴۸

آشوری ۴۹

اصحاب سنن ۸۴، ۱۸۹

افغانی ۳۲۶

امریکی ۳۲۶

(حضرات) انصار ۷۴، ۱۳۷، ۱۳۸، ۲۵۳، ۳۵۶، ۳۵۹

اہل ارتداد ۱۹۵، ۱۹۶

اہل بادیہ ۳۲۹

اہل بدعت ۲۷۲

اہل بیت کرام ۱۹۰، ۲۰۲، ۲۰۴، ۲۰۸، ۲۱۰

اہل جاہلیت ۶۶، ۳۵۲، ۳۵۳، ۵۸-۳۵۵

اہل خیبر ۲۴۸

اہل سنت ۲۶۹

اہل شرک ۱۹۶

اہل صفہ ۱۱۷

اہل قرطبہ ۳۲۹

اہل کتاب ۱۴۶، ۲۵۸، ۲۷۳، ۳۴۷

اہل مدینہ ۳۲۹، ۳۳۴

اہل مکہ ۳۲۹

اہل ہند۔ ہندی ۴۹، ۳۲۶

اہل یمن ۳۵۶

اہل یونان ۴۹

برہمن ۷۴-۱۶۹، ۱۸۸، ۱۸۹، ۲۸۱

بنی ہاشم ۱۸۹، ۱۹۰، ۲۱۰

بنی یربوع ۱۹۶

بھکشو ۱۷۵

www.abulhasanalinadwi.org

پادری ۲۸۷

پارسی ۲۸۱

پروٹسٹنٹ فرقہ ۹۹

پروہت ۱۰۴، ۱۸۸، ۲۸۷، ۳۰۵

پنڈت ۱۰۴، ۱۸۸، ۱۸۹

تابعین ۱۱۰، ۱۲۴، ۱۵۶، ۲۱۰، ۲۵۶

ترک ۳۴۴

خلفائے راشدین ۱۲۴، ۲۰۸

راہب ۴۸، ۲۳۰، ۲۳۹

رشی ۳۵۰

رومن کیتھولک عیسائی ۹۶، ۹۷، ۳۴۶

رومی ۲۴۰

صحابۂ کرام ۳۶، ۴۷، ۵۳، ۶۳، ۸۰، ۸۱، ۸۵، ۹۰، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۳، ۱۱۷، ۱۲۰، ۱۲۴، ۱۳۷، ۱۴۸، ۱۵۶، ۱۹۶، ۱۹۹، ۲۰۱، ۲۰۶، ۲۰۸، ۲۱۹، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۶۹، ۲۷۳، ۲۷۷، ۲۷۸، ۳۲۰، ۳۳۶، ۳۵۵

صوفیاء ۴۸

عرب۔ اہل عرب ۱۰۵، ۲۴۳، ۲۴۵، ۲۵۱، ۲۶۰، ۲۷۴، ۳۲۹، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۷

علمائے شوافع ۱۱۱

عیسائی ۹۶، ۱۶۹، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۶، ۲۳۰، ۲۳۸، ۲۴۳، ۲۵۰، ۳۲۵-۳۴۷

فقہائے احناف ۶۴

قبیلۂ بنی سعد ۱۹۰

قبیلۂ جہینہ ۴۷

قبیلۂ مُضر ۳۳۷

قبیلۂ ہُذیل ۱۹۰

قریش ۱۳۱، ۱۳۷، ۲۵۱، ۳۲۹، ۳۵۲-۵۴

قوم فرعون۔ آل فرعون ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۹

کاہن ۲۸۷

لاویین ۱۷۷، ۱۸۰

مجاور ۲۸۷، ۳۰۵

مجوسی ۲۸۱

مسلمان۔ اہل اسلام ۔۔۔ پوری کتاب

مصری ۴۹، ۲۳۶

مغربی۔ یورپین ۱۰۲، ۱۶۹، ۱۷۰، ۳۲۶

منی ۳۵۰

(حضرات) مہاجرین ۱۳۷، ۲۵۳

نصاریٰ۔ نصرانی ۷۴، ۲۷۳، ۲۷۴، ۳۲۸، ۳۳۲، ۳۴۹

ہندو ۱۰۲-۱۰۰، ۱۰۵، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۴

یونانی ۲۸۱

یہود۔ یہودی ۷۴، ۹۵-۱۸۴، ۱۸۷، ۱۸۸، ۲۲۶-۲۳۹، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۷۴، ۲۷۹، ۳۲۸، ۳۳۲، ۳۴۲-۳۴۹

www.abulhasanalinadwi.org

مذاہب و شرائع، نظریات و فلسفے:

اسلام۔ اسلامی شریعت ـــــ پوری کتاب

اشتراکیت۔ اشتراکی نظام ـــــ ۱۴۷، ۱۸۵، ۲۰۰

اوا گون (تناسخ) ـــــ ۱۶۹

بپتسمہ ـــــ ۹۷، ۹۸، ۲۳۹

بت پرستی۔ وثنیت ـــــ ۲۹۵، ۳۴۸

برت ـــــ ۱۰۳، ۲۳۶، ۲۴۱

برہمن ازم ـــــ ۳۴۹

بودھ مت ـــــ ۱۰۵، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۵، ۳۴۹

پارسی مذہب ـــــ ۲۳۶

جین دھرم ـــــ ۱۷۰، ۳۴۹

خُمس ـــــ ۳۵۳

رہبانیت ـــــ ۲۱۶، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۷۲

شریعت موسویہ۔ یہودیت ۹۴-۹۱، ۹۶، ۱۶۸، ۱۷۵، ۱۷۷، ۱۸۳، ۱۹۰، ۳۸-۲۳۶، ۲۴۳، ۲۵۰، ۳۴۳

صلاۃ غوثیہ ـــــ ۷۲

عیسائیت۔ مسیحی شریعت ۹۶، ۱۶۸، ۱۸۳، ۱۸۴، ۲۳۸، ۲۳۹، ۳۴۳

عشاء ربانی ـــــ ۹۸-۱۰۰

قشقہ ـــــ ۱۰۱

کرن پھول ـــــ ۱۰۲-۱۰۵

کفارہ ۹۸، ۴۹-۲۴۷، ۲۵۲، ۲۸۰، ۳۹-۳۳۶

کیمونزم ـــــ ۲۰۰

گوسالہ پرستی ـــــ ۲۴۷

مالکی مذہب ـــــ ۳۲۹

نصرانیت ـــــ ۹۱

ہندو مذہب ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۷، ۲۳۵، ۲۸۱، ۳۵۰

مساجد و معابد:

بیت اللہ شریف۔ خانۂ کعبہ ۵۰، ۵۱، ۶۶، ۱۵۰، ۱۳۱، ۱۹۰، ۱۹۱، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۷، ۳۰۱، ۳۰۵، ۳۱۶، ۳۱۹، ۳۲۳، ۳۲۶، ۳۲۸، ۳۳۰، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۵۲-۳۴۹، ۳۵۵-۵۸

بیت المقدس۔ مسجد اقصیٰ ۱۷۷، ۴۶-۳۴۳، ۳۴۸

مسجد حرام۔ مسجد مکہ ـــــ ۱۹۶، ۳۲۰، ۳۴۸، ۳۴۹

مسجد عبد القیس ـــــ ۱۹۶

مسجد نبوی۔ مسجد مدینہ ـــــ ۱۹۶، ۳۲۰، ۳۴۸

انجلیکانی کلیسا ـــــ ۱۰۰

ٹمپل ـــــ ۳۴۴

پروٹسٹنٹ گرجا ـــــ ۹۹

کلیسا ـــــ ۹۶-۱۰۰، ۱۸۴، ۱۸۶، ۲۳۹، ۲۴۰

www.abulhasanalinadwi.org

کیتھولک کلیسا ۹۷، ۹۸

گرجا ۱۸۶، ۳۴۶

مٹھ ۱۶۹، ۱۷۲

مندر ۱۰۱-۱۰۴، ۱۸۸، ۳۵۰

ہیکل ۹۵، ۹۶، ۲۳۸

مذہبی اصطلاحات:

احرام ۳۲۵، ۳۳۳-۳۵، ۳۳۹، ۳۵۵

استخارہ ۱۰۹

استسقاء ۱۰۹

تلبیہ ۳۰۲، ۳۳۵

جنت ۱۰۸، ۱۱۷، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۶، ۲۶۸، ۳۱۱، ۳۳۳

جنیو (زنار) ۱۷۱

جہنم ۲۶۲، ۲۶۳، ۳۳۳

دکشنا (خیرات) ۱۶۹

رمی جمار ۹۹-۲۹۷

ریان ۲۶۶

صلوٰۃ کسوف ۶۳

صلیب ۹۸، ۲۳۹

صوم وصال ۲۷۴

عاشورا ۴۵-۴۳، ۲۴۳-۵۲، ۲۴۷، ۲۶۰

فلقطیر (تعویذات) ۹۴

ناقوس ۷۴

وحی ۳۶۴

اصنام وبت:

بت۔ مورتی ۶۶، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷-۳۰۵، ۳۱۴، ۳۱۵

دیوی۔ دیوتا ۴۹، ۱۰۲، ۱۰۴، ۱۰۵، ۳۴۲، ۳۵۰

شکتی ۱۰۱

شیو ۱۰۱

مناۃ ۳۵۹

وشنو ۱۰۱، ۲۳۵

اعیاد وتہوار:

اسٹیر۔ عید الفصح ۲۳۹، ۲۴۶، ۳۴۳

ایام الفطیر ۲۴۶، ۲۵۰

عید الاضحی ۲۴۶

عید الحصاد ۳۴۳

عید الفطر ۲۴۶

عید الفطیر ۲۴۹

عید المظال ۳۴۳

کمبھ میلہ ۳۵۰

ویکنتا ایکادشی (ہندو تہوار) ۲۳۵

یوم کبور۔ صوم کبور ۲۴۵، ۲۴۷

یوم کفارہ ۹۴

www.abulhasanalinadwi.org

تہذیب، معاشرہ وسماج:

اسلامی معاشرہ ۲۲۱، ۲۶۲

مغربی تہذیب ۳۳۰، ۳۳۱

ہندو سماج ۲۳۵

یہودی معاشرہ ۱۷۹

سکے اور اوزان ومعادن:

چاندی ۱۴۳، ۱۵۳، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۹۱، ۲۱۵، ۲۳۳

درہم ۱۴۳، ۲۰۸، ۲۱۰

دینار ۱۴۳، ۲۰۵، ۲۱۰، ۲۱۲

رطل ۱۴۴

سونا ۱۰۲، ۱۴۳، ۱۵۳، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۹۱، ۲۱۳، ۲۱۵، ۲۳۳

صاع ۱۴۴

مثقال ۱۴۳، ۱۷۶

وسق ۱۴۴

عہد ودوادوار:

خلافت عباسیہ ۲۰۰

عہد بابل ۲۳۶

عہد جاہلیت ۸۹، ۱۰۵، ۱۴۴، ۱۹۰، ۲۵۱، ۲۵۵، ۲۵۷، ۲۵۹

عہد ہیکل ۹۴

زبان ولغت:

اردو ۱۸

ترکی ۱۸

عبرانی ۹۲، ۹۳، ۲۴۵، ۲۴۹

عربی ۱۷، ۱۸، ۶۰، ۲۵۴

لاطینی ۹۹

اہم واقعات وجنگ:

جنگ بدر ۱۳۷

حجۃ الوداع ۱۹۰، ۲۵۱، ۳۵۸

صلیبی جنگ ۳۴۴

فتح مکہ ۱۴۶، ۳۳۸

فتنۂ مسیح دجال ۶۹

ہجرت ۱۴۱، ۲۴۵، ۲۴۶، ۵۳-۲۵۱، ۳۲۰، ۳۳۸

دیگر متفرقات:

حجر اسود ۳۰۵

سمندل ۱۰۱

طیلسان ۹۴

عربی تقویم ۲۴۴، ۲۵۱

قصۂ سندباد جہازی ۱۶۴

لوبان ۱۰۱

یہودی تقویم ۲۳۶، ۲۴۴، ۲۵۱

www.abulhasanalinadwi.org

INDEX

Aboth, 178
Abraham J. Katish, 238
Achaia 186
Ananias 186
Anglican, 99
A. S. Geden 168
Bababathra, 178
Babamezia, 178
Bensira, 177
Book of Common-Prayer The, 100
Catacombs, 346
Church of India, Pakistan and Ceylon, The, 101
Encyclopaedia of Religion and Ethics, 106, 174, 178 187, 240, 346
Ezra, 95
Gal, 185, 186
Gonic, 96
Gesius Florus, 344,
Ghate, V. S. 105
Giltin, 178
Harvard University 181
Hebrew Union College, 92
Hemadri 170
Hinduism' 102, 104
History of European Morals, 230
Hiuen Tsang. 171
Jewish Encyclopaedia, 238, 247, 250, 251, 345, 346,
Johanan, 96
Judaism by G. F. 179' 181 Moore,
Judaism, A Way of Life, 95
Judaism in Islam, 238, 249
Judaea, 180
Kartike, ya 101
Kethuboth, 178, 179
King of the Schonorrers 179
Lecky, W. E. H., 230
Louis Renan, 102, 104
Luke, 184, 239
Mahadevan, T. M. P., 101, 235
Maim lo cit. 179
Methodist, 99
Methodist Hymnal, the, 99
Middle Ages, 172
Midrash Tebelhoron Islam, 181
Mishnah, 347
Mithila, 171
Moore. G F., 179, 180
Neh, 10-180
Outlines of Hinduism, 101, 102 236
Paul Publication, Series The
Sacrifice of the Mass, 97
Passover 344
Pentecost. 185
Ramah, 347
Ritualism, 105
Rome, 346
Saphira 186
Samuel, 344
Samuel S. Cohon, 92
Schonorrers, 179
Shebbath, 178
Sira, 177
Spain, 344
Spooner, W. A., 188
Tosefta, 344
Zangwill, 179

www.abulhasanalinadwi.org